سرگذشتِ الفاظ
احمد دین بی۔اے
شیخ غلام علی اینڈ سنز
ایجوکیشنل پبلشرز
لاہور

سرگذشتِ الفاظ

از

احمد دین بی ' اے ، وکیل ' لاہور

ناشران

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور حیدرآباد کراچی

طابع — شیخ نیاز احمد

مطبع — علمی پرنٹنگ پریس لاہور

اشاعت دوم — سنہ ۱۹۶۹

قیمت — چھ روپے

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور

ہوالمستعان

مولانا مولوی محمد حسین صاحب آزاد کا نام نامی
زیب عنوان کتاب ہے اور اس لیے کہ
مولانا ادبیاتِ اُردو میں سلاستِ زبان ۔ لطافت بیان اور
لفظوں میں جان ڈال کر جیتی جاگتی تصویریں نظروں کے سامنے
کھڑی کر دینے میں تا حال بے مثال ہیں :
زبان اُردو میں مولانا علم اللسان اور تحقیقات لفظی میں پیشرو ہیں :
مؤلف کو مولانا کی شاگردی کا فخر حاصل ہے :
اور مولانا کی تصنیفات سے کہیں کہیں اقتباسات بھی کیے گئے ہیں :
اُردو میں اپنی قسم کی یہ پہلی کتاب ہے ۔ لیکن مؤلف کا ہرگز یہ دعویٰ
نہیں کہ یہ طرز اس کی اپنی ایجاد ہے ۔ زبان انگریزی میں یہ مضمون اچھوتا
نہیں ۔ انگریزی دان اصحاب پادری ٹرینچ کی مطالعہ الفاظ سے
اچھی طرح واقف ہیں ۔ اور مؤلف تو اپنے زمانہ طالب علمی سے تا حال
چھتیس پینتیس سال کا عرصہ ہوتا ہے ۔ مطالعہ الفاظ کا گرویدہ رہا
ہے ۔ اور اُسے اردو خواں اصحاب کے سامنے پیش کرنے کا خواہاں۔

معلوم نہیں کہ وہ کس نگاہ سے اسے دیکھیں گے ؎

اس پیش کش میں مطالعہ الفاظ کا طرز بیان ہی قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور جہاں تک ممکن تھا پادری صاحب موصوف کے سلسلہ تحریر کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ البتہ انگریزی۔ فرانسیسی۔ لاطینی الفاظ کی بجائے اردو۔ ہندی۔ فارسی اور عربی کے الفاظ منتخب کیے گئے ہیں۔ مؤلف کی زبان ہائے مذکورہ کی ادبیات میں مہارت یا کمال کا دعویٰ نہیں اور نہ ہی ادبیات اس کا شغل ہے۔ بال کی کھال اُتارنے والے خشک پیشہ وکالت کے خوش خرید یا یوں کہو کہ دام لے کر خریدے ہوئے تفکرات اور مشہور مثل کے، شہر کے اندیشہ کی پریشانیوں میں سرگذشت الفاظ لکھی گئی ہے اور اس خیال سے کہ ادبیات اُردو کے اہل کمال اس مضمون میں طبع آزمائی کریں گے اور زبان اُردو کو اپنی بیش بہا اور دلچسپ معلومات سے اس پیرایہ میں مزین اور مالا مال کر دیں گے ؎

شرم آید از بضاعت کم قیمتم ولیک
در شہر آبگینہ فروش است و جوہری

احمد دین

* * *

فہرست مضامین

فصل اوّل

۱- الفاظ قیمتی ہیروں کی کان ہیں ٭

۲- علم شے بہ از جہل شے ٭

۳- مضمون کی بیحد دلچسپی ٭

۴- اردو اور اس کے الفاظ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ٭

۵- زبان متحجر نازک خیالی۔ اخلاق اور تاریخ ہے ٭

۶- متحجر نازک خیالی ٭

۷- اس کی مثالیں۔ برباد۔ بیدار۔ خوابیدہ۔ خوش طالعی۔ شومیٔ بخت ٭

۸- متحجر اخلاق اور اس کی مثالیں دنیا۔ عیش وعشرت۔ مسرت ٭

۹- متحجر تاریخ اور اس کی مثالیں۔ فرنگ۔ مغلانی ٭

۱۰- آغاز زبان ٭

۱۱- ایجاد زبان پر اعتراض ٭

۱۲- آغاز زبان۔ اس کی ترقی اور تنزل کی حقیقت ٭

۱۳- آدمی اپنی زبان خود بناتا ہے ٭

۱۴- جس طرح درخت جڑ سے قانون قدرت کے مطابق نکلتا اور پھلتا ہے ٭

۱۵- وحشیوں کی زبان پر نقش تنزل ٭

۱۶- پادری موفات۔ اور لفظ ماریمو ٭

۱۷- خیالات زبان سے ہی پرورش پاتے ہیں ٭

۱۸- زبانوں میں جو کچھ باقی رہ گیا ہے
وہ بھی شہادت تنزل دے رہا ہے ؏

۱۹- قومی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی
زبان ترقی کرتی ہے ؏

۲۰- الفاظ جو حسیات مذہبی نے پیدا
کیے اور ان کی مثالیں ؏
جبریہ - قدریہ - آواگون - تناسخ
ناستک - نیچری - مقلد - غیر مقلد
بقائے اکمل - کشمکش وجودی
عمل انتخاب طبعی - فلسفہ اشراق ؏

۲۱- زبان - مکمل عطیہ ؏

۲۲- زبان - قوموں کے جذبات -
خیالات اور تجربہ کی مجسمہ ہے ؏

۲۳- نام کو اپنے موسوم سے ضرور تعلق
ہونا چاہیے - کافور - پدمنی ؏

۲۴- کتب مقدس اور نام - تبت
یدا ابی لہب ؏

۲۵- نام اور ادیب اور شعراء -
زیب النساء اور ناصر علی
عُرفی اور فیضی اقبال - نورجہاں
اور نورالدین - مومن - داغ - ابنہ
لنگڑا آم - اللہ بیلی ؏

۲۶- نام کی گندم نمائی اور جو فروشی ؏

۲۷- نام اصلیت بد کا آئینہ بنانے
کی کوشش - نتھو - کادیانی
جگنو میاں ؏

۲۸- نام میں حسنات وصفات
کی پیشین گوئی - ابراہیم عادل
شیر افگن - ناصر علی اور دلی
بخیا - عیسےٰ - موسیٰ ؏

۲۹- نام اور اُس کے اثر پر عقیدہ -
ماتا - اُم الصبیان ؏

۳۰- نام اور امثال -
پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل
برعکس نہند نام زنگی کافور ؏

۳۱- انجیل مقدس اور ناموں کی اہمیت ؏

۳۲- نام اور نیک شگونی ؏
شاہجہان - جہانگیر - عالمگیر مالن

یا سہاگن ۔ گل زباغ علی ۔
۳۳ - تعلیم میں تحقیقات لفظی کی اہمیت
۳۴ - اردو میں یہ تحقیقات بیش بہا
خزانوں سے پُر کردے گی ۔

فصل دوم

۱ - زبان متحجر نازک خیالی ہے ۔
زلیخا ۔ منموہن ۔ چھوئی ۔ مہر النسا
غضنفر ۔ باقر ۔ ارجمند ۔ گلعذار
گل اندام ۔ خورشید عالم ۔ غنچہ دہن
مہ لقا ۔ ماہ جبین ۔ ملاحت گنج دلی

۲ - شاعری کیا ہے ۔

۳ - الفاظ پھیکے پڑے ہوئے استعارات ہیں
جگر گوشہ ۔ سحر حلال ۔ دخترِ رز
بگلا بھگت ۔ قوس قزح ۔ قوس
شیطان ۔ قوس رستم ۔ کہکشاں
فرقدان ۔ زہرہ ۔ عقرب ۔
میزان ۔ صباغ ۔ زبین، بنات النعش
خرمن ماہ ۔ قلع و قمع ۔ تہذیب

۴ - اخلاق ترقی کی برکتیں ۔
اُمّ الخبائث ۔

۵ - معنیٔ الفاظ ذہن نشین کرنے
کے لیے ماخذ کا تصور ۔
انبساط ۔ تلاطم ۔ طیار ۔ تیار
دیوانہ ۔ سہل ۔ اعیان وارکان
غور ۔ خوض ۔ تعمق ۔ نرغہ ۔ افراتفری ۔

۶ - مقامات کے ناموں میں رنگینی
سوڈان ۔ کربلا ۔ باب المندب ۔
ہمالہ ۔ چمن ۔ گلستان ۔ اندرپرست
اندر گڑھ ۔ جزیرۃ الخضرا ۔

۷ - پھولوں اور بوٹیوں کے نام ۔
تاج خروس ۔ بستان افروز
نازبو ۔ شہلا ۔ غنچہ ۔ سبزۂ بیگانہ ۔
چھوئی موئی ۔ ناگ پھن ۔
خون سیاوشاں ۔ سکھ درشن

۸ - چرند و پرند کے نام ۔
شتر مرغ ۔ آفتاب پرست
ہزار داستان ۔ شاہین ، شاہباز ۔

شبدیز۔ بادپا۔ ڈومنی، سدا سہاگن۔ مرغ زریں۔ سنرک سرخاب۔ گلدم۔ سیمرغ۔ بوزنہ پروانہ۔ عصفور۔ طاؤس تلیر نیل کنٹھ۔ کٹھ پھوڑا ٭

۹- ایک اور مثال۔
کھٹمل ٭

۱۰- روایات اور فسانے ناموں میں
آتش زون۔ موسیقار۔ شہاب ثاقب۔ کوہ نور۔ کوہ طور۔ درِیتیم۔ سنگ موسیٰ۔ سنگ یہود۔ ماہتابی انار۔ پھل جھڑی۔ ساون بھادوں گل دوپہر۔ مغل ٭

۱۱- صورت بدل کر بھی قیام
نازک خیالی پر الفاظ کا اقرار ٭

۱۲- مثالیں۔
پھولی بھٹیاری۔ نیچے منڈل ٭

۱۳- علمی الفاظ میں نازک خیالی۔
شبنم۔ تن زیب۔ یمن سکہ مصراع۔ ردیف۔ قافیہ۔ انشاء۔ تسلسل۔ فقرہ۔ تصنیف۔

۱۴- قانونی اصلاحیں۔
تنقیح۔ جرح۔ تفتیش۔ مواخذہ کفالت۔ عقد۔ عدد اصم ٭

۱۵- فن تعمیر کے اصطلاحات
محراب۔ نردبان۔ زینہ ٭

۱۶- شہر خموشاں۔
انتقال ٭

۱۷- نازک خیالی میں دور۔
غریب ٭

۱۸- زبان میں دلچسپی کے سامان ٭

فصل سوم

الفاظ میں اخلاق

۱- الفاظ میں اخلاقی شہادت ٭

۲- اخلاقی انحطاط۔
آبکاری۔ اوباش۔ اُچکا۔ اُلو کرنا۔ رکھال اُڑانا، اجاڑو۔ افسون۔

الحاد ؛

۳۔ زبان انسانی شرارتوں کا آئینہ
شماتت۔ حسد۔ ٹکٹکی۔ شکنجہ۔
سُولی۔ چار میخ۔ سنگسار ؛

۴۔ الفاظ انسان کے انحطاط میں اس کے شامل رہے ہیں۔
شاطر۔ عیّار۔ غلام۔ لونڈی
چھوکری۔ فیلسوف۔ ابن الوقت
حیلہ۔ مغبچہ۔ عداوت۔ تعصب ؛

۵۔ مزید مثالیں۔
سزا۔ پاداش۔ گوروگھنٹال۔
گورمتا۔ حرفت باز۔ دلال۔ ناٹک ؛

۶۔ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان ؛

۷۔ عین الکمال۔
عین الکمال۔ کل جیبھا مغرور ؛

۸۔ ارتقاء الفاظ
شہید۔ پیغامبر۔ شفیع۔ فردوس
بہشت۔ حج۔ شریعت۔ نماز روزہ ؛

۹۔ تصدیق حقائق رحمانی و فتنہ پردازی شیطان۔
شدنی۔ اجل۔ مصیبت۔ طاعون ؛

۱۰۔ زبان خلق نقارۂ خدا۔
دارالمکافات ؛

۱۱۔ اس کی مثالیں۔
خسیس۔ لئیم۔ کناس ؛

۱۲۔ شہادت اخلاق حقائق کی مزید مثالیں۔
دیانت۔ شرارت۔ سلامت روی ؛

۱۳۔ الفاظ انسانی دل کی کمزوریاں دکھاتے ہیں
خوشامد۔ خدائی فوجدار۔ سلیم
اندھا۔ بصیر۔ قافلہ ؛

۱۴۔ الفاظ اور حقیقت حال۔
عیش۔ سیاہ کاری۔ عفت۔ طیش۔
منت۔ انسانیت۔ عصمت ؛

۱۵۔ الفاظ میں اخلاقی تنزل کا اظہار
شیخ۔ سادہ۔ منطق۔ حجت ؛

۱۶۔ برکات الٰہی اتفاق اور طالع سے منسوب کی جاتی ہیں۔

طالع ۔ طالعمند ۔ نیک اختری
قسمت ۔ بخت ۔

۱۷۔ انسان کی ناانصافی ۔
راس ۔ زنجیر ۔ مہار ۔

۱۸۔ عزت کے نام ذلیل اور خوار
چیزوں کو دیے جاتے ہیں ۔

۱۹۔ بُری چیز کا بُرا ہی نام ہونا چاہیے ۔

۲۰۔ ناموں میں بدی کی پردہ پوشی
پنڈت خانہ، سرخوش چڑھی ہوئی
سوار ۔ دخت رز ۔ دختر آفتاب ۔

۲۱۔ وعید الٰہی سے تمسخر ۔
کپتان ارسکین ارسکین قاضی پائے ترسا ۔

۲۲۔ الفاظ معصیت پر جذبات کا
پردہ ڈالتے ہیں ۔
ثالث بالخیر ۔ پنچائتی ۔ صبح خیرے
رشوت ۔ نذر ۔ ڈالی بخشش ۔
ہاتھ گرمانا ۔

۲۳۔ اسمار کی شوخ چشمی اور
ہماری دھندلی نظر ۔
شراب ۔ آب ۔ طرب ۔ آبحیات
آب آتشیں ۔ آتش تر ۔

۲۴۔ الفاظ اخلاقی عنصر پھیلاتے ہیں ۔
وہابی ۔ اہلحدیث ۔ موحّد ۔ مرزائی
احمدی ۔ محمدی ۔

۲۵۔ زبان قوم کا مقیاس الاخلاق ہے ۔

۲۶۔ قوم کی سبکسری
صلواتیں ۔ جہنہ (جہنّم) فطرتی ۔

۲۷۔ افضل ترین روحانی اشیا کا واسطہ
دنیا کی ادنیٰ چیزوں کے ساتھ
نہیں ہونا چاہیے ۔
لن ترانی ۔ کعبتین ۔ پاکبازی ۔

۲۸۔ اخلاقی گمراہی ۔ کھیل اور
مذاق میں استعمال نہ ہو ۔
حرفت بے ایمانی ۔ بددیانتی ۔

۲۹۔ لفظ واحد قومی حالات کا نمونہ ۔
اسلام ۔ گوسوامی ۔ گوسائیں ۔ نروان

۳۰۔ ایک لفظ کا جانا اور اس کی
جگہ دوسرے لفظ کا آنا ۔

سکھ - سنگھ ؛

۳۱ - ایک لفظ کا دوسری قوم سے لینا اصولی اختلافات اور قومی خصوصیات کا مظہر۔ دیو ؛

۳۲ - مذہبی رسوم اور ان کے کارپردازوں کی بے حرمتی۔ مولوی۔ مولانا۔ ملا۔ ملانا۔ کٹھ ملا۔ محتسب۔ شیخ۔ قل اعوذی ؛

۳۳ - الفاظ جو اپنے ہاں نہ تھے اور دیگر اقوام سے لیے گئے۔ کلب ؛

۳۴ - زبان میں لفظ کی عدم موجودگی کا اثر۔ وحی۔ الہام۔ شہادت۔ قربانی ؛

۳۵ - دوسری زبان کے پُرمعانی الفاظ۔ مُروت۔ احسان

۳۶ - ہمسایہ قوموں کی نزاعوں کا آئینہ ترکی۔ یلیچہ۔ ازبک۔ پنڈارا مرہٹی ؛

۳۷ - الفاظ عالم عجائبات و اسرار

فصل چہارم

۱ - الفاظ میں تاریخی عنصر ؛

۲ - تحقیقاتِ لفظی اور علم تاریخ میں اس کی اہمیت ؛

۳ - زبان ملک کی گذشتہ تاریخ بتاتی ہے ؛

۴ - زبان فارسی اور عربوں اور ایرانیوں کا باہمی تعلق ؛

۵ - حقیقت حال اور نئی فارسی کا وجود میں آنا ؛

۶ - عربوں کی حکومت اور ایرانیوں کی محکومیت کے نشانات۔ سلطان۔ حکومت۔ خراج۔ دولت۔ اطاعت۔ بیعت۔ امیر۔ وزیر۔ نائب السلطنت۔ ولیعہد۔ بیت المال۔ حاجب۔ محل۔ قلعہ۔ قبہ و مینار۔ شاہ۔ دستور۔ موبد۔ ارجمندی۔ کلاہ خسروانی۔ باژ۔ سالار۔ گاہ

آئین ۔ مہر و ماہ ۔ ستارگان آسمان و
زمین ۔ آب و آتش ۔ پدر ۔ مادر
شوہر ۔ زن ۔ پسر ۔ دختر ۔ قصر و
قلعہ ۔ خانہ ۔ کاشانہ ۔ مرز و بوم ۔ آستاں
بوریا ۔ قالین ۔ خوان ۔ مائدہ ۔ سفرہ
برد برز ۔ دہقان ۔ روستا ۔ عجمی
تازی ۔ گندم ۔ جو ۔ کنجد ۔ گربہ
سگ ۔ کبوتر ۔ ماکیان ۔ گاؤ
گوسپند ۔ پیر مغاں ۔ محتسب
ترک ۔ تاجیک ۔

۷۔ فارسی کا اثر عربی پر ۔
سکہ ۔ درہم ۔ دینار ۔ چراغ
کوزہ ۔ طشت ۔ کاس ۔ کرتہ
سروال ۔

۸۔ اردو ۔

۹۔ مسلمان اور ہندوستان
ماں ۔ باپ ۔ بہن ۔ بھائی ۔ بیٹا
بیٹی ۔ چاند ۔ سورج ۔ آگ ۔ پانی
ہوا ۔ مٹی ۔ بادل ۔ دن رات ۔

جھونپڑا ۔ کوٹھا ۔ گھر ۔ کھیت ۔ کنواں
ہل ۔ کدال ۔ کھانا ۔ پینا ۔ سونا ۔ دال
بھات ۔ روٹی ۔ دودھ ۔ دہی ۔ چاول
آٹا ۔ گھی ۔ دھوتی ۔ پگڑی ۔ جوتا ۔ ٹوپی
عورت ۔ خاوند ۔ خصم ۔ آسمان ۔ زمین
اکاس ۔ پرتھوی ۔ ثروت ۔ احتشام
سلطنت ۔ عزت ۔ وجاہت ۔ امیر ۔ وزیر
بادشاہ ۔ سلطان ۔ اطاعت
فرمانبرداری ۔ مال و دولت ۔ جاہ
مرتبت ۔ آرام ۔ آسائش ۔ مکان
محل ۔ فرش ۔ قالین ۔ تکیہ ۔ نان
کباب ۔ پلاؤ ۔ زردہ ۔ قورمہ ۔
روغن جوش ۔ بریانی ۔ بورانی ۔
قمیص ۔ کلاہ ۔ دستار ۔ دلال ۔
فراش ۔ مزدور ۔ وکیل ۔ جلاد
صراف ۔ مسخرا ۔ نصیحت ۔ لحاف ۔
توشک ۔ چادر ۔ صورت ۔ شکل
چہرہ ۔ طبیعت ۔ مزاج ۔ برف
فاختہ ۔ قمری ۔ کبوتر ۔ بلبل ۔ طوطا

پر۔ دوات۔ قلم۔ سیاہی۔
جلاب۔ رقعہ۔ عینک۔ صندوق
کرسی۔ تخت۔ رکاب۔ زین تنگ
نعل۔ کوتل۔ عقیدہ۔ وفا۔ درد
پردہ۔ دالان۔ تہ خانہ۔ تنخواہ، تلخ
تازہ۔ غلط۔ صحیح۔ رسد۔ کاریگر
ترازو۔ شطرنج۔ معلوم۔ مطلب
تجویز۔ حرف۔ موافق۔ میدان
مرغا۔ مرغی۔ قرق۔ مشاطہ ؎

۱۰۔ فارسی اور ہندی کا ملاپ انہی
اصولوں پر ہوا جو عربی اور فارسی
کے باہم ملاپ پر عمل میں آئے تھے

۱۱۔ انگریزی حکومت اور موجودہ زبان
کوٹ۔ واسکٹ۔ کالر۔ نکٹائی
پتلون۔ بوٹ۔ لیمونیڈ۔ سوڈا
تحصیلدار۔ منصف۔ تھانہ دار
داروغہ۔ کلکٹر۔ ڈپٹی کمشنر۔ کمشنر
لاٹ۔ مجسٹریٹ۔ جج۔ کانسٹبل
چور۔ گرفتاری اور قید۔ پھوڑا۔
پھنسی۔ نشتر۔ ڈاکٹر۔ اوپریشن ؎

۱۲۔ تورانی اور پرتگیزی اثر۔
چلمن۔ چق۔ چقماق۔ چغل۔
ساچق۔ آیا۔ پادری۔ نیلام ؎

۱۳۔ محکومین کی قوم اور زبان موجودہ
قوم اور زبان کا پشت پناہ ہیں ؎

۱۴۔ زبان دور کے پتے دیتی ہے۔
پدر۔ مادر۔ دختر و دوشیزہ ؎

۱۵۔ منفرد الفاظ میں تاریخی واقعات
کا ذخیرہ۔
مدینہ۔ مہاجرین۔ انصار۔ ہجرت
یار غار۔ زندیق۔ سمرقند ؎

۱۶۔ ایک لفظ ایک جنگ کی تاریخ
سے زیادہ سبق آموز ہے۔
مشائین۔ راجپوت۔ ذمی۔ دسہرہ
ترکتازی۔ داعی ؎

۱۷۔ اسماء میں کسی غلطی کا ایماء یا تلمیح
سخت عیب کی بات ہے ؎

۱۸۔ بعض اوقات یہ غلطی اتفاقیہ اس کے

مفہوم میں داخل ہو جاتی ہے
سیمٹک فنیشین - انڈو یورپین ؛

۱۹- نام کی غلطی باعث شر -
موحدین - اہلحدیث - رافضی - خارجی
وہابی - نیچری - شیعہ - معتزلہ ؛

۲۰- بعض نام حقیقت حال کے شاہد ہیں -
دہریہ - لاادریہ - سناتن دھرم سبھا
آریہ سماج - احمدی - نیچری -
وہابی - سراوگی - بیراگی - احرار
انتہا پسند - اعتدال پسند - استبداد ؛

۲۱- اسماء مفید اور دلچسپ اسباق کا
خلاصہ ہیں - چیزوں کے نام انکے اصلی
مقامات کی نسبت سے مشہور ہو گئے ہیں
مقناطیس - مغنیسا - جلاب - تمباکو
موسیقی - ششتری - کیش - اصطبل
ململ - چاچی - ختلی ؛

۲۲- اشیاء اپنے موجد کے نام لیوا ہیں
اشرفی - سارنگی - زرجعفری -
بیطاری - بورانی - رضائی ؛

۲۳- ناموں پر تاریخی اشخاص کا اثر
حاتم - یوسف - نوشیراں - نادری
مسیحائی - فرعونیت - ہنبق -
طفیلی - نبرا - خفش ؛

۲۴- قصے کہانیاں اور ادبیات کا اثر ناموں پر -
رستم - رستمی - خوجی

۲۵- کئی دفعہ نام غلطی کے پیدا کرنے
اور قائم رکھنے کا باعث ہوتے ہیں -
امریکا - کولمبس ؛

۲۶- کبھی آواز اور حروف غلطی کا
باعث ہو جاتے ہیں -
بندرابن - مدمغ ؛

۲۷- غلط اصلیت کی بنا پر بدلوا دیتی ہے
پیرکی ؛

۲۸- زبان رسوم و حالات سوسائٹی کا آئینہ
تجرید - خون بہا - دیباچہ - اسیر
بیڑا اٹھانا - بھول ؛

۲۹- ایسے نام جو اشیاء کے بعد قائم رہتے
ہیں - استدلال میں ان کے ماخذ

نہیں آنے چاہیئں ؛

۳۰۔ متروک اور مستر و مسائل کے اثرات الفاظ میں باقی ہیں۔
چرخ ۔ گردون ۔ ہمایوں ؛

۳۱۔ اس کی مزید مثالیں ۔
پری ۔ دیو ۔ پریوش ۔ اکھاڑہ ۔ نیک اختری ۔ بدطالعی ؛

۳۲۔ ایسے الفاظ کا استعمال اور ہمارا ضمیر
بغداد ۔ سکنجبین ۔ ربع مسکون ہفت ۔ اقلیم ۔ اربع عناصر ۔ بارہ دری ستار ۔ آئینہ ۔ دیوار ۔ تماشہ ۔ گاڑی نارنگی ؛

۳۳۔ ترقی و تنزل الفاظ کا تاریخی پہلو ۔
حاجب ۔ احدی ۔ مشعلچی ۔ ساقی ۔ تہتر ؛

۳۴۔ لفظی تاریخ کی طرف بے اعتنائی نہ ہو ؛

فصل پنجم

نئے الفاظ

۱۔ الفاظ کی پیدائش ؛

۲۔ تنبیہ ؛

۳۔ مذہب اور نور ایمان کے پیدا کردہ الفاظ
تثلیث ۔ توحید ۔ مسلم ۔ کرسٹان ۔ انصار ۔ مہاجرین ۔ یار غار ۔ حواری ۔ نروان سکھ ۔ سنگھ ۔ تناسخ ۔ تسبیح و تہلیل ۔ نماز ۔ روزہ ۔ حج ۔ زکواۃ ۔ ایمان دھرم ۔ حشر ۔ دوزخ ۔ بہشت ؛

۴۔ تاریخی اور جغرافیائی نام ۔
پنجاب ۔ ہند ۔ افغانستان ۔ بلوچستان ۔ لاہور ۔ امرتسر ۔ سیالکوٹ ۔ شاہجہان آباد ۔ اکبر آباد ۔ ایران ۔ توران ۔ بغداد ۔ جبل الطارق ۔ قرطبہ ۔ وادی الکبیر ۔ احمد آباد ۔ لکھنؤ ۔ دلی ۔ کلکتہ ۔ امیر المومنین ۔ ذمی ؛

۵۔ الفاظ مذکورہ بالا میں سے چند ایک پر تفصیل بحث ۔
ذمی ۔ یار غار ۔ ہجرت ۔ امرتسر افغانستان ؛

۶۔ نئے الفاظ کی تحقیقات کا اصول ؛

۷- اسبابِ پیدائش الفاظ - نئے اخلاقی اور روحانی قوتے کا عمل ۔

۸- ظہورِ اسلام اور اس کا اثر زبان پر - اثر - اللہ -

۹- اسلام کا تسلط ایران پر - غیر زبان میں نئی روحانی زندگی -
نرواں - خداوندی - پیغمبر - فرشتہ ۔

۱۰- دائرہ علمی کی توسیع، توسیع کلام کا باعث ہوتی ہے ۔

۱۱- مقبول عام تحریکیں نئے الفاظ وجود میں لاتی ہیں -
مسلم - ولیعہد ۔

۱۲- ممتاز افراد نئے الفاظ بناتے ہیں -
سرنگ - اجیالی - حلال ضمد
رام نگی - سنگترہ - گلدم - چھلمال
گلسرہ - بالائی ۔

۱۳- الفاظ بنانے کا شاعر کا حصہ ۔

۱۴- الفاظ کی ترویج غور و فکر سے
مجلس ملیہ - مبعوثین - نمائندے
حریت - حزب الاحرار - استبداد
عدم تعاون - نا مل ورتن - ستیاگرہ -
سورج - رضاکار - آبدوز کشتی - طیارہ
معرب - غاز - بطریق

۱۵- زبان میں ہمنوائی کے اثرات
تبر - زیور - ہولدری - موسری
انبالہ - نومید ۔

۱۶- نئی معاشرتی ضرورتیں - نئے الفاظ پیدا کرتی ہیں -
تہذیب - اخبار - روزنامہ ۔

۱۷- پرانی چیزوں کے نئے ناموں کی ضرورت
قتل مستلزم السترا - مابہ الاحتیاط ۔

۱۸- کسی لفظ کا رواج اس کے رائج کرنے والے کے رتبہ پر منحصر نہیں ۔

۱۹- جامع الفاظ اور ان کے فوائد ۔

۲۰- ایسے الفاظ بالخصوص سائنس کی ضرورت کے لیے مفید ہیں -
برق آبی - اقنوم - زیچ - اصطرلاب
دائرہ - قوس ۔

۲۱۔ نئی چیزوں کی آشنائی نئے
الفاظ پیدا کرے گی۔
عینک۔ بٹن۔ تمباکو۔ کیتلی۔ دراز
فرغل۔ لبادہ۔ کرتا۔ قبا۔ چوغا۔
آستین۔ گریبان۔ پاجامہ۔ ازار
عمامہ۔ رومال۔ شال۔ دوشالہ
دسترخوان۔ چپاتی۔ شیرمال۔ باقرخانی
پلاؤ۔ زردہ۔ متنجن۔ فرنی۔ حریسہ
مربا۔ اچار۔ فالودہ۔ گلاب۔ بید مشک
رکابی۔ طشتری۔ کفگیر۔ چمچہ۔ سینی
کشتی۔ حمام۔ کیسہ۔ صابون
شیشہ۔ شمع۔ شمعدان۔ تنور۔ حقّہ
نیچہ۔ تختہ۔ نرد۔ گنجفہ۔ افیون
آلو۔ کشتی۔ دخانی۔ ہوائی جہاز
سیب۔ زین ؛

۲۲۔ نئے ناموں کے متعلق چند دلچسپ مثالیں (؟)
۲۳۔ بعض اوقات نام درمیانی
زبان سے لے لیا جاتا ہے۔
آکا۔ چق۔ قلابچ۔ تغار ؛
۲۴۔ بدی اور بدطینتی اور بدکرداری
کے پیدا کردہ الفاظ۔
ٹکٹکی۔ سولی۔ پھانسی۔ سنگسار۔
چارمیخ۔ سزا۔ ہجرت۔ مہاجرین
نادرگردی۔ سکھاشاہی۔ حشیش ؛
۲۵۔ تمسخر اور تضحیک کے الفاظ ؛
۲۶۔ زبان بھی حیوانوں کی طرح اصول
حیات و ممات کی پابند ہے ؛
۲۷۔ نوواردوں کی ہمیشہ سے مخالفت
ہوتی آئی ہے ؛
۲۸۔ الفاظ کی آمد کے حالات۔
دیوان۔ فلاسفر۔ فلسفی ؛
۲۹۔ پرانے الفاظ اور ان کی حقیقت۔
جزیہ۔ حنفی ؛
۳۰۔ غیر زبان الفاظ سے رابطہ قائم
کرنے کی قوت۔
مزدور۔ افواہ۔ رس بھری۔ بلی ؛
۳۱۔ نئے الفاظ کی اصلیت معلوم کرنے کی

دقتیں اسکے عام غلاتُو کے ڈل
سے پیدا ہونے کا ثبوت ہیں ؛

۳۲- نشانات پیدائش محو کر دینے میں
عجلت - پولٹیکل یا مذہبی فرقوں
کے ناموں ہیں -
صوفی - مرجیہ ؛

۳۳- صرف ایسے ناموں میں ہی نہیں
بلکہ اور جگہ بھی یہی اصول نظر
آتا ہے -
افغان - پٹھان - جیز ؛

۳۴- الفاظ جو اپنی اصلیت کا راز نہیں
چھپاتے مگر آسانی سے چھپا سکتے ہیں
مقیش - نیچے منڈل - بلا ؛

۳۵- ہر ایک لفظ کا ماخذ ہے
بھان متی ؛

۳۶- الفاظ کی ترکیب لفظی معلوم
لیکن معنی کا سراغ مفقود ؛

۳۷- الفاظ سب کا مشترکہ سرمایہ ہیں ؛

۳۸- زبان کی حقیقت ؛

فصل ششم

مترادف الفاظ

۱- مترادف الفاظ کیا ہیں ؛

۲- مرادف یا مترادف ؛

۳- متحدالمعانی الفاظ نادر ہیں ؛

۴- مترجموں کو تنبیہ ؛

۵- بالخصوص کتب مقدسہ کے
مترجموں کے لیے ؛

۶- مشنری مترجم کو زیادہ احتیاط
لازم ہے ؛

۷- ایک ہی زبان کے مترادف
الفاظ کا مقابلہ ؛

۸- مترادف اور اس کا مفہوم -
سرخ - قرمزی - سبز - لالچ
حرص - غرور ؛

۹- الفاظ جو اختلاف مادہ کی وجہ
سے نہیں - بلکہ محض استعمال سے
مختلف المعانی ہو گئے ہیں - اور اس

اختلاف کے اسباب

د اختلاف قبائل

آفتاب - خورشید - مہر
شہریار - بادشاہ
تخت - دیہیم -
راجہ - راؤ - رائے
پور - پسر ؛

ب فاتح اور مفتوح قوموں کا سبب ؛

۱۰- مزید اسباب ؛

۱۱- ادبیات - شخص بنش -
قیمت - سودا -
نرخ - بازار - دکان - محل پیغام -
بادشاہ - سلطان - پنڈت - معلم
مولوی - اُستاد - اتالیق - ماسٹر
پروفیسر ؛

۱۲- تفریق و تمیز معانی ؛

۱۳- اس کا طریق عمل -
لڑکی - لونڈی - چھوکری - چاؤ
چاہ - تماش بین - تماشائی ؛

۱۴- توسیع عمل کی ضرورت -
سزا - بدلہ ؛

۱۵- مختلف زبانوں سے آئے ہوئے
مترادف الفاظ ؛

اٹکل - تخمینہ	خدا - اللہ
بولی - زبان	رسول - پیغمبر
بہانہ - حیلہ	صلوٰۃ - نماز
بھرم - عزت	صوم - روزہ
دھوکا - فریب	عبادت - پرستش
جتھا - گروہ	صاف - پاکیزہ
اُبال - جوش	زاویہ - گوشہ
داتا - سخی	شرع - آئین
دہائی - فریاد	تہذیب - شائستگی
چاپلوسی - خوشامد	اعتبار - بھروسہ
ڈینگ - لاف	تقسیم - بانٹنا
دھڑکا - خوف	تمنا - چاہنا
نوکر - چاکر	کشش - کھینچنا
چین - راحت	داد و دہش - دینا
چٹکلا - مذاق	غریب - کنگال

فقیر - منگتا   خوفناک - ڈراؤنا

چالاک - چالیا   بازار - بازاری - سوقیانہ

بخیل - کنجوس   "   "   "

۱۶- ان کے معانی میں تفریق وتمیز ؛

۱۷- متحد النسل الفاظ میں بھی تفریق معانی ہو جاتی ہے ؛

انتظام - اہتمام   سودائی - سوداوی

حجت - دلیل   عیسائی - عیسوی

کسوف - خسوف   آہنی - آہنین

داستان - فسانہ   "   "

۱۸- اختلاف مادہ اور اختلاف معانی

مرتبہ - درجہ - پایہ

تحقیقات - تجسس - تفتیش

تفحص - بیزاری - نفرت

حقارت ؛

۱۹- مترادف الفاظ بعض اوقات ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

جعلی - فرضی

۲۰- الفاظ اپنی اصلیت سے بہر حال وابستگی رکھتے ہیں۔

مشعلچی - غریب - خصم ؛

۲۱- اگر ظاہر نہیں تو ان میں اصلیت کے اثر کی جھلک تو ضرور ہوتی ہے ؛

۲۲- مترادف الفاظ کا اخلاقی فائدہ

تائید و تصدیق - تلطف و مدارا - نمائش و نمود ؛

۲۳- مترادف الفاظ میں تفریق کی اہمیت کی چند دیگر مثالیں۔

اختراع - ایجاد - دریافت

منکشف - مرتد - کافر

مقابل - متضاد -

دور اندیشی - دلیری

محبت اور ڈر - محبت اور نفرت

شیرینی و ترشی - شیرینی اور تلخی ؛

۲۴- الفاظ کو بلاوجہ متحد المعانی تصور کر لینا اور اس کے نتائج۔

مدرسہ۔ تعلیم گاہ۔ مکتب ٭

۲۵۔ مترادف الفاظ میں تمیز کرنا۔
اور اس کے فواید۔
شہرت و تشہیر ٭

۲۶۔ مترادف الفاظ کی حدبندی
میں مفید مضامین کی تہ تک پہنچنے
کا موقعہ ہوتا ہے۔
امیرالمومنین۔ خلیفہ۔ سلطان۔
فرض۔ سنت۔ واجب۔ مستحب ٭

۲۷۔ مترادف الفاظ کی تفریق سے
بامحاورہ فصیح و بلیغ عبارت
کے لیے یہ مدد دیتے ہیں ٭

۲۸۔ غیر مستعمل الفاظ کی طرف توجہ
درکار ہے ٭

۲۹۔ اظہار خیالات میں مناسب
اور موزوں الفاظ کا استعمال
اخلاقی پہلو رکھتا ہے ٭

فصل ہفتم

مدرّس اور الفاظ

۱۔ فن تعلیم میں ترقی۔
کنڈرگارٹن

۲۔ زبان میں تعلیمی ترقی کا سازوسامان ٭

۳۔ رہنماؤں کی شناخت میں احتیاط
شرط ہے ٭

۴۔ اشتقاق الفاظ میں جلدبازی ٭

۵۔ اس کے نتائج ٭

۶۔ ظاہری مشابہت پر حکم لگانا
خطرناک ہے۔
کلدار
لاٹ۔ گوبرناس۔
آب عزّت۔ زمستان حصالہ

۷۔ سطحی مشابہت اور ظاہری
اختلافات کا اثر ٭
گندش۔ گندھک گیسو۔ کیس
مہر۔ سورج گام۔ گرام

چیز - ہیجڑا جاروب۔ جھاڑو
بونگا - بانکا انتقال۔ انت کال
آدینہ - آذینہ انتہا - ان تھاہ
۸ - ظاہری صورت سے دھوکا
نہ کھاؤ ؎
۹ - اصوات اور ہجا ؎
۱۰ - نقصانات تجویز ؎
۱۱ - تجویز پر اعتراضات ؎
۱۲ - نقصانات کی چند مثالیں ؎
۱۳ - تجویز کی عملدرآمد پر اختلافات
پیدا ہو جائیں گے ؎
۱۴ - الفاظ کے باہمی رشتہ میں
پردہ ہوتا ہے۔
تافتہ - واہیات - رومال
بیچک - تعویذ - بسمل - بھیڑ
بھیڑیا - بھیڑچال - بھیڑیاچال
سوتیلا ؎
۱۵ - مختلف الفاظ کا باہمی تعلق
اور مثالیں -

طلوع - طلعت - مطالعہ - اطلاع
فرق - فراق - تفریق - فرقت -
جنون - مجنون - جنت - جن -
جنین - عارضہ - عارضہ - عرضی
عرض - عریضہ - عروض ؎
۱۶ - ایک ہی لفظ کے مختلف
معانی ہیں -
رابطہ ؎
۱۷ - مثالیں -
وجہ
اسامی
آنچ ؎
۱۸ - صورت الفاظ یکساں لیکن
مادہ مختلف -
کالا - مالی - مور - در -
جریب - تولیا - بندر - بار ؎
۱۹ - اشتقاق الفاظ کی مزید مثالیں
دیباچہ - نخاس - پاکھنڈ -
مہوس - بعض الٰہی - طومار

رام کہانی ۔ غنیمت ٭

۲۰۔ استعارات ابتدا میں کسی حقیقت پر مبنی تھے ۔
طعنہ ۔ ہتک ۔ پستی ۔ تواضع
فروتنی ۔ عداوت ٭

۲۱۔ مطالعہ الفاظ اور وطن پرستی اور قوم پرستی ۔
اکال گڑھ ۔ رام نگر ۔ رسول پور
علی پور ۔ اکبرآباد ۔ شاہجہان آباد
اورنگ آباد ۔ امرتسر ۔ لودھیانہ ۔
راجپوتانہ ۔ منٹگمری ۔ لائلپور
لارنس پور ۔ ڈسکہ ٭

۲۲۔ الفاظ اور مذہبی تعلیم ۔
تلاوت ۔ قرآن ۔ وید ۔ گرنتھ
معجزہ ۔ سنسکار ۔ کفارہ ۔
قربانی ۔ ستی ٭

۲۳۔ خاتمہ اور لفظ بلا کی تحقیقات
بلا ٭

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ

فصل اوّل

افتتاحیہ

۱۔ الفاظ قیمتی ہیروں کی کان ہیں

اس میں کلام نہیں۔ کہ علم و دانش کے بیش بہا خزانے جو انسان کے دل و دماغ نے بہم پہنچائے ہیں۔ اچھی اچھی کتابوں میں محفوظ اور بکثرت سے ملیں گے۔ علم کی دولت بالعموم اسی سبیل سے۔ بنی آدم میں نسلاً بعد نسل متداول ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ لیکن اس وقت کتابوں یا مسلسل تقریروں سے بحث کرنا ہمیں مقصود نہیں۔ بلکہ ہمیں یہ بتانا ہے کہ صرف الفاظ میں بلا لحاظ کسی فقرہ بندی یا عبارت کے اخلاقی اور تحریری حقائق انسانی جذبات اور ولولوں کے بے شمار گنجینے بھرے پڑے ہیں اور ان سے بیش قیمت نصیحتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔ بشرطیکہ ہم ان کی طرف تھوڑی سی توجہ کریں۔

اس مضمون میں ہم اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کریں گے

کہ الفاظ جو ہم دن رات استعمال کرتے۔ پڑھتے یا سنتے ہیں۔ خواہ وہ عالم روحانی کے متعلق ہوں۔ خواہ عالم جسمانی کے۔ بلکہ معمولی الفاظ بھی جو کوچہ و برزن میں رائج ہیں۔ اور روزمرہ کی بول چال۔ شب و روز کے معاملات میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایسے ایسے قیمتی ہیروں کی کان ہیں۔ جو دم بھر کے تجسس اور کاوش سے ہمیں مالا مال کر دیں گی۔ الفاظ پر غور کرنا یا یوں کہو۔ کہ "مطالعۂ الفاظ" کیونکہ اکثر اوقات الفاظ بجائے خود ایک کتاب کا مضمون لیے ہوتے ہیں، فی الحقیقت ہمیں بدرجۂ اتم فائدہ پہنچائے گا ⁂

ہمیں پورا یقین ہے کہ اس راز کے انکشاف پر کہ الفاظ جاندار قوتیں ہیں۔ خیالات کا اپنا بنایا ہوا لباس بلکہ جسم ہیں۔ اکثر نوجوان محسوس کرنے لگیں گے۔ کہ ان کی آنکھوں پر سے ایک قسم کی پٹی جو پہلے بندھی ہوئی تھی، اُتار دی گئی ہے۔ اور اب ان کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ یہ نئی قوت بینائی یا یوں کہو کہ ایک نئی دنیا کا تعارف ان کی طبیعت کو باغ باغ کر دے گا۔ اور اخلاقی اعجوبے اپنے چاروں طرف دیکھیں گے۔ دن رات۔ صبح و شام۔ لحظہ بلحظہ ان کی نگاہیں ان پر پڑیں گی اور وہ حیران ہوں گے ⁂

۲ - علم شے بہ از جہل شے | اکثر اوقات بیان کیا جاتا ہے۔ کہ کسی چیز کی ناواقفیت ہماری نظروں میں اس کی قدر و منزلت کو بڑھا دیتی ہے۔ اس سے زیادہ غلط بات انسان کے منہ سے کم نکلی ہو گی۔ کیونکہ اس کے

معنے یہ ہوں گے کہ کسی چیز کی قدر و منزلت کرنے کا خاصہ جو انسان میں ہے ۔ اس کی بنا محض فریب اور دھوکا ہے ۔ یا یوں کہو کہ اصلیت ہمیں پسند خاطر نہیں ۔ اور کسی چیز کی اہمیت سے واقفیت حاصل کرنا اس کی قدر و منزلت کا خاتمہ ہے ۔ مانا کہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم اپنی ناواقفیت کے سبب کسی چیز کو سراہنے لگتے ہیں ۔ اور بعد میں زیادہ واقفیت پر وہ چیز معمولی پیش پا اُفتادہ سی نظر آتی ہے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا ۔ کہ ہزاروں دفعہ ناواقفیت کی بدولت قابل قدر چیزوں کی ہم پروا نہیں کرتے ؎

"علم شے بہ از جہل شے" ایک مشہور قول ہے ۔ اور اس کی صداقت میں کسی ایک موقعہ پر بھی فرق نہیں آیا ۔ اور نہ آسکتا ہے ۔ خواہ ہم عجائبات قدرت کو دیکھیں ۔ اور خواہ عجائباتِ صنعت انسان پر نگاہ ڈالیں ؎

علم زبان میں بھی اس قول کی صداقت کسی صورت سے کم نہیں ۔ بسا اوقات یہاں ہم ذہنی اور اخلاقی عجائبات کے درمیان بے توجہی کی نظر اور لاپروائی کے خیال سے اِدھر اُدھر چلتے پھرتے ہیں جیسے کوئی مسافر مشہور میدان کارزار یا قدیم نامی شہروں میں سے بغیر کسی ولولے، جذبے یا جوش پیدا ہونے کے گذر رہا ہو اور یہ اس لیے کہ اس کو بڑے بڑے کارناموں کی کچھ خبر نہیں ۔ جو وہاں کے آسمان نے دیکھے ہیں ۔ اور وہ ان دلوں سے ناواقف

محض ہے جو اپنے اپنے حوصلے خوش اسلوبی سے نکال کر زمین میں مل کر خاک ہو گئے ہیں۔ ہم بھی اُسی مسافر کی طرح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ایک اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ اور ہمت بڑھانے والے جذبۂ دل کے پیدا ہونے کی خوشی سے محروم رہتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان طرح طرح کی نصیحتوں سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جو ہر وقت ہماری راہ میں (اگر ہم صرف ہاتھ بڑھانا اور انھیں اپنے تصرف میں لانا جانتے ہوں) بکھری ہوئی ہیں۔ یہ نصائح کی دولت سب سے زیادہ ہمارے روزمرّہ کے الفاظ میں ملتی ہے۔ تھوڑی سی واقفیت حاصل ہونے پر ہی ہم یک تخت پکار اٹھیں گے۔ کہ معمولی الفاظ میں بھی جو غریب سے غریب اور جاہل سے جاہل لوگوں کی زبان سے نکلتے ہیں۔ کیسے کیسے جواہرات پیٹے ہوئے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ کیسے کیسے خوبصورت پھول ہمارے قدموں میں پڑے ہوئے ہیں جن کی اصلی لطافت اور پنکھڑیوں کی نزاکت ہر وقت پاؤں میں روندے جانے کی وجہ سے مٹ رہی ہے ؁

۳۔ مضمون کی بے حد دلچسپی

یہ مضمون جو ہم نے اس طرح شروع کیا ہے۔ آپ کی نظروں میں پھیکا اور دلچسپی سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ مطلوبہ توجہ بتے دلی واکراہ سے دی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں ڈر ہے۔ کہ یہ نقص ہمارے طرز بیان کا ہوگا۔ ورنہ الفاظ کے بجا اور بیجا استعمال کا مطالعہ۔ ان کی اصلیت اور ان

میں امتیاز کا معلوم کرنا۔ اور ان کے خزائن کا تجسس خواہ کتنا ہی قلیل ہو۔ اس قدر مفید اور دلچسپ ہے کہ کوئی بھی اور شغل مطالعہ اس کی ہمسری کا دعویٰ تک نہیں کر سکتا۔ اور یہی باتیں ہم آپ کے سامنے اپنے مضمون میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ایک بڑے انگریز فاضل نے جو ایک یونانی لغات کا مؤلف ہے۔ اور جس نے اس لغات کی تالیف میں کئی سال لگائے تھے۔ دیباچۂ کتاب میں بعض اشخاص کا بڑے حقارت آمیز الفاظ میں جن کے وہ یقیناً مستحق ہیں۔ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے کہا تھا۔ کہ ایسا کام جس میں فاضل مذکور اتنی مدت مدید تک مشغول رہا ہے۔ اس محنتِ شاقہ کی وجہ سے جو فاضل مذکور کو اس میں کرنی پڑی ہوگی۔ طبیعت کو مضمحل اور بیزار کر دینے والا ہونا چاہیے۔ بیزار کر دینے والی محنتِ شاقہ اس لیے کہ محض الفاظ ہی سے کام اور معاملہ تھا فاضل مذکور اس گروہ میں شامل ہونے کے ایما اور اشارے کو بھی زور سے مسترد کرتا ہے۔ جو اپنے آپ کو غلامانِ پابہ زنجیر یا شہیدانِ دنیائے علم کی طرح مستحق ہمدردی سمجھتے ہیں اور ہمدردی کے خواہاں ہیں وہ صاف صاف بیان کرتا ہے کہ الفاظ کی جماعت بندی ان کے اقسام مدارج اور خاندان کا تعین ان میں باہمی امتیاز و تفریق۔ ان کا ماخذ موضوع اور استعمال کا پتہ لگانے کا کام اس کے لیے محنت شاقہ اور باعث تکلیف نہ تھا۔ بلکہ خوشی اور محبت کا کام تھا۔

۴ - اردو اور اس کے الفاظ کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں

اور اگر یہ سب کچھ کسی غیر زبان کے متعلق درست ہے۔ تو یہ اپنی زبان کے متعلق زیادہ درست ہونا چاہیے۔ سچ تو یوں ہے کہ کوئی زبان بھی ایسی نہیں جو ان خوبیوں سے مبّرا ہو۔ اور جس کے ہر فقرے میں بیش بہا الفاظ کے موتیوں کی لڑیاں نہ پروئی ہوئی ہوں۔ ہندوستان کی مروّجہ زبان اردو ہی کو لیجیے۔ گو اسے بہت پُرانی ہونے کا دعویٰ نہیں مگر تھوڑی سی عمر میں اس نے وہ مقبولیت حاصل کی ہے۔ کہ یا یدو شاید اور دوسری زبانوں کے الفاظ اور محاورات کو ایک خاص حد تک جذب کرنے میں وہ مناسبت دکھائی ہے۔ جو بہت کم زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ ایسی زبان کے الفاظ کی اصلیت یا ابتدائی لغوی معنے دریافت کرنے کی عادت طلبا میں ڈالنا ایسا مفید اور دلچسپ کام ہے کہ اس سے بہتر کوئی اور طریقۂ تعلیم نہیں ہو سکتا ؎

انگریزی زبان کی طرح یہ بہت سی السنہ سے مرکب ہے۔ مگر اس میں ایران کی شیریں اور پیاری زبان کا عنصر غالب ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اردو کی بنا تو ایک قدیم اور سیدھی سادی بولی پر ہے۔ اور اب بھی جو کوئی اس بولی کو تقریر و تحریر میں خوبی کے ساتھ نباہ سکے۔ اُستاد مانا جائے گا۔ مگر فارسی کی آمیزش نے اس زبان میں وہ آبداریاں پیدا کی ہیں جن کے بغیر اس تیغ ہندی کے سارے جوہر کبھی نہ کھلتے۔ اس لیے ہم اس مطالعہ الفاظ

میں زیادہ تر فارسی الاصل الفاظ کو لیں گے۔ کیونکہ ایسے الفاظ جو
دوسری زبانوں سے آ کر زبان میں رل مل گئے ہوں ۔ بسا اوقات
دلچسپ تاریخ رکھتے ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہمیں ان کی اصلیت
اور ابتدائی معنوں کے دریافت کرنے کی تکلیف گوارا کرنی پڑے گی۔
اس تحقیقات میں بعض الفاظ ایسے ملیں گے جن کی تاریخ سے ایسی
قابل قدر واقفیت ہمیں حاصل ہو گی۔ جو ایک جنگ کی تاریخ سے
بھی حاصل نہیں ہو سکتی ۔

۵ ۔ زبان متحجر نازک خیالی اور تاریخ ہے

نئی دنیا کے ایک مشہور مصنف نے زبان کو نازک خیالی متحجر کے نام سے موسوم کیا ہے
اور اس نام سے اس کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حیوانات و
نباتات متحجر ہیں۔ اور خوش وضع حیوانات یا نازک پودے جو شاید
ہزار سال گزرے ہیں۔ کہ زندہ اور تر و تازہ تھے۔ ہمیشہ کے لیے
عالم جمادات سے تعلق پیدا کر کے ہلاکت و فنا سے بچ رہے ہیں۔
اسی طرح الفاظ میں بھی نازک خیالات اور دلفریب صورتیں سلف
کے جذبات و تصورات ۔ گذشتگان کی امیدیں اور حسرتیں (گذشتگان
جن کو قبروں میں سوئے ہوئے صدیاں گذر گیئں اور جن کا نام تک
فراموشی نے ملیا میٹ کر دیا ہے) زندہ اور قائم ہیں۔ اور معدومیت
کی دستبرد سے ابدالآباد تک امن میں ہیں ۔ یہ نام موزوں اور
دلکش ہے ۔ اور اگر اس میں کوئی نقص ہو سکتا ہے ۔ تو

نقص تقریظ و تنگ بیانی ہے۔ زبان نازک خیالی متحجر ہو سکتی ہے۔
اور فی الحقیقت ہے لیکن انہی معنوں اور اسی رو ز سے ہم اس کی
نسبت یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ زبان اخلاق متحجر یا تاریخ متحجر ہے۔
تاریخی واقعات اور اخلاقی خیالات بھی اس کثرت اور اس سہولیت
سے صورت و جسم لفظی قبول کر لیتے ہیں۔ جو جذبات و خیالات
انسان کی اخلاقی طبیعت میں کوئی سقم واقع ہو جائے۔ تو الفاظ
ہمیشہ کے لیے اس سقم کی زندہ شہادت قائم کر دیتے ہیں۔ ان سب
امور پر ہم بالتفصیل بحث کریں گے۔ لیکن فی الحال ہم ایک
دو مثالیں بیان کرنی چاہتے ہیں۔ تاکہ ہمارا مطلب واضح
ہو جائے ۔

٦۔ متحجر نازک خیالی زبان جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ نازک
خیالی متحجر ہے۔ یا یوں کہو کہ اگر ہمیں کسی قوم کی شاعری سے پوری
واقفیت حاصل کرنی منظور ہو۔ تو ہمیں صرف اُس کے اشعار یا نظم کی
رنگینی میں رنگی ہوئی روایات ہی کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ بلکہ ہمیں بہت
سے الفاظ بھی ملیں گے جو فرداً فرداً نازک خیالی کے پرورش یافتہ اور
دلفریب نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بیجا نہ ہو گا کہ ان
میں نظم کا عطر کھینچ کر بھر دیا گیا ہے۔ کسی لفظ کو لو۔ اور ذرا نظر غور
سے دیکھو تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ لفظ مذکور میں عالم ذہنی اور عالم

اجسام کی کسی بڑی مشابہت اور مناسبت باہمی کا نقشہ کھچا ہوا ہے۔
عالم اجسام کی رنگ آمیزی کی مدد سے عالم ذہن کی تصویریں صاف
اور روشن۔ اور قیام دوام کی صورت میں نظر آتی ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ
اب تصویریں متبذل۔ بے حیثیت اور معمولی سی دکھائی دینے لگی ہوں۔
اور شاید انہی الفاظ کی بدولت جو ہر ایک آدمی کے اثاثہ میں داخل
ہو گئے ہیں۔ ایسی معلوم ہوتی ہوں۔ لیکن جس شخص نے پہلے اس
مشابہت کو تاڑا۔ اور اُس کے اظہار کے لیے ایک نیا لفظ ایجاد
کیا تھا۔ یا کسی پرانے لفظ کو جو پہلے اپنے لغوی معنوں ہی میں استعمال
ہوتا تھا اصلاحی اور استعاری معنے دیئے۔ وہ بزرگ ہر طرح سے
سخن آفریں کے لقب کا مستحق ہے اور اس کی نازک خیالی اور سخنوری بیشک
اس قابل ہے۔ کہ اسے سحر بیانوں کے زمرہ میں شمار کیا جائے ؎

۷۔ اس کی مثالیں | مثلاً جس بندۂ خدا نے کسی گے برباد ہو جانے کا
خیال اوّل ہی اوّل ظاہر کیا تھا۔ ضرور ہے کہ اس نے بہت دفعہ آندھی
اور ہوا کو خس و خاشاک اُڑاتے دیکھا ہوگا۔ اُس نے یہ بھی دیکھا ہوگا۔
کہ یہ خس و خاشاک تنکا تنکا ایک دوسرے سے جدا۔ کوئی کہیں۔ کوئی
کہیں اپنے اصل مقام سے کوسوں دُور طوفان باد کے جھونکوں سے
اُڑتے پھرتے ہیں۔ اور پھر ان کی جمعیت کا حاصل ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔
ان کا قرار مشکل اور ان کا نام و نشان مفقود ہو جاتا ہے۔ خس و خاشاک
کی اس بیچارگی اور آوارگی کو اس نے ایک مصیبت زدہ انسان کی

حالت سے مقابلہ کیا۔ اور کچھ فرق نہ پایا۔ اُس کی نازک خیال طبیعت نے فوراً اس نامراد کمبخت انسان کی حالت بیچارگی کو بھی بربادی کے لفظ سے تعبیر کیا۔

بخت کے متعلق بھی بیدار و خوابیدہ کے الفاظ پہلے استعمال کرنے والے ذہن نے جاگتے اور سوتے انسان و حیوان کی حالتوں پر غور کر کے یہ الفاظ بخت پر چسپاں کیے ہیں۔ جاگتے کی ہوشیاری۔ جلب منفعت و دفع مضرت میں چابکدستی۔ اپنی حفاظت اپنی زندگی کے سامان مہیا کرنے کی فکر اور طاقت۔ سوتے کی بیکسی۔ کس مپرسی۔ بیچارگی اور ہوبہو موت کی سی صورت۔ شاعرانہ مذاق کے لیے کافی مثالیں خوش طالعی اور شومی بخت کی ہیں۔

۸۔ منتج اخلاق اور اس کی مثالیں

اوپر ہم نے یہ بھی ذکر کیا تھا۔ کہ الفاظ اکثر اخلاقی حقائق کے شاہد ہوتے ہیں۔ اللہ جلشانہ نے الفاظ پر ایسی مہر صداقت لگائی ہوئی ہے۔ کہ انسان اتنے حقائق سے آگاہ نہیں۔ جتنے وہ زبان سے شب و روز نکالتا ہے۔ وہ بڑے بڑے زبردست اصول بیان کرتا ہے جو بعض اوقات اس کے اپنے برخلاف بھی ہوتے ہیں۔ اور جن کو وہ معمولی رواج سوسائٹی سمجھ کر رائج کرتا رہتا ہے۔ خود دنیا کا لفظ ہی ہمیں بتا رہا ہے۔ کہ اس کے ساتھ دل لگانا جائز نہیں۔ اس کی اصلیت بعض کے نزدیک "دنی" کمینہ ہے۔ اور اس لیے اس سے اُمید وفا رکھنا

فضول ۔ اور اگر اس کے ساتھ اور اس کی چیزوں کے ساتھ موانست پیدا کرتے ہیں۔ تو اس سے بڑھ کر ہماری کیا حماقت ہو سکتی ہے ۔ ہم اسے کمینہ جانتے ہیں۔ اور دن رات اُسے اس نام سے پکارتے ہیں۔ اور یہ بھی ہمیں تجربہ سے معلوم ہے کہ کمینوں سے تعلق اچھا نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ تو پھر اس سے محبت کا خواہاں ہونا اور نباہ کی اُمید رکھنا نادانی ہے ۔ تعیش ۔ عیش و کامرانی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ مگر اصل لغت میں کم معاش ہوتا ہے ۔ اور اس برتے پر ہم اپنی کامرانی پر نازاں ہیں ۔ ہمارے عیش و عشرت دراصل سوائے مل بیٹھنے اور اوقات بسری کے اور کچھ بھی نہیں ۔ زندگی کا زمانہ اور اپنے گھر میں بال بچوں میں بیٹھ کر ہی گذارنا عیش و عشرت ہے۔ اور اس سے زیادہ ہیچ اور فضولیات ۔ فضولیات جو انسان کی بے تمیزی نے ضروریاتِ زندگی کے ساتھ ملا کر اپنی اخلاقی حالت کو کئی درجے نیچے گرا دیا ہے ۔ اور اس کا نام عیش و عشرت رکھ دیا ہے عیش و عشرت کے سامان مہیا کرنے میں جو انسان نے غلطی کھائی ہے ۔ اس کی زیادہ وجہ ماہیت و حقیقت، دنیا و مافیہا کو بھول جاتا ہے۔ عیش و عشرت کے سامان مہیا کرنے میں میخانہ کی طرف اس کی تگ و دو ہوتی ہے اور یہ نہیں جانتا کہ عیش و عشرت کہاں ۔ یہ تو بربادی اور ویرانی کی طرف دوڑا جا رہا ہے۔ میخانہ کا نام ہی اسے حقیقت حال سے آگاہ کر رہا ہے مگر مستی ہے کہ کچھ نہیں سوجھتا۔ خرابات ۔ مے اور میخواروں کی

جولانگاہ ۔ حقیقت میخواری کا اظہار کس انداز سے کر رہا ہے۔ خرابات ۔ میخانہ کا مرادف ہے۔ اور وہاں سوائے خرابات ۔ بربادی اور ویرانی کے کچھ بھی نہیں ۔ مے خواری ۔ خرابات سے ہی شروع ہوتی ہے اور اس کا انجام بھی خرابات ہی ہے۔ اس کی ابتدا بربادی اور تنہا ویرانی ہے ۔

اپنے دل میں ہم چاہے کچھ ہی سمجھیں اور اپنی طرف سے چاہے خوشی کے سامان مہیا کرنے میں سعی کریں ۔ اور انھیں عیش ۔ زندگی کے جزو قرار دیں ۔ مگر ہماری اپنی زبان ۔ زبان جو ہمارے ایسے سامان پر مہر صداقت لگانے سے نہیں رُکی ۔ ایک زبردست ناصح ہے اور ہمیں ڈنکے کی چوٹ بتا رہی ہے کہ حقیقی خوشی یہاں کسی ایسے سامان سے میسّر نہیں ہو سکتی ۔ یہ سامان تو ویرانی اور بربادی کے ہیں ۔ اگر مسرت ۔ خوشی درکار ہے تو وہ یقیناً اس دنیا سے ۔ خرابات سے کہیں پرے ہے ۔ جہاں ہم روحانی سیر کے بغیر نہیں پہنچ سکتے ۔

۹ - متحجر تاریخ اور اس کی مثالیں لیکن زبان تاریخ متحجر بھی ہے ۔ لفظ فرنگ ہی کیسے کیسے معاشرتی انقلابات ۔ انقلابات قومی اور حسیات قومی کا ایک دفتر ہے ۔ صلیبی لڑائیوں میں جب کہ یورپ کی عیسائی قومیں بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضہ سے نکال کر اپنے حلقۂ حکومت میں داخل کرنا چاہتی تھیں ۔ اور ہر ایک قوم نے اپنے بہترین افراد کی خدمات ۔ اس مذہبی جدوجہد میں (جو اس وقت خیال کی جاتی تھی)

سرزمین ایشیا پر میدانِ جنگ میں کام آنے کے لیے وقف کردی تھیں۔ اس ہجوم اقوام میں جو افراد اور جو لوگ ایشیا والوں نے اس مذہبی اور قومی دار و گیر میں قابلِ التفات، قابلِ توجہ، قابلِ قدر پائے وہ فرینک یعنی باشندگانِ فرانس تھے۔ نبرد آزمائی میں۔ صلح و آشتی میں۔ یہی لوگ سرگروہ و سرکردہ اور ممتاز نظر آئے۔ ان حالات میں یورپ سے آنے والے سب کے سب خواہ وہ کسی قوم کے تھے۔ اسی نام سے مشہور ہو گئے اور آج تک ہیں ؎

مغلانی۔ اردو میں تاریخ کا ایک عبرت ناک صفحہ پیش کرتی ہے اس میں کلام نہیں۔ کہ مغلانی مغل کی تانیث ہے۔ لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی اپنے علو مرتبت سے گر کر موجودہ حالت میں ہندوستان کے بعض امیر گھرانوں میں بچوں کی اتالیقی کی خدمت بجا لاکر اپنا پیٹ پالتی ہے ؎

۱۰۔ آغازِ زبان | جو کچھ ہمیں اس کتاب میں ذکر کرنا ہے۔ اس کی چند مثالیں صرف نمونے کے طور پر ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور بیشتر اس کے کہ ہم آگے بڑھیں۔ ہمیں ایک امر پر چند الفاظ کہنے ضروری ہیں۔ اگر ہمیں مضمون زیرِ بحث کی ماہیت دیکھنی منظور ہے۔ تو ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس امر سے ہماری مراد ابتدائے زبان اور اصلیتِ زبان ہے۔ البتہ ہم ضرورت سے زیادہ اس مسئلہ میں اپنے آپ کو نہیں الجھائیں گے۔ اس کے متعلق دو مذہب ہیں۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ تر

صحیح ہوگا۔ کہ دو مذہب رہ چکے ہیں۔ ان میں سے ایک تو (جس کے پیرو اب کم نظر آتے ہیں) زبان کو علوم وفنون کی جماعت میں سے تصور کرتا ہے۔ جس سے انسان نے رفتہ رفتہ اپنی زندگی کو آراستہ اور مالا مال کیا ہے۔ اس کے مطابق انسان نے آہستہ آہستہ زبان کو اپنے لیے ایجاد کیا۔ جیساکہ اس نے ایک فن نکالا۔ اور بھدّے ناکمل آغاز سے۔ مہمل آوازوں سے جن سے وہ اپنی طبعی ضرورتوں کا اظہار کرتا تھا۔ آوازوں سے جن سے وہ قدرتی اشیاء کے نقش کو جو اس کے دل پر ہوتا تھا۔ نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے وہ حیرت انگیز آلہ خیالات اور جذبات کے ظاہر کرنے کا پالیا۔ جو اب اس کی زبان کی شکل میں ظاہر ہے؛

۱۱۔ ایجادِ زبان پر اعتراض

ہمارے خیال میں اس مذہب والوں کو یہ اعتراض بالکل لاجواب کر دے گا۔ کہ اس کے بموجب زبان فطرت انسانی کی اتفاقیہ جزو ہوئی۔ اور اس صورت میں ضرور ہے کہ ہمیں کہیں نہ کہیں ایسے ادنےٰ درجہ کے گروہ انسانی ملنے چاہیئں۔ جو اس سے بالکل بے بہرہ ہوں۔ جبکہ کوئی فن انسانی ایسا نہیں۔ خواہ وہ ایسا سادہ ہو۔ جیساکہ آگ پر روٹی پکانا۔ جس سے کوئی بھی گروہ ناواقف ہو۔ لیکن زبان کے معاملے میں ایسی بات ہرگز نہیں۔ ابھی تک کوئی فرقہ انسانی ایسا نہیں ملا۔ جنوبی افریقہ کے وحشی اور مردم خور بھی ایسے گئے گزرے نہیں جو ایک دوسرے سے

ساتھ تبادلۂ خیالات کا یہ طریق استعمال نہ کرتے ہوں۔ لیکن اس سے
بھی زیادہ دندان شکن اعتراض اس مذہب پر یہ ہے کہ اس امر کو آغاز
سوسائٹی کے مسئلہ سے غایت درجہ کی وابستگی ہے اور مسئلہ وہ
جس کی انجیل کے باب پیدائش کا ہر ایک صفحہ تردید کرتا ہے۔ اور
تجربہ ایک ہی نگاہ میں باطل دکھا رہا ہے۔ ہماری مراد اس مسئلے
سے ہے۔ جس کے بموجب انسان کی ابتدائی حالت وحشیانہ تھی۔ وحشی
بیج تھا۔ جس سے بمدت میں انسان شائستہ پیدا ہوا۔ حالانکہ حقیقت
یوں ہے کہ تروتازہ بیج تو کہاں رہا۔ اگر انصاف کرو۔ تو وحشی
انسان پژمردہ۔ خشک پتا ہے۔ جو انسانیت کے تنے سے
بہ جبر الگ کیا ہوا ہے۔ اس میں اپنے سے زیادہ قابل قدر چیز اپنے
آپ میں پیدا کرنے کی مطلقاً قابلیت نہیں۔ اس کی قابلیت تو
اس پژمردہ خشک پتے سے زیادہ نہیں جو اپنے آپ میں سے شاہ
بلوط کا درخت پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ یہ تو بھلا دور کی مثال ہے
اس کو ایک ایسے بچہ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جس میں جوانی کی
قابلیتیں ودیعت ہوں۔ جو وقت سے پہلے ہی بڑھاپے کا شکار ہو کر
نکما اور شکستہ وخستہ ہو گیا ہو ؎

۱۲۔ آغاز زبان۔ اس کی ترقی اور تنزل کی حقیقت

لیکن ابتدائے زبان کے سوال کا صحیح
جواب یہ ہے کہ خدا نے انسان کو زبان
عطا کی۔ ایسے ہی جیسے خدا نے انسان کو عقل بخشی اور اس واسطے

بھی کہ اسے عقل دی (کیونکہ انسان کا کلام اس کی عقل کی جلوہ فرمائی کے
سوا اور کچھ بھی نہیں) خدا نے انسان کو زبان عطا کی۔ کیونکہ اس کے
بغیر وہ انسان یعنی تمدنی مخلوق نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سے یہ نہ
سمجھا جانا چاہیے۔ کہ انسان ابتدا ہی میں مکمل لغات اور مجموعہ الفاظ کا
مالک تھا۔ اور ایک طرح سے اس کی پہلی کتاب لغات اور پہلی
کتاب صرف و نحو اسے بنی بنائی مل گئی تھی۔ القصہ انسان نے ناموں
سے نہیں۔ بلکہ نام رکھنے کی طاقت سے ابتدا کی۔ انسان بولنے کی
کل نہیں۔ خدا نے اسے الفاظ نہیں سکھائے جیسے ہم طوطے
کو پڑھاتے ہیں۔ بلکہ اسے قابلیت عطا کی اور پھر اپنی دی ہوئی
قابلیت کو ظاہر کر دیا۔ اس امر میں جیسا کہ دیگر امور میں بھی جو
انسان کی ابتدائی حالت کے متعلق ہیں۔ انجیل مقدس کی پہلی تین
فصلیں قابل غور ہیں۔ کیونکہ وہاں سے نہیں پتا لگ جائے گا۔ کہ
خدا نے نہیں۔ بلکہ حضرت آدمؑ نے اوّل ہی اوّل حیوانات کے نام
مقرر کیے۔ اور بلاشبہ اپنے خالق کی ہدایت سے۔ وہاں سے
یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سب کو آدمؑ کے پاس لایا تاکہ دیکھے
کہ آدم انھیں کن ناموں سے پکارتا ہے اور جس نام سے حضرت آدمؑ
نے کسی حیوان کو پکارا۔ وہی اس کا نام ہو گیا۔ یہ ہے صاف صاف
پتا زبان کی انسانی اور خدائی ابتدا کا۔ اور ساتھ ہی دونوں میں
سے ایک ابتدا بھی اس انداز سے نہیں جتائی گئی۔ کہ دوسری کی

مانع یا خارج ہو۔

۱۳۔ آدمی اپنی زبان خود بناتا ہے

یہاں تک تو ہم ان لوگوں کی رائے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ جو اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت انسان نے اپنے خیالات کو لفظی لباس میں اظہار کرنے کی طاقت بتدریج حاصل کی۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ حقیقت حال کو ذہن نشین کرنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم اشیاء کو نام دینے اور اُن کے باہمی تعلق کو ظاہر کرنے کی اس قابلیت کو وجود انسان کی بنیاد میں رکھا ہوا تصور کریں۔ اور یہ سمجھ لیں۔ کہ پیدائش سے ہی خدا تعالیٰ نے یہ قابلیت اُسے بخشی ہوئی ہے۔ لیکن یہ قابلیت ایسی ہے (اور اس امر میں یہ قابلیت ان انسانی قابلیتوں سے متجاوز ہو گی۔ جنھوں نے مختلف لوگوں میں مختلف فنونِ زندگی ایجاد کیے ہیں) جو نکمی اور بیکار نہیں رہ سکتی تھی۔ اور یہ اس لیے کہ انسان اس کے استعمال سے ہی انسان ہو سکتا تھا۔ نتیجہ لابدی تھا۔ باہر کی دنیا یا ہم جنسوں کی خواہش اور اظہار ضرورت پر قابلیت کلام انسان کے دماغ سے جلد نشو و نما پا گئی۔ جو جو کوئی چیز اس کے سامنے نام کے لیے آئی۔ اشیا کا باہمی تعلق اس کے ضمیر کی آنکھوں میں قائم ہو گیا۔ اور جو کچھ ہوا۔ انسان کی اس طبیعت کا جو اسے عطا ہوئی تھی۔ صرف امکانی حیثیت میں نہیں۔ بلکہ لابدی نتیجہ تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ آدمی اپنی زبان خود بناتا ہے۔ لیکن اس طرح جیسے شہد کی مکھی اپنا چھتا بناتی ہے یا پرندا اپنا گھونسلہ، اسے سوائے

اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے ؎

۱۴- جس طرح درخت جڑ سے ایک قانون قدرت کے مطابق نکلتا اور پھیلتا ہے

یہ اندرونی قابلیت کس طور پر ظاہر ہوئی یا فعل میں آئی۔

کس طرح زبان کا خود بخود پیدا ہو جانا عمل میں آیا۔ ایک راز ہے اور قدرت کا ہر ایک کام بالضرورت راز ہوتا ہے۔ بڑے بڑے محققوں نے بھی اُسے راز ہی رہنے دیا ہے۔ تاہم ہمیں حقیقت الامر سے یعنی یہ عمل کس طرح ہُوا۔ اور کس طرح نہ ہُوا۔ واقفیت حاصل کرنے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔ اگر ہم ایسا تصوّر کریں۔ کہ جس طرح درخت جڑ سے ایک قانونِ قدرت کے مطابق نکلتا اور پھیلتا ہے۔ اسی صورت میں قابلیت زبان جو انسانی فطرت میں مل چکی ہے اس کی بھی جڑ ہو گی۔ اور قانون بھی وہی قانون عقل کل جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔ ہو گا اور یہی تمثیل انسب ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ ہم تعمیر مکان سے اُسے تشبیہ دیں۔ جو انسان آہستہ آہستہ اور مشقت سے اپنے خیال اور وہم کے مطابق خشک لکڑیاں جمع کر کے تیار کرتا ہے۔ اور جس میں بمراتب سامان عمارت اور رقبہ زمین میں ترقی کی جاتی ہے۔ شروع شروع میں سیدھا سادھا جھونپڑا جو اس کی ابتدائی ضرورتوں کے لیے کافی تھا۔ محنت اور مشقت کی صدیوں کے بعد اس کی اولاد کے لیے شاہانہ محل عیش و آرام کا بن جاتا ہے ؎

۱۵- وحشیوں کی زبان پر نقش تنزل

بحالت دیگر اگر وحشی ابتدائی حالت

انسان ظاہر کرتے ہیں تو ان میں زبان کے اوّلین اجزاء - اوّل درجہ
کے ہی سہی - اور ان اجزاء میں تندرست نمو کے جراثیم ہونے چاہییں۔
لیکن نزدیک جاکر دیکھنے سے وحشی قوموں کی زبان کیا ظاہر کرتی ہے۔
ہر ایک حالت میں جو کچھ بھی ہے وہ زبان ہی ایک بہتر اور اعلیٰ درجہ کی
گذشتہ حالت کے کھنڈرات دکھاتی ہے ؎

وحشیوں کی زبان پر نقش تنزّل ڈراؤنی صورت میں جما ہوا دکھائی
دے رہا ہے - اور شاید ان کی شکل پر جو ایسا نقش ہے اس سے
کہیں زیادہ ہے۔ جب کوئی قوم حق کو بالکل چھوڑ بیٹھے اور مدت
مدید تک نورِ ایمان سے منحرف ہو کر عصیاں پر کمر باندھ لے - تو وہ
اسی طرح تنزّل کی گھاٹی میں لڑھکتی جاتی ہے - اور دنیا کے ان حصوں
سے جہاں ترقی اور شائستگی کا دَور دورہ ہے کسی حادثۂ عظیم کے
تھپیڑوں کی ماری دُور دُور تتر بتر ہو جاتی ہے - اور اُسے
شائستہ آبادی سے پرے جزیروں یا انتہائی گوشوں میں دھکیل دیا
جاتا ہے۔ اور جوں جوں اعلیٰ خیالات - روحانی خیالات - ایک
دوسرے کے بعد اس قوم میں مرتے جاتے ہیں۔ الفاظ بھی جو انھیں
ظاہر کرتے ہیں گم ہوتے جاتے ہیں - شائستگی کے زمانہ کی جو جو عادتیں
یکے بعد دیگرے چھوڑ دی جاتی ہیں - ایسے الفاظ بھی جو ان عادات کی
وجہ سے زبان زد تھے - ترک ہو جاتے ہیں - پہلے پہلے ان کا استعمال
چھوٹ جاتا ہے اور پھر حافظہ بھی انھیں بھول جاتا ہے اور کچھ مدت

کے بعد نابود ہو جاتے ہیں۔

۱۶۔ پادری موفات اور لفظ ماریمو | پادری موفات صاحب اپنی کتاب (جو انھوں نے جنوبی افریقہ کے متعلق لکھی ہے) میں ایک قوم کی زبان میں (جو وحشت میں روز بروز زیادہ مستغرق ہو رہی ہے) ایک بڑے پُرمعنی لفظ کی گُم شدگی کی مثال بیان کرتے ہیں۔ اور لفظ کی گُمشدگی کے ساتھ ہی جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔ ایک روحانی حقیقت اور صداقت کا بھی چلا جانا بیان کرتے ہیں۔ جو اس لفظ کے لباس اور حمایت میں ظاہر ہوتی تھی۔ کافروں کا ایک فرقہ لفظ ماریمو استعمال کرتا تھا۔ اور اس کے معنی ہیں ۔" وہ جو اوپر ہے" "وہ جو آسمان میں ہے"۔ اور یہ لفظ اللہ جلشانہ، کی ہستی کا مصداق تھا۔ یہ لفظ بمعیت اپنے مصداق کے پادری موفات صاحب نے موجودہ نسل کی زبان میں نابود پایا۔ اگرچہ کہیں کہیں اسے کوئی بوڑھا نظر آجاتا تھا۔ اور وہ بمشکل ہزار میں ایک جو بتا سکتا تھا۔ کہ اس نے اپنی جوانی میں یہ لفظ بول چال میں سُنا تھا۔ اور یہ لفظ جو کبھی ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اب صرف جادوگری اور مینہ برسانے کے مدعیوں کے منتروں میں سنائی دیتا تھا۔ جنھوں نے اس کا مصداق ایک بناوٹی بھوت ٹھہرایا تھا۔ اور اس کی نسبت وہ بیہودہ ترین اور متضاد روایات بیان کرتے تھے۔

۱۷۔ خیالات زبان سے ہی پرورش پاتے ہیں | وحشی قوموں کی حالت تنزل

کا ان کی زبان کی اس بے رحم کم مائگی سے بڑھ کر اور کوئی شاہد نہیں۔
اور نہ کوئی امر انھیں اس قدر موثر طور پر جاہلیت میں رکھنے پر مصر
ہوتا ہے۔ انسان کی سمجھ اور علم ان الفاظ تک ہی محدود ہوستے
ہیں جو وہ سمجھتا ہو۔ اور جو کچھ ان الفاظ کے معانی ہوں۔ یا اس کی
سمجھ کے مطابق معانی بنائے جائیں۔ اور کسی آدمی پر اپنے خیالات
ظاہر کرنے میں ہم ان حدود سے باہر نہیں جا سکتے۔ خیالات زبان
سے ہی پرورش پاتے ہیں۔ اور یہی انھیں ظہور میں لاتی ہے۔ لیکن
اس میں بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ زبان ہی ان کے لیے روک اور
زنجیر کا کام دیتی ہے۔ اشاعت دین کرنے والے ہمیشہ سے اس
بات کے شاکی ہیں۔ کہ وحشیوں کی زبان میں وہی الفاظ کلیتہً یا
اس کے قریب قریب نابود ہیں۔ جن کے ذریعے انھیں حقائق
روحانی کی تلقین کی جائے۔ یا انسان کے دل کے علوی ولولے
ہی انھیں جتائے جائیں۔ ایک پادری صاحب اپنی کتاب میں
بیان کرتے ہیں۔ کہ برازیل کی دو بڑی دیسی قوموں کی زبان میں کوئی
لفظ مطلقاً "شکریہ" کا مترادف نہیں ملتا۔ لیکن اگر ان کے دل منت و
شکر سے بالکل ناآشنا ہیں تو ان کی زبان میں ایسے الفاظ کی عدم
موجودگی کچھ عجیب نہیں ؎

بلکہ سچ تو یوں ہے۔ کہ وہ الفاظ ان کی لغات میں کیسے ہو سکتے
تھے۔ اور اس ناآشنائی کا۔ عدم موجودگی لفظ کا موجب ہونا ایک

امرِ واقعہ سے پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جو وہی صاحب حوالہ قلم کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ لوگ اگرچہ عادی بھکاری ہیں۔ کسی چیز کے مل جانے پر جس کی وہ تلاش میں ہوں۔ ممنون و مشکور ہونے کا ایک اشارہ تک بھی تو ان کی طرف سے نہیں ہوتا۔ بس اتنا ہی کہیں گے "کہ یہ چیز میرے لیے مفید ہوگی" یا "اُسی چیز کی تو مجھے ضرورت تھی" مشرقی افریقہ کے باشندوں میں بھی شکریہ کے خیال کے اظہار کے لیے کوئی لفظ یا فقرہ نہیں ملتا۔

۱۸۔ زبانوں میں جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ بھی شہادت تنزل دے رہا ہے

ان زبانوں نے جو کچھ کھو دیا ہے۔ صرف وہی نہیں۔ بلکہ جو کچھ ان میں باقی رہ گیا ہے یا ایجاد ہوا ہے ان کے تنزل اور قعرِ ذلت میں پہنچ جانے کا شاہد ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر رہا ہے۔ کہ جو لوگ ان کے بولنے والے ہیں وہ سطح شائستگی سے کتنے نیچے گر گئے ہیں۔ نیوزی لینڈ کی ایک قوم کی بابت ہم نے کہیں پڑھا ہے۔ کہ ان کی زبان میں خدا کے لیے کوئی لفظ نہیں۔ لیکن ماں کے پیٹ میں بچہ کو مار ڈالنے کے لیے ایک طریق کے لیے ایک لفظ ہے اور ہمیں ایک واقف کار انگریزی ادیب کی زبانی جو "وان ڈیمنز لینڈ" میں دیر تک سکونت پذیر رہا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس جزیرہ کی زبان میں قتلِ انسان کے لیے چار لفظ ہیں۔ ایک تو باپ کے بیٹے کو مار ڈالنے کے لیے۔ دوسرا بیٹے کے باپ کو مار ڈالنے کے لیے

اور علیٰ ہذا القیاس قتل کی دیگر قسمیں ہیں۔ اور ان میں سے ایک میں بھی اخلاقی ملامت یا قتل مستلزم السزا اور قتل عمد میں جو گہرا فرق ہے ان کا نشان تک نہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس زبان میں جو اظہار بغض کے نہایت درجے کو بیان کرنے میں ایسی مالا مال ہے۔ محبت کے لیے کوئی لفظ مطلقاً نہیں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے اس شکستگی اور ابتری کی حالت میں بھی گاہے گاہے وحشی قوموں کی زبان میں کچھ نہ کچھ معنوی باریکی۔ کوئی عجیب اشارہ مردہ شائستگی کا۔ جو کہ متکلم سمجھنے سے بالکل قاصر ہے۔ نظر آجاتا ہے۔ ان کی زبان کی کم مایہ اور ذلیل گدڑی میں کوئی دھجی ایسی بھی نظر آجاتی ہے جو اسے میراث ضائع کردہ کی بچی کھچی یا ایک قبا کی جو کسی زمانہ میں شاہانہ تھی پھٹی پرانی یادگار بتا رہی ہوتی ہے۔ وحشی کے ہاتھ میں شکستہ عصائے شاہی کے ٹکڑے رہ گئے ہیں۔ عصا جس سے وہ اپنے بزرگوں کی شکل و جسم میں (خیالات کے وسیع ممالک پر حکومت کرتا تھا اور وہ ممالک اب اس کی مقدرت اور حکومت سے بالکل نکل گئے ہیں۔

۱۹۔ قومی ترقی کے ساتھ ساتھ ہی زبان بھی ترقی کرتی ہے

ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ وحشی کی تو یہ حالت ہوگئی ہے۔ کہ راہ تنزلی میں نیچے ہی نیچے جا رہا ہے اور ذاتی اور قومی زندگی کے نادار اور ذلیل ہو جانے کے ہر ایک موقع پر زبان بھی اسی کے مطابق ذلیل اور نادار ہو رہی ہے۔ اس کے مقابلہ میں دوسری طرف

ہم دیکھیں گے۔ کہ جہاں کہیں پیش قدمی اور ترقی ہے۔ جہاں کوئی روحانی خیال کسی قوم کے ذہن میں کسی حد تک صورت حقیقت اختیار کر رہا ہے۔ جہاں وہ قوم الفاظ کے معانی کی تعریف و تمیز کرنا سیکھنے لگی ہے۔ جہاں وہ نیچرل پر حکومت جیسا کہ چاہیے کر رہی ہے۔ اور نیچر کو اپنے اسرار ظاہر کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ جہاں قومی افق پر نئے خیالات جلوہ گر ہو رہے ہیں اور قومی دل کو نئے ولولے اُبھار رہے ہیں۔ اور اس کے علم میں نئے واقعات آ رہے ہیں۔ وہاں زبان بھی بڑھے گی اور ترقی کر رہی ہو گی۔ یہ پیچھے نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ انسان محسوس کرتا ہے کہ کوئی چیز اس کی خاص ملکیت نہیں ہو سکتی۔ وہ کسی نئے خیال کو گنجینہ اور اپنا نہیں کہہ سکتا۔ یا کسی نئے روحانی ورثہ پر اُسے قبضہ و تصرف حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک یہ زبان میں جاگزیں اور جاگیر نہ ہو جائیں۔ جب تک ان کا تصور وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ الفاظ سے نہ کر سکے۔ وہ احساس کرتا ہے کہ حق کو قائم رکھنے اور اس کی اشاعت کے لیے۔ اس کا اظہار اور بیان کرنا ضروری ہے کسی نے خوب کہا ہے۔ کہ اسماء حیات کے نقوش ہیں۔ اور اُسی حیثیت میں دماغ پر زبردست قابو پا لیتے ہیں۔ اور دوسرے نقوش کے مقابلے میں آسانی سے استحضار کے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ خیالات اور احساسات

کے دیگر سیماب صفت محمولین کے لیے ایک قسم کا نقطۂ مماس ہوتے ہیں۔ نقوش ایک دفعہ رفت گزشت ہوئے تو ہمیشہ کے لیے منتشر اور مفقود ہو گئے۔ لیکن زبان کی ہم صفیری سے انھیں ہر وقت کانوں تک رسائی رہتی ہے۔ اور اس سے بے تکلفی کی مجلس میں ان کا دخل بے روک ٹوک ہو جاتا ہے۔ خیالات و تصورات خود شب و روز دیائی منتظر اور جلوہ گاہ کے صفوف اولین سے پرے پرے ہٹتے جاتے ہیں۔ لیکن اسماء برابر ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور ان کے منہ سے نکلتے ہی خیالات و تصورات آن کی آن میں آموجود ہوتے ہیں۔

۲۰۔ الفاظ جو مباحثات مذہبی نے پیدا کیے اور ان کی مثالیں

بعض اوقات لوگ شکایت کرتے ہیں کہ مباحثات مذہبی سنے جو وقتاً فوقتاً مختلف ادیان یا ایک ہی مذہب کے مختلف فرقوں میں ہوتے رہے ہیں۔ الٰہیات اور مذہب میں نئی نئی اصطلاحات کا ایک حد سے زیادہ ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ لیکن ایسا ہونا ضروری تھا ورنہ مباحثات سے جو کچھ فوائد مترتب ہوئے ہیں۔ وہ بالکل نابود ہو جاتے۔ ایک بزرگ کا قول ہے۔ اور قول برحق۔ کہ حقائق کی کسی باضابطہ دینی ہو یا دنیوی۔ ترتیب و تدوین کی کامیابی۔ اور مستقل اثر، صحیح صحیح اصطلاحات پر ہی منحصر ہے۔ خیالات و تصورات میں وقیقہ رس غور و خوض پر نتائج جو انسانی فکر نے قائم

نیکے ہیں۔ جب تک صراحت سے بیان نہ کیے جائیں اور مناسب حال اور صحیح الفاظ میں منضبط نہ ہوں۔ فکر کا عمل آخر کار بے سُود ہوگا۔ جو کچھ کہ صاف و شفاف اور نمایاں صورت میں ایک شخص کے تصورات نے قائم کیا تھا۔ کافۂ انام کی ملکیت اور مقبوضات میں داخل ہونے سے قاصر رہے گا۔ کیونکہ کسی صحیح اور پُر زور اصطلاح نے اسے شخصی دماغ سے دماغ عامہ کی طرف منتقل نہیں کیا۔ کوئی چیز خیال یا تصور سے زیادہ بیقرار اور بے ثبات نہیں۔ تصور جو ایک شخص کے ذہن میں صریح اور صحیح تھا۔ دوسرے کے ذہن میں دھندلا اور غلط ہو جائے گا۔ اور یہ اس لیے کہ اس کی پیدائش پر ہی اس کی شکل و صورت و تناسب وجودی کو مدنظر رکھ کر اسے مضبوط گرفت میں نہیں لایا گیا۔ اور نہ رکھا گیا۔ اور نہ بعد ہی میں مستقل علمی مقادیر کے رکن کی حیثیت میں دوسرے اذہان کے تصرف میں دے دیا گیا۔ بقول دیگر الفاظ اکتشافات کے صحیفے ہیں۔ بقائے حق اور اس کی اشاعت کے لیے ضروریات اسمار پر کہا گیا ہے کہ ذہنی یا معاشرتی مضامین پر کوئی نیا خیال لوگوں میں نہیں پھیلتا۔ یا اس کے موجد کے ذہن میں بھی اپنی اہمیت کا سکہ نہیں بٹھا سکتا۔ جب تک کہ مناسب الفاظ یا فقرات میں اسے پابند اور مقید نہ کر دیا گیا ہو اور یہ بات حق و باطل پر یکساں طور پر حاوی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ ہمارے تجربہ میں کئی دفعہ آئے گا کہ

مباحثات وخصومات دیرپا اُتار چڑھاؤ اور ہیر پھیر کے بعد ایک لفظ واحد مرکوز ہو کر محفوظ ہو جاتے ہیں ۔ جو فریقین کے مسلمات ومنفیات کا خلاصہ ہوتا ہے ۔ جنگ وجدل کی بے ٹھکانہ اور پیٹے کی ضرب وطعن کے بعد میدان جنگ کا بہترین اور فیصل کن مقام غنیم کو مجبور اور مقہور کرنے کے لیے جس کا حاصل کرنا حرب کے جملہ امور طے کر دے گا۔ آخر کار معلوم ہو جاتا ہے ۔ مسلمانوں کے فرقے جبریہ اور قدریہ اختلاف باہمی کو اپنے ناموں میں من وعن بتا رہے ہیں اور اس بیان کی شاید ہم جرأت کر سکتے ہیں ۔ کہ بدھ مذہب کا سارا راز آواگون تناسخ کے چکر میں مرکوز ہے ۔ اس لفظ کو نظر انداز کر دو تو یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عمارت کا بنیادی پتھر نکال لیا گیا ہے ۔ ناستک بھی اپنے سے ہی انکار الوہیت کا اعلان کر رہا ہے ۔ نیچری فرقہ کا نام بھی ان کی مرہونیت قانون قدرت پر دال ہے ۔ اور مقلد اور غیر مقلد اہلحدیث و دیگر اہل سنت والجماعت کے درمیان حد فاصل مقرر کرتے ہیں ۔ بعض اوقات ایک لفظ نہیں بلکہ ایک فقرہ اس عمل کا کفیل ہو جاتا ہے ۔ ڈارون کے خیالات اور مسائل کا عوام کیا اندازہ کر سکتے تھے ۔ اگر دو باتیں موزوں اور جامع فقرات مثلاً "بقائے اکمل" "کشمکش وجودی" اور عمل انتخاب طبعی" ان کے متعلق رواج نہ پاتے ۔

شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین مقتول کا فلسفہ اشراق کا نام

اتنا تو ہمیں ضرور بتلاتا ہے۔ کہ وہ خود ایک نئے اور خاص فلسفہ کے بانی ہوئے۔ اور اس کے مسائل کو وہ ملہم من اللہ کہتے تھے ؞

۲۱ - زبان تکمیل عطیہ

ہم مضمون زیر بحث سے کچھ۔ ہاں کچھ ہی دور چلے گئے ہیں۔ جو کچھ ہم نے ابھی زبان کے خزائن سے معمور ہونے کے ذرائع کی نسبت تحریر کیا ہے۔ ہمارے سابق بیان کی تردید نہیں کرتا۔ کہ انسان کو ابتدا ہی سے زبان اللہ جلشانہ، کی طرف سے ایک تکمیل عطیہ کی شکل میں عطا ہوئی ہے۔ جو آئین الہٰی کے مطابق دوسرے عطیات و وہبیات خدائی کی طرح گناہگاروں اور کاہلی سے انسان ضائع کر دیتا ہے اور کھو بیٹھتا ہے۔ کیونکہ ہماری یہ کبھی مُراد نہ تھی (اور یہ امر اس وقت ہم نے جتا بھی دیا تھا) کہ انسان ایسے حسیات کے لیے جو کبھی اس کے سینہ یا دل میں موجزن ہی نہیں ہوئے۔ ترکیبیں جو اس نے ترتیب ہی نہیں دیں۔ اشیا، جو اس کے سامنے ہی نہیں آئیں۔ اعتبارات جن کا اُسے ادراک ہی نہیں ہوا - ان سب کے لیے ان کے اظہار و بیان کے لیے الفاظ کا ذخیرہ رکھتا ہے۔ البتہ یہ تو ہماری مُراد تھی۔ کہ انسانی ضروریات کی حد تک۔ ضروریات جسمانی ہی نہیں بلکہ روحانی بھی - اس کے پاس بیان اور اظہار کے لیے الفاظ بلا شبہ ہوں گے۔ انسان زبان کے منطقی یا صرفی و نحوی حصّہ (کیونکہ صرف و نحو زبان کی منطق ہے۔ جیسا کہ منطق استدلال کی صرف و نحو ہے) پر نامعلوم طور پر قابض و متصرف

ہوا۔ لیکن یقیناً تدریجی اکتساب سے اس کی ترتیب و تدوین اور اس سے استنباط و استقرار کے ذریعہ نتائج نکالنے سے نہیں۔ بلکہ اُس ذریعہ سے جس نے ایسے اکتساب کو ممکن بنایا۔ جس کی رُو سے وہ بے خبری میں عمل پیرا رہا۔ اور اس ڈھانچے کو رفتہ رفتہ بعد کے تصورات و خیالات، حسیات اور تجربات و مشاہدات کے اکتسابات سے جو یکے بعد دیگرے الفاظ کا لباس پہن کر سامنے آتے رہے ہے ترقی دیتا اور سجاتا رہا۔

۲۲ - زبان - قوموں کے جذبات خیالات اور تجربات کی مجسمہ ہے

اور یہی وجہ ہے کہ ہم زبان سے اس قدر مستفیض ہو سکتے ہیں۔ اور ہماری تلاش اور جستجو پر اس سے ہمیں کافی منافع حاصل ہوتے ہیں۔ جوں جوں ہماری تلاش زیادہ نظر التعمق و نظر صحت سے ہوتی ہے۔ ہمارے منافع بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس سے ہم مستفیض ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قوم بلکہ بسا اوقات کئی قوموں کے جذبات۔ خیالات اور تجربات کی مجسمہ ہے۔ یا یوں کہو۔ کہ ان کا ادبار ہے۔ اور نیز ان کمالات اور کامیابیوں سے بھی جو سالہائے دراز میں قوموں نے حاصل کیں۔ ستون، ہرقل کی طرح کھڑی بتا رہی ہے۔ کہ انسان کی اخلاقی اور ذہنی فتوحات کہاں تک ہوئی ہیں۔ ان ستونوں کی طرح جمی ہوئی اور کبھی نہ ہلنے والی حالت میں نہیں۔ بلکہ ہمیشہ جیسے ان فتوحات کا سلسلہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے قدم

بھی آگے ہوتے جاتے ہیں۔ زبردست اخلاقی باتیں جو انسان کے
دل میں وقتاً فوقتاً اٹھتی رہتی ہیں۔ زبان کی مدد سے بیان کے
لباس میں خود بخود ظاہر ہو گئی ہیں۔ اور یکتائے زمانہ افراد نے جو اشیاء
کی ماہیت کو نگاہ غور سے ملاحظہ کیا ہے تو اکثر دفعہ انھوں نے
اپنے اس تجربہ کے ذخیرہ کو ایک ہی لفظ میں رکھ دیا ہے اور اس
لفظ کو ذخیرہ کے ساتھ ہی جو انھوں نے اس میں بھر دیا ہے۔ دنیا
میں رائج کر دیا ہے۔ اور اس نئے لفظ میں خیالات کا ایک خاص دائرہ
مقرر کر دیا ہے۔ جو آئندہ سب لوگوں کے حلقۂ خیالات کا مشترکہ
سرمایہ ہوگا۔ زبان کہہ رہا ہے۔ جس میں ہزار ہا بیش بہا اور نازک خیالات
رکھ کر محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ اس نے ذہن انسانی کی بجلی کی چمک
لاکھوں دفعہ جذب کی ہے اور اگر اس طرح جذب کر کے روک نہ
لی جاتی تو وہ روشنی کی جھلک تو دکھا جاتی۔ مگر ساتھ ہی برق آسا آن
کی آن میں گذر جاتی اور ہمیشہ کے لیے نابود ہو جاتی۔ الفاظ تو ایک
زمانے کے ذہنی خزانے آئندہ نسلوں کو پہنچاتے ہیں۔ اور اپنے اس
قیمتی بوجھ سے لدے ہوئے وقت کے بحر ذخائر میں سے جہاں
سلطنتیں تباہ ہو چکی ہیں۔ اور ادنے درجہ کی زندگی اور قعر گمشدگی میں
پڑ گئی ہیں۔ یہ باامن و امان عبور کر جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ
زبان ہر ایک کتاب سے جو اس میں تصنیف ہوتی ہے۔ ہمہ وجوہ
بڑھ چڑھ کر ہے۔ کتاب چاہے کتنی ہی اعلیٰ درجہ کی ہو۔ آخر ایک

انسان ہی کی طبع زاد اور ایک ہی قوم کی زبان ہے۔ شاہنامہ بہت ہی خوب کتاب ہے لیکن قوتِ بیان۔ لطافتِ تسخیر اور دلفریفتگی میں خودداری زبان سے مقابلہ نہیں کرتا۔ گلستاں ایک قابل فخر سرمایہ ہے۔ جو ایک قوم ورثہ میں پاکر ناز کر سکتی ہے۔ لیکن تزکِ زبان فارسی اس سے بڑھ کر فخر کرنے کے قابل ہے۔ مولانا حالی کی مسدس ڈاکٹر اقبال کی شمع و شاعر۔ مولانا نذیر احمد کی توبۃ النصوح اور مولانا شبلی کی تصنیفات کی قدر و قیمت کون بیان کر سکتا ہے۔ لیکن زبان اردو کے مقابلے میں ان کی قدر و قیمت کا کیا ذکر۔

۴۳۔ نام کو اپنے موسوم سے ضرور تعلق ہونا چاہیے | اگرچہ ہم اس ساری بات کے سمجھنے سے قاصر رہیں اور رہنا پڑتا ہے۔ پھر بھی ہمارے ذہن میں اس حقیقت کے کم از کم ایک جزو کا دھندلا سا خیال ضرور ہوتا ہے۔ ہم سب خواہ ہم نے اسے بخوبی سمجھ لیا یا نہیں۔ یقین کرتے ہیں۔ کہ الفاظ جو ہم استعمال کرتے ہیں۔ کچھ ضرور ہی اپنی موضوع چیزوں سے کم و بیش حقیقی مناسبت رکھتے ہیں۔ ایسے بے سوچے سمجھے مقرر نہیں کر دیے گئے۔ کہ ان کے بجائے اور کوئی ویسے ہی کام دیے جاتے ہیں۔ ناموں کے اس طرح پر مضمون ہونے کا خیال کہ وہ اپنے مسمّیٰ اشیاء اور اشخاص کے صفات اور اندرونی خاصیتیں بتاتے ہیں۔ یا انھیں بتانی چاہییں۔

ایک صورت میں (اگرچہ اور بہت سی صورتیں ہیں) صاف ظاہر

ہو رہا ہے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر کسی شخص اور اس کے نام میں کوئی مشابہت پائی جائے۔ جو خواہ مخواہ توجہ کے قابل ہو۔ تو بچے ان مشابہت سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اور اس میں از حد دلچسپی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر نام اور نام والے میں کچھ برعکس نظر آئے۔ تو بچوں کی توجہ اس طرف اور بھی زیادہ مائل ہو کر ان کی دل لگی کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ زنگی کا نام کافور۔ اور کسی خوبصورت عورت کا نام پدمنی۔ پہلا ناموزونیت اور دوسرا موزونیت کی وجہ سے لطف دے جاتے ہیں۔

۴۔ کتب مقدس اور نام | یہ بچوں کے دل بہلانے کی بات ہی نہیں۔ ہم ساری عمر اس کے شیدائی رہتے ہیں۔ اور اس کا ہماری طبیعتوں میں راسخ ہونا اس شوق اور دلچسپی سے عیاں ہے۔ جو ہم بسا اوقات اس توافق اور تباین کے استعمال میں ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہ بھی انسان کی زندگی کے بڑے وقیع اوقات میں کتب مقدسہ بھی اس سے خالی نہیں۔ اس ضمن میں سورہ "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ" کی طرف اشارہ کر دینا ہی کافی ہوگا۔

۵۔ نام اور ادیب اور شاعر | بڑے بڑے شعرا اور ادیبوں نے جہاں کہیں اور جب کبھی انھیں موقعہ ملا ہے اس انسانی جذبہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ زیب النسا اور ناصر علی کے مشہور اشعار قابل ملاحظہ ہیں۔ ناصر علی نے لکھا کہ سہ

ازہم نمے شود زحلاوت جدا لبم ؎ گویا رسید بر لب زیب النسا لبم"

اس کے جواب میں زیب النساء کی طرف سے تہدید ہوئی کہ

ناصر علی بنام علی بردہ پناہ ؎ ورنہ بذوالفقار علی سر بریدمت

ایک دفعہ فیضی بیمار تھا۔ عرفی عیادت کو گیا۔ فیضی کو کتوں سے بہت شوق تھا۔ چند سگ بچے گلے میں سونے کے پٹے ڈالے پھر رہے تھے۔ عرفی نے کہا "مخدوم زادہا بہ چہ اسم موسوم اند"۔ فیضی نے کہا "بہ اسم عرفی" یعنی معمولی نام ہیں۔ عرفی نے کہا مبارک باشد۔ مبارک فیضی کے باپ کا نام تھا۔

ڈاکٹر اقبال کا شعر جو اُنھوں نے جنگ کے متعلق ایک پبلک جلسہ کے لیے لکھا تھا۔ اقبال کی مسلمہ نکتہ آفرینیوں سے اس جذبۂ انسانی کو لوگوں کے دل میں ٹٹولتا ہے۔

اقبال میرے نام کی تاثیر دیکھنا ؎ میں جس کے ساتھ ہوں اسے ہوتی نہیں شکست

مزید مثالیں ملاحظہ ہوں۔

"نور جہاں جو ہیں تھی وہ نور دیں ہوا ؎ دیدہ نشیں جو ہیں تھی تو وہ دلنشیں ہوا"

"مومن اور دیر خدا خیر کرے ؎ طور بیڈھب نظر آتے ہیں مجھے

؎ تخلص داغ ہے اور عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

انبہ فرستاد حسن خاں بمن

انبتہ اللہ نباتا حسن

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر یاد آگیا ہے۔ شعراء کے کسی نام سے

فائدہ اٹھا کر طبع آزمائی کرنے کی ایک دلچسپ مثال ہے۔ مولانا اکبر نے آپ کو لنگڑا آم بھیجا تھا۔ آپ رسیدیوں ارسال فرماتے ہیں۔

اثر یہ تیرے انفاس مسیحائی کا ہے اکبرؔ
الہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا

انشاءاللہ خاں اس انسانی جذبے سے جو اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔ خوب واقف تھے۔ اور اس واقفیت سے فائدہ اٹھانے میں پرلے درجہ کے ماہر۔ اللہ بیلی والا قصہ ان کی جدّت طبع کا ایک ادنےٰ نمونہ ہے؛

جان بیلی صاحب کہ اس عہد میں ریذیڈنٹ اودھ تھے ان کے ساتھ علی نقی خاں میر منشی ریذیڈنٹی بھی آیا کرتے تھے جب وہ رخصت ہوتے تو سیّد انشا کہا کرتے۔ میر منشی کا اللہ بیلی؛

۲۶۔ نام کی گندم نمائی اور جو فروشی آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا۔ کہ کسی مباحثہ یا تنازعہ میں اگر فریق مخالف کے نام میں کوئی خوبی ہے تو نام کی اس خوبی سے فائدہ اٹھا کر نام اور نام والے میں حقیقی تضاد ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس سے مخالف کی گندم نمائی۔ جو فروشی، ظاہر کچھ باطن کچھ۔ ادعا اور نا اہلیت ثابت کرنا مراد ہوتی ہے؛

۲۷۔ نام اصلیت بد کا آئینہ بنانے کی کوشش لیکن اس سے بھی زیادہ کوشش اس بات میں ہوتی ہے کہ نام اور نام والے کے

باہمی رابطہ یکانگت پر زور دیا جاتا ہے، اور نام والے کو گویا کہ نام
کی صفات کا جواب دہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور نام کی اصلی حالت
میں ہی یا خفیف تبدیلی سے اُسے موسوم کی خفتِ عقلی، بے وقعتی،
ناقابلیت اور جہالت کا معترف یا نمائندہ بیان کیا جاتا ہے۔ ایک
مشہور مگر مبتذل سی مثال ذہن میں آ گئی ہے۔

"چہ نام نامبارک ہست ناتھو کہ اوّل ناہ دارد آخرش تھوہ"

اس موقعہ پر آبِ حیات میں سے ایک لطیفہ نقل کرنا لطف
سے خالی نہ ہوگا۔ اشرف علی خاں فغاں دوسرے دور کے شعراء
میں سے ہیں۔ راجہ شتاب رائے۔ راجہ عظیم آباد کی سرکار میں
وظیفہ خوار تھے۔ ایک دن راجہ صاحب کے دربار میں غزل پڑھی
جس کا قافیہ تھا لالیاں اور جالیاں۔ سب سخن فہموں نے بہت
بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک
مسخرے تھے۔ ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے
آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا اور کچھ
جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو
جگنو میاں کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو
مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے
مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ کہنا تو چاہیئے۔ انھوں نے اُسی وقت پڑھا
جگنو میاں کی دُم جو چمکتی ہے رات کو سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے ہیں تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور میاں جگنو مدھم ہو کر رہ گئے ؛

۲۸ - نام میں حسنات و صفات کی پیشین گوئی

احمدیہ جماعت کو مباحثات میں اس کے مخالفین نے قادیانی کی بجائے کادیانی یاد کیا ہے۔ اس کے مقابلے میں یہ بھی ہوا ہے کہ جس کسی شخص کا اعزاز منظور ہوتا ہے تو بڑی خوشی سے اس کا نام لے کر اگر اس میں کوئی عز و وقار۔ خوبی و نیک منشی۔ حسنات و صفات کا اشارہ یا ایسے اشارے کی گنجائش بھی ہوتی ہے۔ تو لوگ اس میں مسمیٰ کی پیشین گوئی پاتے ہیں اس ضمن میں کئی ایک مثالیں۔ بعض نہایت ہی دلچسپ بیان کی جا سکتی ہیں ؛

تم نے سہ نثری ظہوری ملاحظہ کی ہو گی۔ ظہوری کا ممدوح ابراہیم عادل نام تھا۔ ظہوری نے سہ نثر میں ایک نثر ممدوح کا حضرت ابراہیم کی نسبت سے اس کا نام کے مصداق ہونے پر لکھا ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس طرز میں لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے ؛

ملکہ نور جہاں شاہ جہانگیر کی منکوحہ ہونے سے پہلے ایک امیر شیر افگن نام کی بیوی تھی۔ ایک دن ملکہ نے ایک شیر کا شکار کیا کہنے والے نے کہا کہ

"نور جہاں گرچہ بظاہر زن است   در صف مردان زن شیر افگن است"

تعریف بھی کر گیا۔ اور ساتھ ہی چوٹ بھی کر گیا ؛

شمس ولی اللہ۔ اردو شاعری کے باوا آدم نے اپنے جوش

ریختہ گوئی میں ناصر علی سرہندی کو کہ علی تخلص کرتے تھے۔ یہ شعر لکھا ؎

اگر مطلع لکھوں ناصر علی کوں — اُچھل کر جا پڑے جوں مصرعِ برق

ناصر علی نے جواب میں لکھا ؎

دلّی ہرگز نہ پہنچے گا علی کوں — باعجازِ سخن گر اوڑ چلے دہ

دلّی میں ایک منشی ہندو تھے۔ بخیا نام رنڈی پر مسلمان ہو گئے شاہ نصیر نے فرمایا ؎

جس طرف تُو نے کیا ایک اشارا نہ خیا

بخیا آہ تیری چشم کا مارا نہ جیا

عیسےٰ خاں اور موسےٰ خاں دو بھائی دلّی میں تھے۔ مال و دولت کی بابت دونوں میں کچھ جھگڑا ہوا۔ عیسےٰ خاں ناکام ہوئے۔ موسیٰ خاں نے کچھ عدالت کے زور سے کچھ حکمتِ عملی سے سارا مال مار لیا۔ شاہ صاحب نے بطور ظرافت چند شعر کا قطعہ کہا۔ ایک مصرع یاد ہے اور وہی قطعہ کی جان ہے ؎

ہوئی آفاق میں شہرت کہ عیسےٰ خاں کا گھر موسا

۲۹ - نام اور اس کے اثر پر عقیدہ اسی بنا پر۔ اس عقیدہ کی بنا پر کہ نام حقیقت پر دال ہوتے ہیں۔ اور ان کا برحق ہونا یقینی ہوتا ہے نہ کہ کسی نامعقول توہمات کی بنا پر۔ رومی فوج میں داخلہ کے لیے نیک شگون نام ترجیح اور فوقیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ رومی سپاہیوں کی ایک بغاوت کے بعد۔ سرلشکر نے ان کی سرکشی میں یہ امر

زیادہ قابل نفرت اور ملامت ظاہر کیا۔ کہ ایک بدشگون نام کا شخص ان کی گمراہی کا باعث تھا۔ اور وہ اسے اپنا رہنما بنانے کی ترغیب میں آگئے تھے۔ نام کی طاقت کے لوگ بے حد قائل ہیں۔ بلکہ خیال تو یہ ہے کہ بعض اوقات یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ کہ نیک نام کو بُری یا ضرر رساں طبیعت پر اس قدر قابو پانے کی عزت دی جاتی ہے۔ کہ برائی کے زائل ہو جانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ بلکہ نام والے کو نام کی صفات سے کم سے کم جزوی طور پر متصف ہونے پر رجوع کر دیتا ہے۔ اور یہی اصول اُس خوفناک بیماری چیچک اور اس کی دیبی کی خوشنودی حاصل کرنے۔ اور نام کے لحاظ سے اس کی نامہربانیوں سے بچے رہنے کے لیے اس کا نام ماتا تائی رکھنے کا باعث ہے ؛

اُمّ الصبیان کا مہلک اور خطرناک مرض جو بچوں کو بے رحمی سے ضائع کرنے میں مشہور ہے۔ اسی توجیہ سے دلِ انسانی میں ایک قسم کی سچی یا جھوٹی تسکین پیدا کرنے کے لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے ؛

۱۳۰۔ نام اور امثال | امثال بھی اس انسانی فطرت کے تقاضے کی شاہد ہیں۔ اردو میں "پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل" اور فارسی میں برعکس نہند نام زنگی کافور" اور "رُوشنائی عرب از نور محمد بود نہ از شعلہ بولہب" کافی ہوں گی ؛

۳۱۔ انجیل مقدس اور ناموں کی اہمیت

اس مضمون کو چھوڑنے سے پہلے ہمیں یہ بتانا ہے کہ انجیل میں مقدس، ایک فقرہ یا جملہ ہی نہیں بلکہ بیشمار فقرات ہیں۔ ناموں کی اہمیت پر زور دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ ناموں کی اس خصوصیت جو ہم نے اوپر بیان کی ہے ۔ جستجو اور انکشاف کوئی کھیل اور سطحی بات نہیں ۔ سو جگہ ایک اندرونی رابطہ پایا جائے گا۔ جو اسم اور مسمیٰ کو ایک دوسرے کے ساتھ بڑی مضبوطی سے جوڑے گا۔ اور حقیقت میں جوڑتا ہے۔ انجیل مقدس اپنے موثر اور ثقاہت کے پیرایہ میں جو ناموں کا ذکر کرتے ہوئے اس میں جابجا نمایاں ہے ناموں کی اس خصوصیت پر مہر تصدیق لگاتی ہے۔

۳۲۔ نام اور نیک شگونی

ناموں کی اسی اہمیت کی بناء پر ہی بادشاہ تخت نشینی پر نیا نام اختیار کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ مغلوں میں شاہجہان ۔ جہانگیر و عالمگیر وغیرہ اس کی چند مثالیں ہیں۔ سوسائٹی میں بھی یہ اصول غیر ملحوظ نہیں ۔ شادی کے بعد سسرال میں عام طور پر عورتوں کا نام بدل جاتا ہے ۔ اور بالخصوص ہندوؤں میں جب کوئی عورت دوسری جگہ پہ پہلے شوہر کے مرجانے کے بعد ا جاتی ہے ۔ تو نیک شگنی کے خیال سے اس کا نام مالن یا سہاگن رکھ دیا جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں گل زباغ علی، ناموں میں نہایت ہی دلچسپ اور اپنی طرز کا نرالا نام ہے۔

۲۳ - تعلیم میں تحقیقات لفظی کی اہمیت

ہمیں اب یہ مضمون ختم کرنا چاہیے۔ کافی طور پر اس امر کی شہادت اور دلائل قلمبند کر دیئے گئے ہیں۔ کہ ناموں کے اثر کا اعتقاد عام ہے۔ اور اس اعتقاد کی وجوہات موجود ہیں۔ کہ اشیاء اور اشخاص کی صفات نام کی خصوصیتوں سے ملتی جلتی ہیں۔ یا ملنی جلنی چاہیئں۔ اب ناظرین کے لیے یہ تسلیم کرنا دقت طلب نہیں۔ اور ان حالات میں تسلیم کر لینا تو صاف ہے، بلکہ یقین کرنے کے لیے بھی واقعات کم نہیں۔ ہمارا فائدہ عظیم ہوگا۔ اگر اُستاد، شاگرد۔ یکجا اور مشترکاً۔ خزد دانش کے یہ خزانے پاکر۔ جو زر و سیم کی کانوں سے زیادہ قیمتی ہیں۔ ارادہ کر لیں۔ کہ ان خزانوں میں کس قدر اپنا مملوکہ اور مقبوضہ بنا لیں گے۔ الفاظ سے جو ہم استعمال کریں۔ ان کی حقیقت کا استفسار کریں۔ پوچھیں۔ کہ وہ کہاں سے آئے اور کدھر جا رہے ہیں۔ بسا اوقات ایک عام متداول سکّہ سے جو بارہا ہمارے ہاتھوں میں آیا اور گیا تھا۔ خاک اور زنگ جھاڑ کر اور صاف کر کے ہم دیکھیں گے کہ سکّہ قیمتی ہے۔ شہنشاہ کا چہرہ اور نقش اس پر مرتسم ہے۔ اسی طرح ہم حیران ہو جائیں گے۔ اور کچھ شرمندہ بھی ہوں گے۔ جب ہمارے سامنے روحانی حقائق جو ہماری روزمرّہ کی بول چال میں مضمر ہیں۔ پھر جائیں گے۔ حیرت انگیز حقائق الفاظ میں (جن کی موجودگی کے) ہم شاہد ہیں۔ ہمیں نظر آئیں گے۔ مطالعہ الفاظ اگر تم خود شروع کرو۔ تو دلچسپی سے خالی مشغلہ

نہ ہوگا۔ اور اگر اپنے فائدہ کے ساتھ ساتھ ہی تم اپنے شاگردوں اور متعلقین کا فائدہ بھی ملحوظ رکھو تو کسی صورت میں بھی اس کے پھیکا اور دلچسپی سے خالی ہونے کا اندیشہ نہیں۔ شاگردوں کو ذرا اس میں لگاؤ اور پھر ان میں آنکھ کی چمک۔ چہرہ کی شگفتگی۔ توجہ کی کمی کا زائل ہونا ملاحظہ کرو جو الفاظ پر لکچر دینے والا، خواہ اس کی قابلیت کچھ ہی ہو اور بالخصوص ان الفاظ پر لکچر دینے۔ جو طلبا روزمرہ استعمال کرتے ہیں۔ جو ان کے کھیل کود کے وقت یا مسجد و مندر میں متعارف ہیں۔ اپنے استقبال میں خوش آمدید کہتے ہوئے دیکھے گا۔ بچوں میں ایک حس حقائق شناسی ہے۔ جو الفاظ کے حقائق کے انکشاف پر مسرت پاتی ہے۔ وہ بے حد خوش ہوتے ہیں۔ کہ الفاظ مہمل نشانات نہیں۔ بلکہ زندہ طاقت اور عامل ہیں اور انگلستان کے ایک جھوٹے مدعی نبوت کے قول کی تقلیب میں وہ احمقوں کے تختہ حرانی ہوں گے لیکن عقلمندوں کے زر و سیم ہیں۔ الفاظ سمندر کی ریگ کی طرح بیحساب منفرد ذرات نہیں بلکہ ایک جڑ سے متفرع ہوتے۔ نشو و نما پاتے۔ پھلتے پھولتے۔ گروہ خاندانی بناتے۔ اور ان کے عملیات۔ خیالات اور حسیات کے ساتھ اپنا رابطہ ابتدائے آفرینش سے تاحال قائم کرتے اور بڑھاتے ہیں ؛

۴۴۔ اردو میں یہ تحقیقات بیش بہا خزانوں سے ہمارا دامن پُر کردیگی

ہمیں اپنی زبان (ہندوستانی اُردو زبان) میں جو ہندی۔ فارسی

اور عربی سے مل کر بنی ہوئی ہے۔ بالخصوص اور زیادہ تر اس کے مخفی خزانوں کے لیے تفحص اور تجسّس کرنا ہوگا۔ ہمیں اس کے چہرہ سے رواج اور تعارف کا نقاب اُٹھانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ اور اس سے زیادہ مفید ہمارے لیے اور کوئی شغل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سینہ کے اندر اور دوسروں کے سینوں کے اندر ہندوستانی دل پیدا کرنے میں اس سے بہتر اور کوئی ترکیب یا کام زیادہ ممد و معاون نہیں ہو سکتا ہم بمشکل ہندوستانی یا اُردو کے نشو و نما پر ایک سبق پڑھا سکتے ہیں۔ یا اس کے کسی پُر معنی لفظ کی اصلیت ہی بتا سکتے ہیں۔ جب تک کہ ہم ہندوستان کی تاریخ میں اور ہمیں جلدی اس کا پتا بھی نہ ہو گا اپنے سبق کو وسعت نہ دے رہے ہوں گے۔ جب تک کہ ہم قومی زندگی کی تصویر کھینچنے والے کسی عجیب و غریب لفظ کو یک لخت صرف اپنے سامنے آتا ہوا ہی نہ دیکھیں گے بلکہ معلوم کریں گے۔ کہ وہ عظیم الشان دل جو اس زندگی کے مرکز میں متحرک ہے۔ کس طرح بنا اور موجودہ صورت میں آیا۔ اس طرح ہم گذشتہ کے تعلق مشکوری اور تعظیم کا احساس اپنے اندر پیدا ہوتا پائیں گے۔ جو کچھ سلف نے ترکہ ہمارے لیے چھوڑا ہے۔ جو کچھ انھوں نے ہمارے استعمال اور تصرّف کے لیے ہمیں مہیا کر دیا ہے۔ اس کی قدر کریں گے۔ بنی اسرائیل کے لیے جب وہ کنعان میں پہنچے۔ کنوؤں کا جو انھوں نے کھودے نہ تھے۔ انگور کے باغات کا جو انھوں نے لگائے

نہ تھے ۔ مکانات کا جو انھوں نے بنائے نہ تھے ۔ مل جانا ایک معمولی بات نہ تھی ۔ لیکن اس سے بڑھ کر کتنی بڑی نعمت ۔ کیسا شاندار حق وامتیاز کسی نسل آدم کا ہے ۔ کہ انھیں زبان کا ورثہ ملے جو دوسری نسلوں نے اپنی صداقت اور محنت سے بیش بہا جواہرات کا معدن ۔ نامعلوم عقل و دانشمندی کا مخزن ۔ دقیق تفریق ۔ نازک جذبات اور بلند تخیلات کے بیان کرنے کا جو انسانی دل و دماغ میں پیدا ہوئے انسب اور بہترین آلہ بنا رکھا ہے ۔ یہ امر کہ متقدمین نے ہم سے آگے جانے والوں نے متذکرہ بالا سامان ہمارے لیے مہیا کر دیا ہے ۔ اگر ہم نے آئندہ فصلوں میں تمھارے ذہن نشین کر دیا ۔ تو ہماری خوشی کی کوئی حد نہ ہوگی ؎

؎ ؎ ؎

فصل دوم

الفاظ میں نازک خیالی

ا۔ زبان متحجر نازک خیالی ہے

پچھلی فصل میں ہم نے بیان کیا تھا۔ نہیں نہیں ہم ایک ایسی عمدہ بات کے موجد ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے ہم نے ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا تھا۔ کہ زبان نازک خیالی متحجر ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ نازک خیالی کا جادو جو الفاظ میں بھرا پڑا ہے۔ ہم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ اور اگر کبھی کوئی اثر ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ مدت کی واقفیت اور قدر سے کم توجہی نے ہمیں الفاظ کی خوبیاں محسوس کرنے اور ان سے لطف اٹھانے سے محروم کر دیا ہے۔ کبھی کسی نے یہ خوبیاں ہمیں جتلانے کی پروا نہیں کی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ اور اس کے سوا اور ہونا بھی کیا تھا۔ کہ قابل قدر اور بیش بہا جواہر ہماری کم التفاتی اور بے رخی کے پاؤں میں مدتوں سے روندے جا رہے ہیں۔ اور ہمیں خبر تک نہیں۔ الفاظ میں لطافت اور نزاکت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور ہمیں علم نہیں۔ احساس نہیں۔ ان کے دلآویز چہروں میں دلربایانہ چمک دمک ہے۔ اور ہم دیکھتے نہیں

زلیخا کا نام سُن کر ہمارا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہیں ہُوا۔ کہ نام والی کے دیدار سے صبر و تحمل کے پاؤں پھسل جائیں گے۔ اور ہوش و حواس باختہ ہو جائیں گے۔ اور پاس آنے کا تو کیا ذکر۔ تیر بھر کے فاصلے پر سے ہی دل و جگر گھائل ہو جائیں گے ؎

"زلیخ" پاؤں کے پھسل جانے اور تیر بھر کی مسافت کو کہتے ہیں۔ اور اس سے زلیخا کا پیارا نام بنایا گیا ہے ؎

منموہن۔ موہنی اور چونی کی دلربائی اور دلبری اور عورتوں کے حلقہ میں مہر النسا کی نُور افشانی کی طرف ہم نے کبھی رخ بھی نہیں کیا ؎

"غضنفر" اور باقر، اب ہمارے ذہن میں شیر درندہ کا خیال بھی نہیں پیدا کرتے۔ اور ارجمند کی قدر و قیمت پر کبھی ہم نے غور نہیں کیا۔ خورشید عالم کی چمک دمک اور خورشیدہ کی ضیا پاشی سے ہماری آنکھیں نا آشنا ہو رہی ہیں۔ بقول شخصے ہماری روزمرہ کی بول چال میں کئی دلاویز فقرے اور استعارے ملیں گے۔ جن کی خوبی زمانے نے زائل کر دی ہے۔ اور جن کا رنگ ہر وقت کے استعمال سے پھیکا پڑ گیا ہے۔ لیکن سمجھ دار آدمی کے لیے پھر بھی ان کی لطافت و نزاکت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اور نہ ہی اس سے ان عالی دماغ مصنفین کی شان میں کچھ کمی جا سکتی ہے جنھوں نے اوّل ہی اوّل ان چمکنے والے ستاروں سے کلام کو

منور کیا۔ گلعذار۔ گل اندام۔ سیمتن۔ غنچہ دہن۔ مہ لقا۔ اور مہ جبین۔ ماہرو۔ بلاحت اور سنگدل کی طرف توجہ دلانا ہی کافی ہے ؎

اگر ہم پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ تو ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہماری ساری عمر اپنی گفتگو میں بے ساختہ ایسے الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ جو نازک خیالی اور رنگینی میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی نظم کے ہم پلہ ہیں۔ اور طرہ یہ کہ ان کی اس لطافت و خوبی کا ہمارے دل میں کبھی وہم و گمان تک بھی نہیں گذرا۔ حقیقت امر یہ ہے۔ کہ رنگینی اور جذبات۔ زبان میں ہر موقعہ پر گھس آتے ہیں۔ اور کسی چیز کا نام مقرر کرنے کے وقت بھی سب سے آگے ہوتے ہیں۔ اس فصل میں ہم چند مثالیں اپنے اس بیان کی تائید میں دینا مناسب سمجھتے ہیں ؎

۲۔ شاعری کیا ہے

جذبات انسانی کو نازک خیالی کا رنگ دے کر لفظی لباس پہنانے کا نام شاعری ہے۔ اور اس کے لیے مجموعہ الفاظ ضروری نہیں۔ ایک مفرد لفظ بھی ہمارے جذبات کو نازک خیالی کے رنگ میں دکھانے کے لیے کافی ہو سکتا ہے سورج کی کرنیں۔ شبنم کی ایک بوند اور ربانی کے بجر ذخار میں۔ اپنا یکساں عکس ڈال کر۔ دونوں میں کم و بیش اپنی روشنی کا جلوہ دکھا سکتی ہیں۔ ایسے ہی شاعری کی جادو نگار دیوی۔ ایک لفظ یا کسی شاعر

کے بڑے ضخیم دیواروں ہیں۔ جادو کا اثر ڈال سکتی ہے۔ اس سحر سے متاثر ہونے کے لیے زبان میں کوئی چیز بہت چھوٹی یا بہت ہی بڑی نہیں۔ یہ دیوی ہر ایک جگہ اپنا مندر پالیتی ہے۔ اور اگر نہیں پاتی تو بنا لیتی ہے۔ اور جہاں اس کا مقام ہوا۔ اس کی نورانی تجلیات سے اندر باہر جگمگ کرنے لگتا ہے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں۔ ہر جگہ اس کا ظہور ہے۔ خواص کا تو کیا ذکر۔ عوام الناس کی زبان میں بھی اسی کی جلوہ نمایاں ہیں۔ الفاظ جو دن رات استعمال میں آتے ہیں۔ استعاروں سے لبریز ہیں۔ چیزوں کے نام تک بھی جو ہم مقرر کرتے ہیں۔ انہی استعاروں کی رنگینی میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور ان کا یہ رنگ کسی دم بھر کے اُبال کا نتیجہ نہیں ہوا کرتا۔ کہ محض خیالات کی موج سے چند لمحوں کے لیے آیا۔ اور اتر گیا۔ بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے ان کا دامنگیر ہو کر مستعار و مستعار منہ میں ایک دائمی تعلق قائم کر دیتا ہے۔

۳۔ الفاظ پھیکے پڑے ہوئے استعارات ہیں

کسی کا مقولہ ہے۔ کہ زبان پھیکے پڑے۔ مرجھائے ہوئے استعاروں کا مجموعہ ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ لیسا اوقات ان کی چمک دمک میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا۔ کیا جگر گوشہ کی نزاکت اور سحر حلال کی معنی آفرینی پر آپ نے کبھی غور کیا ہے۔ دختِ رز کے کرشمے اور بگلا بھگت کی دمبازیاں کبھی دیکھی ہیں۔ اور اس غور اور دیکھنے کے بعد بھی

آپ کہہ سکتے ہیں۔ کہ زبان میں استعارات پھیکے پڑے ہوئے ہیں۔ اردو میں تو چپہ چپہ پر ایسی مثالیں ملیں گی۔ جہاں لفظ لفظ میں نازک خیالی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ کوئی کتاب لو۔ اور کوئی صفحہ دیکھو۔ کوئی سطر پڑھو۔ کچھ کہو۔ نازک خیالی برابر نظر آئے گی ؛

بارش کے بعد آسمان پر جو دھنک نظر آیا کرتی ہے اس کا نام اور وجہ تسمیہ خالی از لطف نہیں۔ قوس کمان کو کہتے ہیں۔ اور قزح قزحہ سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی زرد۔ سرخ اور سبز ہیں۔ یا قزحہ سے مُراد ارتفاع بھی ہوا کرتی ہے۔ اور اس ظہور آسمانی کو بسبب اس کی قدرتی بلندی کے اس نام سے پکارتے ہیں۔ قوس قزح میں اس سے بھی زیادہ لطف اور ہے۔ قزح موکل ابر کو بھی کہتے ہیں۔ اور اس لیے یہ قوس اُسی کی طرف بھی منسوب ہے۔ اس قوس کی رنگ آمیزی اور معمولی کمانوں سے جن کے دیکھنے یا استعمال کرنے کا انسان عادی تھا کہیں بڑھ کر ہونے کی وجہ سے فارسی والے اس کو قوس شیطان بھی کہنے لگے ہیں۔ اور قوس رستم کے نام سے بھی تعبیر کرتے ہیں ؛

آسمان کا وسیع میدان انسان کی نازک خیالی کا بے روک ٹوک جولانگاہ رہا ہے۔ رات کو راہ سفید جو آسمان پر دکھائی

دیتی ہے۔ کہکشاں کے نام سے موسوم ہے۔ گویا کہ گھاس کو رسّی میں باندھ کر ریگ آلودہ زمین پر کسی نے کھینچا ہے۔ فرقد۔ بچّہ گاؤ کو کہتے ہیں۔ اور فرقدین دو ستارے قطب شمالی کے نزدیک ہیں۔ جو قطب کے گرداگرد پھرتے ہیں۔ زہرہ۔ آسمانی پر لولوئی فلک کے نام سے مشہور ہے۔ اور ہاروت و ماروت کے قصہ میں نازک خیالی اور معنی آفرینی کی ایک دلچسپ داستان کا حامل ہے۔ بروج کے نام سے بھی آپ ناآشنا نہ ہوں گے عقرب میزان تو سُنے ہی ہوں گے۔ دیکھیے انسانی نازک خیالی نے کیا نقشہ کھینچا ہے۔ آفتاب کی تاثیر سے ہماری اراضی اشیاء نباتات وغیرہ رنگ حاصل کرتی ہیں۔ اور اسی لحاظ سے آفتاب ہماری زمین کا "صباغ" یعنی رنگریز کہلاتا ہے۔ چاند کو بھی صباغ کہتے ہیں۔ مگر آسمان کا۔ کیونکہ وہ آسمان پر ہی اپنی رنگ آمیزیاں کرتا ہے نباتات النعش بھی اسی قبیل سے ہے۔ خرمن ماہ کو دیکھنا دل فریبی اور دلربائی کا کیا اکھاڑا لگایا ہے۔ گرہن گرفتاری کا خیال چاند کی مجبوریوں کی کہانی عوام میں رائج کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور گرہن۔ گہنا شاعرانہ نکتہ آفرینیوں کا منبع بن گیا ہے ۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی
کہ دیکھو خوشنما لگتا ہے کیسا چاند بن گہنا

ہم اپنے بیان کی تائید میں دوسری قسم کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ جب ہم کسی انسان کی خرابی کے درپے ہوتے ہیں۔ تو ہم اس کے قلع وقمع کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ تدابیر جو اس کی جڑ اُکھیڑنے اور اسے برباد کرنے کا نتیجہ پیدا کریں۔ ہمیں ان امور کی تلاش ہوتی ہے جن کے وسیلہ سے ہم اس کی ہستی کی بنیاد کو کھود ڈالیں۔ اور اُسے اپنے مسکن و ماوے سے اس طرح نکال کر پھینک دیں۔ جیسے قلعی "قلع" اپنی کان سے نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔ نیز ہم اس بات پر تلے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ جس طرح ہو سکے۔ اس کو ذلیل و خوار کریں۔ اور اس پر جبر و قہر کرنے میں ویسی ہی درشتی سے پیش آئیں۔ اور اس کے پرخچے اڑا ئیں۔ جیسے پشم و پنبہ کو عمود سے ہم کوٹتے ہیں اور کوٹ کوٹ کر اس کا "قلع وقمع" کر دیتے ہیں ؛؛

درخت خرما سے چھال کا ریشہ دُور کرنے کو تہذیب کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد صاف اور ستھرا کرنے کی ہوتی ہے۔ آدمی کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے سے اس کی تہذیب نفس ہو گی۔ اور جب کوئی قوم اپنی اخلاقی اور ذہنی حالت کو افراد کی تعلیم و تربیت کے ذریعے سقم ابدی سے پاک کر دیوے تو وہ مہذب کہلانے کا پورا استحقاق رکھتی ہے۔ اور ہر ایک فرد بشر اسے اس نام سے پکارتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو؛

ہری چگ بیوفا ہرجائی کو کہتے ہیں۔ گویا وہ ایک جانور ہے
کہ جہاں ہری گھاس پاتا ہے۔ چرتا ہے۔ جب وہ نہ رہے تو جہاں
اور ہری گھاس دیکھتا ہے وہاں جا موجود ہوتا ہے۔ استاد ذوق
فرماتے ہیں ؎

آج یہاں کل وہاں گذرے یونہی چگ ہمیں
کہتے ہیں سب سبزہ رنگ اس سے ہری چگ ہمیں

۴۔ اخلاقی ترقی کی برکتیں | اُم الخبائث۔ کل خباثتوں کی ماں۔ کس قدر حقائق۔ کس ادا سے ہم پرورش کرتی ہے۔
شراب پینی شروع کی۔ اور سب بدیوں کی جڑ لگا دی۔ پھر کونسا
گناہ ہے۔ جو آدمی نہ کرے گا۔ کونسا عیب ہے جس سے محفوظ
رہے گا۔ کونسا جرم ہے۔ جس کا مرتکب نہ ہوگا۔ عقل گم، حواس باختہ،
دین و دُنیا فراموش۔ نہ خدا کا ڈر نہ رسول کا خوف۔ شرابی ننگ و
ناموس کو بالائے طاق رکھ کر سر بازار خوار اور نالیوں میں نزار پڑا
نظر آتا ہے۔ اور نہیں سمجھتا کہ کس نا کارہ کو اس نے منہ لگایا۔
اشاعت اسلام سے پہلے اس لفظ کا نام تک نہ تھا۔ اور
بالخصوص اس کی ترویج اور اس کے مفہوم کی اشاعت اسلامیوں
کی خدا پرست سعی کی مشکور ہے۔ تہذیب الاخلاق کا یہ
مؤثر پیرایہ۔ بے شمار الفاظ ہیں جو اسلام اور اسلامیوں
نے رائج کیے ہیں۔ نظر آئے گا۔ ایسے الفاظ بھی ملیں گے۔

بلکہ کثیر التعداد ایسے ہوں گے۔ جو اسلام سے پہلے رائج تو تھے۔ لیکن جونہی وہ اس کی نئی روحانی زندگی۔ نئے خیالات۔ نئے جذبات کے حامل بنے۔ ان میں فراخ حوصلگی۔ پاکیزگی اور شرافت آگئی۔ ایسے الفاظ اور اس مضمون پر اس کتاب میں ہمیں کئی دفعہ بحث کرنے کا موقع ملے گا۔ ان بحثوں سے ہمارے علمی ذخیرہ میں قابل قدر اضافہ ہوگا۔ اور اس کے فوائد کثیر ہوں گے۔ یہاں تک کہ اگر اسی مضمون پر ایک علیحدہ کتاب بھی لکھی جائے تو بھی ان کا احاطہ تحریر میں لانا سہل نہیں ؛

۵۔ معانی الفاظ ذہن نشین کرنے کے لیے ماخذ کا تصور

ایک انگریز شاعر کا قول ہے کہ کسی لفظ کے معنی بخوبی سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ماخذ کے موضوع کی تصویر آنکھوں کے سامنے لا کر اس کو ذہن نشین کر لیں۔ کیسی اچھی صلاح ہے۔ اگر ہم اس پر عمل کرنے کی عادت ڈال لیں۔ تو ہماری گفتگو میں اعلیٰ درجے کی جدت اور بلاغت آجائے گی۔ ہم اپنا منشا پورے طور پر اور بڑے زور سے ادا کر سکیں گے۔ اور دوسروں کا مدعا ان کے حسب دلخواہ پا لیا کریں گے۔ کئی باتیں جو اب وضاحت کی طلب گار ہوتی ہیں۔ صاف صاف نظر آئیں گی۔ اور ابہام و ابہام کلام دور ہو جائے گا۔ اور اس ایک قاعدہ کے برتنے سے ہی بے شمار فوائد مرتب ہوں گے ؛

انبساط۔ کھل جانا۔ اور پھیل جانا۔ خوشی وخرمی کی کیفیت اس سے بہتر پیرائے میں بیان کرنی مشکل ہے۔ تلاطم اور امواج کے سمجھنے کے لیے تلاطم کا ماخذ دیکھو۔ لطم۔ طمانچہ ہے۔ اور موجوں کے ایک دوسرے کو۔ اور اگر کوئی غیر بھی ان کے ہتے چڑھ جائے تو اس کو بھی۔ تھپیڑے مارنے کا نقشہ تلاطم امواج کو تمھارے ذہن نشین کر دے گا۔

طیار۔ لغت میں اڑنے والے کو کہتے ہیں۔ اور اس کی تحقیق میں لکھا ہے۔ کہ "ایں لفظ دراصل اصطلاح قوشچیاں یعنے میر شکاران است۔ کہ گوجہ جانور شکاری از گریز برآمدہ مستعد و آمادہ پرواز و شکار اندازی مے شود۔ گویند کہ ایں جانور طیار شد" ان معنوں میں مشہور ہو کر مجازاً ہر ایک مہیا چیز کو اور مستعد شخص کو طیار کہنے لگے۔ تائے فوقانی سے تیار بھی یہی معنے دیتا ہے۔ اور اس کے لغوی معنی بھی کم دلچسپ نہیں۔ تیار۔ موج دریا اور کسی چیز "نیک روان و جہندہ" کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور مجازاً طیار اور تیار کے ایک ہی معنے ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے ناظرین بخوبی سمجھنے لگے ہوں گے۔ کہ کسی لفظ کے لغوی اور اصلی موضوع کی ذہنی تصور پر قائم کرنے سے اس کے مجازی اور اصطلاحی معنے ہم پر کیسے واضح ہو جاتے ہیں۔ اور کس خوش اسلوبی سے ان کا ٹھیک ٹھیک مفہوم ہمارے ذہن نشین ہو جاتا ہے

دیوانہ بھی قابل تحقیقات ہے۔ اِنہ اُردو میں تمثیل کا فائدہ دیتا ہے۔ اور دیوانے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اقوال و افعال میں دیووں کے سے کام کرتے ہیں۔ ان کی باتوں میں۔ ان کے کاموں میں۔ عقل و تمیز انسانی نابود۔ اور ان میں شرارت اور ضرر رسانی۔ دیووں کے طبعی خواص بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ ان کی عادات فطرت انسانی کے برخلاف۔ اور ان کا طریق عمل ہماری سمجھ سے باہر۔ اور یہی نشانیاں ہیں۔ اس شرارت پسند مخلوق کی جو تمیز انسانی سے محروم اور وحشیانہ باتوں کے لیے مشہور و معروف ہے۔ اور ہم میں سے فاتر العقل لوگ بوجہ مشابہت کامل دیوانے کہلانے لگتے ہیں ؀

سہل ایک پیش پا اُفتادہ لفظ۔ سہل عربی میں چٹیل میدان کو کہا جاتا ہے۔ میدان جس میں چلنا پھرنا۔ دوڑنا۔ کُودنا۔ آسان ہو کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔ اور کوئی کام تمھارے لیے اسی وقت سہل ہو سکتا ہے۔ جب اس کے طے کرنے میں کوئی چیز حارج نہ ہو۔ اور اس میں سعی بلا روک ٹوک ہو سکے ؀

اعیان و ارکان بھی آپ نے کئی دفعہ سنے ہوں گے۔ اور منہ سے نکالے ہوں گے۔ لیکن دیکھو تو حقیقت میں کسی کے اعیان و ارکان اس کی آنکھیں اور دست و پا ہوتے ہیں۔ اس کے دیدبان اور اس کے پشتیبان۔ اس کے رہنما اور اس کا سہارا۔ اعیان عین

(آنکھ) کی جمع ہے ۔ اور ارکان ۔ رکن (ستون ۔ پایہ) کی جمع ہے ۔

اب تو ہمیں کوئی شک نہیں رہا ہوگا۔ کہ لفظوں پر اس طرح غور کرنے سے کس قدر فوائد مرتب ہوتے ہیں ۔ غور اور اس کے مترادفات خوض اور تعمق پر ہی نظر ڈالو۔ غور کسی چیز کی تہ تک داخل ہونا۔ خوض اس میں غوطہ لگانا۔ اور تعمق تو مراحتاً پتال کی خبر لا رہا ہے ۔ اسی ضمن میں ہم ایک اور مثال دیں گے اور بس ۔ نرغہ میں آجانا یا پھنس جانا کئی دفعہ تم نے سنا ہوگا۔ آؤ ہم بتائیں کیا ہوتا ہے ۔ شکار کو قابو میں لانے کے لیے شکاری ایک حلقہ بنا لیتے ہیں ۔ اور اسے نرغہ یا نرگہ کہتے ہیں۔ اور جب کوئی انسان چاروں طرف سے مصائب و آلام سے گھر جائے اور اُسے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو وہ اپنے آپ کو نرغہ میں دیکھتا ہے ۔ اور یہی بیان بھی کرتا ہے ۔

کیا یہ الفاظ جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ۔ اس منظر میں جو ان کے لیے تجویز کیا گیا ہے ۔ زیادہ دلفریب اور پُرمضمون دکھائی نہیں دے رہے ۔ کیا اس طریق سے ہمیں ان کے معنوں میں زیادہ صحت اور لطافت کا مزہ نہیں آ رہا۔ بلاشبہ اس طرح ان کے مفہوم کی تصویر ذہنی زیادہ روشن اور زیادہ پائدار ہوگئی ہے اور یہ فائدہ عظیم ہے ۔ اس میں شک نہیں ۔ کہ تحقیقات لفظی اور معنوی سے بعض اوقات یہ پتا چلتا ہے ۔ کہ جب کبھی الفاظ تصورات کے محض

اصطلاحی اور عرفی حامل رہ جاتے ہیں۔ اور ان میں اصلیت کی یاد اور ماخذ کا رنگ محو اور ناپید ہو جاتا ہے تو وہ مقاصد اور مطالب مقررہ کی ادائگی میں زیادہ مستعد ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مستثنیات ہیں۔ مثال کے طور پر افراتفری قابل توجہ ہے۔ افراتفری۔ افراط و تفریط بیشی و کمی ہے۔ لیکن افراتفری کی صورت میں ہلچل کے سیلیے صراحتاً زیادہ مستعد ہے۔

۶۔ مقامات کے ناموں میں رنگینی — نظم کی رنگینی اور نازک خیالی جو مقامات کے ناموں میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ مدتوں زبان زد ہونے کی وجہ سے پھیکی پھیکی ہو رہی ہے۔ پھر بھی اس قابل ہے کہ از سرنو اس کا لطف اٹھایا جائے۔ اور اس کی بھینی بھینی مہک سے دماغ کو معطر کیا جائے۔ مقامات کے ناموں کے بارے میں ہم بہت ہی جلد فراموش کر دیتے ہیں۔ کہ ان میں کبھی ایک خاص مناسبت تھی اور اسی مناسبت کے سبب یہ نام چنے گئے تھے۔

سودان۔ سودان کے کالے کالے باشندوں کی طفیل ملک بھی اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ اور اگر کسی زمانے میں یورپ کی شائستہ قوموں نے سودان کے کالے وحشیوں کو نیست و نابود کر کے اپنا تسلط جما لیا۔ تو اس وقت اس لفظ کے معنی ایک ایسی حالت یاد دلانے والے بدل گئے۔ جو آئندہ نسلوں کو حیرانی کے سراب میں پریشان کرے گی۔

کربلا کا میدان اس مصیبت واندوہ کی یادگار ہے۔ جس نے سیّد الشہدا امام حسینؓ کو تشنہ کامیوں سے بےچین اور بےسروسامان کردیا تھا۔ اللہ جلشانہ کو منظور تھا۔ کہ اپنے پیارے نبیؐ کے لختِ جگر کو بلایا آزمائش میں ڈالیں۔ اور ڈالا گیا۔ بلا بھی ایسی جانکاہ کہ اس کے بیان سے آج تیرہ سو برس کے بعد بھی ہمارا دل پگھل جاتا ہے۔ ہم خود سوچ سکتے ہیں۔ کہ اس مصیبت کا اندازہ کس قدر جان کھپانے والا ہوگا۔ کرب یعنی گلا گھونٹنے والا۔ اور بے آرام کردینے والا اندوہ اس کے لیے کوئی مبالغہ کا کلمہ نہیں۔ اور اس میدان کو جس میں سیّد الشہداؓ کی یہ آزمائش کی گئی تھی۔ میدان کرب و بلا یا کربلا کے نام سے یاد کرنا غیر موزوں نہیں۔

آبنائے باب المندب۔ آنسوؤں کا دروازہ۔ ان مصائب کی طرف اشارہ کررہا ہے۔ جو جہاز پر سفر کرنے والوں کو یہاں سے گذرنے میں ہوا کرتی تھیں۔ یہاں کے پتھروں سے جہازوں کا ٹکرا کر پاش پاش ہوجانا۔ مسافروں کا نالہ و زاری کرنا۔ اور فنا ہو جانا۔ آبنائے مذکور کے اس نام سے بے کم و کاست ظاہر ہو رہے ہیں۔

ہمالا۔ برف کا گھر ہے۔ چمن اور گلستان بلوچستان کی سرحد میں مشہور ہیں۔

اندر پرست۔ دہلی کا پرانا نام اپنی رنگینی کا تا حال شاہد ہے اور اندر گڈھ اب بھی ہندوستان میں مسندگاہ ریاست ہونے پر

فخر کرتا ہے ؂

کسی مقام کا خاص نام پڑ جانے کے مختلف وجوہات ہوتی ہیں کئی دفعہ یہ بھی اتفاق ہوتا ہے۔ کہ زمانہ موجودہ یا گذشتہ میں لوگ اس مقام کو کسی شاعرانہ مذاق سے جو دیکھنے لگتے ہیں۔ اسی مذاق کے مناسب اس کو نامزد کر دیتے ہیں۔ بسا اوقات کسی ملک کے اوّل ہی اوّل دریافت ہونے پر اس کے دریافت کرنے والوں کے دل پر اس کی کوئی خوبی جو اس موقعہ پر ان کی آنکھوں میں سما جائے قابو پالیتی ہے۔ اور نام کے لباس میں لوگوں کے ذہن میں حیات ابدی حاصل کر لیتی ہے ؂

الخضرا کی سرسبزی کا نقش اوّلیں۔ اب چاہے۔ اس کی زراعت اور خودرو بوٹیاں ویسی نہ لہراتی ہوں جیسے عربوں نے اوّل ہی اوّل انھیں دیکھا۔ اس نام میں ہمیشہ کے لیے قائم ہو گیا ہے ؂

۷۔ پھولوں اور، پھولوں کے نام بھی کیا رنگین ہوتے ہیں اور بوٹیوں کے نام، ہونے بھی چاہیئں۔ صد برگ۔ خیرو۔ سپرغم تاج خروس۔ بستان افروز۔ کیسے دل لبھانے والے ہیں۔ نام لیتے ہی طبیعت شگفتہ ہو جاتی ہے۔ سپرغم کا دوسرا نام تازہ بو تازہ انداز میں کم دلفریب نہیں ہے شہلا جو نرگس کی ایک قسم ہے ایک ایسی آنکھ سے مشابہت رکھتی ہوتی ہے۔ جو مائل بہ سرخی ہو اور غنچہ اصل میں گنجہ تھا اپنے خزانہ زر اور ساز و سامان برگ کو سمیٹے

رکھنے کی وجہ سے یوں موسوم ہوگیا۔ سبزہ بیگانہ کی کس مپرسی بھی غضب ڈھا رہی ہے۔ اور چمن میں اس کی بیگانگی لطف دے گئی ہے ۔

بُوٹیوں کا بھی یہی حال ہے۔ چھوئی موئی کی نزاکت کبھی ملاحظہ کی ہے۔ کسی سیمبر کا بدن تو ہاتھ لگنے سے میلا ہو جاتا ہو گا۔ مگر چھوئی موئی کی نازک طبعی اور نفاست مطلقاً اتنا بھی گوارا نہیں کرتی کہ اُسے آپ چھُو بھی جائیں۔ چھوا تو موئی۔ بدن خشک۔ پژمردگی طاری اور بس ۔

چھوئی موئی کی تو یہ حالت ہے۔ دوسری طرف اس کے پاس پاس ناگ پھن دیکھنا۔ مگر دُور سے ہی۔ اسے کہیں چھُو نہ بیٹھنا۔ اگر اُسے ہاتھ بھی لگایا۔ تو اس کے بدن کا زہر اپنا فوری اثر دکھا دے گا۔ اور پھر آپ کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہے گی اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے ۔

سکہ ورشن کا نام بھی سنا ہو گا اور سنتے ہی کان کی تکلیف تو یقیناً جاتی رہے گی ۔

اسی سلسلے میں عصا فیر اور خون سیاؤشاں بھی بیان کیے جا سکتے ہیں۔ ان کے تو ناموں سے ہی نزاکت ٹپک رہی ہے ۔

۸۔ پرند و چرند کے نام | پرند و چرند کے اور مچھلیوں کے نام بھی نہیں نہیں حیوانات کے نام بالعموم۔ دلفریب ہوتے ہیں۔ یہ نام

موسوم کے سب سے مشہور خواص یا اس کی زیادہ اثر پیدا کرنے والی صفت پوری پوری ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔ شتر مرغ کی اصلیت اور اس کے بعض اعضا کی بناوٹ نام ہی سے معلوم ہو رہی ہے۔ نام ہمیں صاف بتا رہا ہے۔ کہ جانور جس کا ہم ذکر کرتے ہیں۔ دراصل مرغ کی قسم کا ہے۔ لیکن اس کے بعض اعضاء مثلاً گردن اور ٹانگیں قدرت نے اس طرح بنائی ہیں۔ کہ مخلوقات میں ان کی مثال سوائے شتر کے اور کہیں نہیں پائی جاتی ؀

آفتاب پرست۔ جس کو عربی میں حربا اور اردو میں گرگٹ کہتے ہیں ہر وقت رُو بآفتاب رہنے اور اس کی شعاعوں میں رنگ بدلنے کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہے۔ بُلبُل کی نواسنجی اور دلکش سُریلی آواز کا ادنےٰ شکریہ جو انسان ادا کر سکتا ہے۔ اس کو ہزار داستان تسلیم کرنے میں کیا گیا ہے ؀

شاہین۔ جانور کا سزاوار شاہاں ہونا بتلا رہا ہے۔ اور شہباز بازوں میں ممتاز اور ان کا شاہ معلوم ہوتا ہے۔ شبدیز رات کی طرح سیاہ گھوڑا۔ اور بادپا گھوڑا جس کے پاؤں میں ہوا کی تیز رفتاری بھی پائی جاتی ہو۔ نازک خیالی کی دلچسپ مثال ہیں ؀

ڈومنی ایک مشہور شور مچانے والی میٹیالے رنگ کی چڑیا اپنے بانکے نام سے سحر آفرینی کر رہی ہے۔ اور سدا سہاگن (ایک قسم کی چڑیا) کا دلکش پژمردہ طبیعتوں کو بھی باغ باغ کر دیتا ہے۔

مرغ زرّیں۔ سبزک۔ سُرخاب اور گلدُم۔ کیسے دل لبھانے والے نام ہیں۔ اور ان کی چمک دمک کیسی طرب انگیز سیمرغ جو قاف میں اپنا الگ تھلگ گزارہ کرتا بیان کیا جاتا ہے۔ اور غالباً کبھی حضرت انسان نے اس کی شکل تک بھی نہیں دیکھی۔ ہر ایک قسم کے پرندکے گوناگوں پروں کا مجموعہ رکھنے کے خیال سے نامزد ہو گیا ہے۔ بُوزنہ کی وجہ تسمیہ خالی از لطف نہیں۔ اس کی اصل ابوزنہ ہے۔ اور زنہ کے لغوی معنی تہمت کے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اس کی شرارت پسند طبیعت تہمت کے اسباب پیدا کرنے میں اس قدر مشتاق ہے کہ الاماں۔ یہاں سے چیز اُٹھائی اور وہاں رکھ دی۔ کسی چیز کو بگاڑا۔ اور کسی کو توڑا۔ یہ اس کے ادنےٰ تماشے ہیں۔ اور جو لوگ اس کے کرتبوں سے واقف نہیں وہ اس کی کارروائیوں کو اپنے بھائی انسان کی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ اور اسی کے ذمّہ اس کی تہمتیں لگاتے ہیں۔ علاوہ ازیں خود اس کے اپنے کام شروع سے لے کر آخیر تک ایسے ہوتے ہیں جو تہمتوں کے باوا ہیں۔ ہر ایک شوخی ہر ایک شرارت۔ جن سے ہم ایک دوسرے کو الزام دے سکتے ہیں۔ اس کی طبع زاد ہے۔ اور یہ ان کی ایجاد میں اُستاد کامل ⁂

پروانہ کی عاشق مزاجی اور شمع پر جاں نثاری اس کے نام سے نمایاں ہے۔ پر لغت میں ستارہ ہے اور پر دیں اسی سے ہے اور مجازاً نورِ چراغ و شمع کو کہتے ہیں اور انہ کلمہ نسبت ہے ⁂

چڑیا عربی لباس میں خوب پھرتیلی اور خوشنما معلوم ہوتی ہے ؛ وہاں اسے عصفور کہتے ہیں ۔ اور یہ اس لیے کہ عصے وفر ۔ انسان کو دیکھا اکڑی ۔ اور یہ جا وہ جا ؛

طاؤس کی خوبصورتی تو اس کا نام ہی بہانگ دہل بیان کر رہا ہے ۔ اور تلیر کے تل اسے اور اس کے نام کو مزین کیے ہوئے ہیں ۔ لیکن اس سے بڑھ کر نیل کنٹھ کا نیلگوں کنٹھا اس کی رونق کو دوبالا کر کے ۔ دیکھو اسے نیک شگونی کی مسند پر جلوہ گر کر رہا ہے کٹھ پھوڑے کی محنت اور ہمت ملاحظہ ہو ؛

۹ ۔ کھٹمل ایک اور مثال | ذرا کھٹمل کی طرف بھی توجہ کرنا ۔ اس کی جرأت دلآزاری ۔ دوسروں کا لہو پینے میں اس کی شوخی حیرتناک ہے ۔ جوان ۔ بوڑھے ۔ مرد و زن ۔ بچے ۔ نازک بدن ۔ اور نازک دماغ ۔ بیمار و تندرست ۔ سب کے سب اس کی خون آشامیوں کے شکار ہوتے ہیں ۔ لیکن اس کا قابو آنا سہل نہیں ۔ بدن انسان اور یہ ۔ خدا کی پناہ یہ کھاٹ یا کھٹ کا مل یعنی پہلوان ہے ۔ اور اس میدان میں اپنی شہ زوریوں سے ہمارے اور تمہارے خون کا پیاسا ہے ۔ اور دشمن ہے ؛

۱۰ ۔ روایات فسانے ناموں میں | الفاظ میں دلچسپ روایات اور فسانوں کا ذخیرہ ہے ۔ اور اگر ہم ذرا بھی تفحص کریں گے ۔ تو ہمیں دستیاب ہو جائے گا ۔ آتش زن تم نے سنا ہو گا ۔ کہتے ہیں جب اس کی

موت کا وقت قریب آتا ہے۔ تو لکڑیوں میں بیٹھ کر دیپک راگ گانا شروع کر دیتا ہے اور اپنی آواز سے مست ہو کر پر و بال مارتا ہے۔ یہاں تک کہ آگ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اسے جلا کر راکھ سیاہ کر دیتی ہے۔ بعد میں بارش جو ہوتی ہے۔ تو اس راکھ میں سے ایک انڈا نکل آتا ہے۔ اور اس میں سے پھر ایک آتش زن ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس کو ققنس بھی کہتے ہیں۔ آتش زن کی نسبت روایت سے فائدہ اٹھا کر مولانا نظامی نے کیا ہی پُر مضمون شعر لکھا ہے ؎

شمیرم نہ زن بلکہ آتش زن است — کہ مریم صفت بکر د آبستن است

موسیقار کا نام بھی کم دلچسپ نہیں۔ موسیقی۔ آر رگانے والا اس کی اصل ہے۔

شہاب ثاقب۔ آپ نے سنا ہوگا۔ کہ شیطان آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور فرشتے آتشیں گرزوں سے اسے مارتے ہیں۔ اور آسمان تک اسے پہنچنے نہیں دیتے۔

ان تمام مثالوں میں نام کی نازک خیالی قائم ہے۔ خواہ نام سے روایات میں آئی خواہ روایات سے نام میں۔ ہمارے بعض جواہرات کے نام بھی خیال آفرینی کے مرہون ہیں۔ کوہ نور۔ کوہ طور۔ آپ نے سنے ہی ہوں گے۔ دُرِّ یتیم میں نازک خیالی کی جلوہ نمائی قابل دید ہے۔ جواہرات تو کہیں رہے پتھر بھی اس مرہونیت سے نہیں بچے دیکھو سنگ موسےٰ اور سنگ یہود کیا بتاتے ہیں۔

آتشبازی کا تماشا تو دیکھتے ہی ہو گئے۔ مہتابی۔ انار۔ پھلجھڑی
سادن۔ بھادوں۔ اور گل دوپہر کی رنگ آمیزیاں کس دلربایانہ
ادا سے ہمیں مفتون کرتی ہیں۔ اور آتشبازی کا محض تو ازبس نازک
خیالی۔ اور قومی منافرت کی عدیم المثال جدت آفرینی ہے ؛

۱۱۔ صورت بدل کر بھی قیام نازک خیالی پر الفاظ کا اصرار

بعض الفاظ۔ نہیں نہیں کثیر التعداد الفاظ اس بات پر مصر نظر آتے ہیں کہ ان کی
لطافت اور نازک خیالی باقی نہ رہے۔ اور کسی طرح ایک صورت میں
زائل بھی ہو جائے۔ تو دوسری صورت میں بالضرور پیدا ہو جائے۔ پس
اگر کبھی یہ احتمال یا اندیشہ ہو۔ کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں
منتقل ہو کر انہیں مثل سابق انسان کی قوت متخیلہ کی گرویدگی کی قابلیت
نہ رہے گی۔ تو وہ اپنے لیے ایک نئی زندگی کا ساز و سامان مہیا کر
لیتے ہیں جن سے ان کے اندر ایک نئی روح پھونکی جاتی ہے ؛

۱۲۔ مثال

شمس العلماء مولانا مولوی محمد حسین آزاد کی آب حیات
میں وہ مثالیں دی ہیں جو ان کے اپنے ہی الفاظ میں یہاں نقل کی
جاتی ہیں ؛

بولی بھٹیاری کوئی بوعلی بختیاری کا مخفف لکھتا ہے۔ کوئی
کہتا ہے بھولی بھٹی کا۔ نیچے منڈل۔ بدیع منزل کا مخفف
و مبدل ہے۔ دلی کے باہر شاہانِ قدیم کی تعمیرات سے ایک
مشہور عمارت ہے ؛

۱۳۔ علمی الفاظ میں نازک خیالی

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ نازک خیالی اور استعارہ ہر قسم کے الفاظ میں پائے جاتے ہیں۔ اور یہ حرف بحرف درست ہے۔ انسان کا لباس ہی لو۔ شبنم۔ تن زیب۔ اور نین سکھ کا بانکپن ہمیں گرویدہ کیسے دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ علوم جن میں استعارہ کی گنجائش ظاہرا نہیں آتی۔ استعارہ کے اثر سے نہیں بچے۔ استعارات اصطلاحات کی خشک ہڈیوں میں جو ان سے کوسوں دور معلوم دے رہی ہیں۔ اور ان کی ضد ہیں۔ ایک قسم کی روح پھونک دیتے ہیں۔

مصراع دروازے کے ایک تختے کو کہتے ہیں۔ ردیف۔ گھوڑے سوار کے پیچھے بیٹھنے والے کا نام ہے۔ ایسے ہی قافیہ کے معنے پیچھے پیچھے چلنے والے کے ہیں۔

نثر میں انشاء پیدا کرنے سے نامزد ہے۔ اور جب عبارت میں پانی کی سی روانی ہو۔ اسے تسلسل عبارت کہتے ہیں۔ فقرہ پشت کی ہڈی کو۔ اور تصنیف نوع نوع کر لینے اور جمع کرنے کو کہتے ہیں۔

۱۴۔ قانونی اصطلاحیں

قانون میں بھی ہم کثرت سے اس قسم کی مثالیں پائیں گے۔ جب کسی چیز کو زوائد سے پاک صاف کرتے ہیں۔ تو اس کی تنقیح ہوتی ہے۔ ایسے ہی جب کسی مقدمہ کے کرنے میں غیر متعلق باتیں یا ایسی باتیں جن پر کوئی تنازعہ نہیں ہوتا

الگ کر دی جاتی ہیں۔ اور امور تصفیہ طلب الگ تو اس عمل کو تنقیح
کہتے ہیں۔ اور اسی سے ان امور تصفیہ کا نام تنقیح ہوگیا۔ گواہان
پر فریق مخالف کے سوالات لفظ جرح سے تعبیر کیے جاتے
ہیں۔ جرح کے معنی زخمی کرنے کے ہیں۔ اور سوالات جرح
کا منشا یہی ہوتا ہے۔ کہ گواہ کی شہادت کمزور اور نکمی کر
دی جائے۔

فوجداری مقدمات کی جو قابل دست اندازی پولیس ہوں۔ پیشتر
اس کے کہ وہ عدالت میں جائیں پولیس تفتیش کرتی ہے۔ اور تفتیش
لغت میں دیدن اور کندن سے مراد ہے۔

مواخذہ اور کفالت بھی اپنی گرفت اور ذمہ داری میں دلچسپی
کا نقشہ دکھا رہے ہیں۔ عقد بھی ایسا ہی دلچسپ لفظ
ہے۔

ریاضیات میں عدد اصم کی گرانی گوشش کیسے معلوم
نہیں۔

۱۵۔ فن تعمیر کی اصطلاحات | دیگر شعبوں میں بھی نازک خیالی کی توقع رکھنی
بے بنیاد نہیں۔ مثلاً یہ کوئی حیرت کی بات نہ ہوگی
کہ ہم فن تعمیر میں بھی اس کے کرشمے جا بجا دیکھیں۔ تعمیرات منجمد
موسیقی کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس میں نازک خیالی نے
جسمی صورت اختیار کی ہوئی ہے۔ یہاں اس کی زبان ہی الگ ہوتی

ہے ۔ خشک نہیں ۔ درشت نہیں ۔ نہ ہی قوت مدرکہ کی زبان، بلکہ ایسی زبان جس کے بنانے میں صراحتاً قوت متخیلہ نے محنت اُٹھائی ہے ؎

مثالیں ۔ محراب ۔ آلہ حرب ۔ شیطان یا اپنے نفس سے لڑائی اور اس کے مخالفت کرنے سے یہ نام پایا ہے ۔ زرہ بان نام سے انسانی زرد کی حفاظت کی کفیل ہو رہی ہے ۔ زینہ ۔ زین سے منسوب ہے اور کیسا اچھا خیال ہے ؎

۱۶ ۔ شہر خموشاں | شہر خموشاں کی خیال آفرینی دیکھو ۔ عبرت اور عقیدت نے رفتگان کے مٹی کے ڈھیروں کو شہر سے تعبیر کیا ہے اور یقیناً اس سے شہر کا جمگھٹا ۔ کثرت کا گھمسان ۔ یاد دلانا مقصود ہے ۔ صرف یہی نہیں ۔ بلکہ ہمیں یہ بھی بتلایا جا رہا ہے کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی بھی ہے اور مر جانا صرف ایک قسم کی حیات سے دوسری قسم کی حیات میں انتقال کرنا ہے ۔ ایک آبادی سے دوسری آبادی میں جاتا ہے ۔ ہاں ان دونوں شہروں میں ان دونوں آبادیوں میں ایک فرق ہے ۔ اور وہ یہ کہ اس دوسرے شہر میں کوئی بولتا نہیں ۔ اور اس لیے انتقال کے راز کے افشار کی امید نہیں کی جا سکتی ؎

۱۷ ۔ نازک خیالی میں درد | اخیر میں ہمیں نازک خیالی کے اس درد کا ذکر کرنا ہے ۔ جو بسا اوقات بعض معنوں کے تغیرات میں پایا جاتا ہے ۔ غریب اردو میں نادار ہے ۔ لیکن عربی میں اول ہی

اوّل یہ عجیب اور نادر کا ہم ردیف تھا۔ فارسی والوں میں جب آیا۔ تو انھوں نے اسے اجنبی سمجھا۔ اور مسافر کی طرح اس سے سلوک کیا اس اجنبیت۔ اور مسافری کی تکالیف اور مصائب نے اس کی رہی سہی حیثیت بھی گنوادی اور اب ہندوستان میں آکر اور رہ کر ناداری میں مبتلا ہو گیا۔

۱۸۔ زبان میں دلچسپی کے سامان

اس سے پہلے جو کچھ ہم تحریر کر چکے ہیں۔ یقیناً اس امر کی کافی شہادت خیال کی جائے گی۔ کہ انسان فطرتاً شاعر یا نازک خیالی کا موجد ہے اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ہر ایک آدمی ہر وقت خود موجد نہیں ہوتا۔ تو اس میں تو کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ دوسروں کی ایجاد سے ہم فرداً فرداً پورا حظ اُٹھاتے ہیں۔ ان کو اپنی مقبوضات اور مملوکات کی طرح اپنے پورے تصرف میں لاتے ہیں۔ اور ان سے ہر طرح کا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور ہر قسم کا لطف حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہماری زندگی کا مدار صرف روٹی پر ہی نہیں۔ اور نہ ہی زبان ہمیں صرف اسی لیے دی گئی ہے کہ اپنے بنی نوع انسان سے معاملات بیع و شرع کریں۔ اپنا مطلب نکالیں یا اپنی حیوانی طبیعت کی سفلی ضروریات کے وسائل بہم پہنچائیں بلکہ قادر مطلق نے زبان تو ہمیں ایک ایسی چیز عنایت کی ہے کہ اس کی طفیل ہمیں اپنی ملکوتی صفات سے ہر وقت واسطہ اور تعلق رہتا ہے اور اسی کی مدد سے ہم ان کے قیام و تکمیل کو جاری رکھ سکتے ہیں

اسی زبان ہی کی برکت ہے۔ کہ دلکش تصاویر کے ذوق اور عالی خیالی کے ولولوں سے ہم وقتاً فوقتاً محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کہیں بھی کتنا ہی سر کیوں نہ ماریں۔ صرف غرض۔ مدعا اور فائدہ کے پابند دخواہاں نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص جوش دیوانگی میں کبھی یہ ضد کر بیٹھے۔ کہ وہ زبان کو استعارہ اور نازک خیالی سے جو اس کے جزو لاینفک ہو گئے ہیں۔ معرّا کر دے گا۔ تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اُس کے دائرہ امکان سے باہر ہے۔ کہ وہ اس سے شگوفہ۔ پھول اور پھل تو جھاڑ ڈالے۔ اور ننگے۔ بے برگ و بر۔ تنہ کی سی اس کی صورت بنا دے۔ لحظہ بھر کے لیے تو شاید وہ گمان بھی کر بیٹھے کہ اُسے اس کام میں کامیابی ہو گئی ہے۔ لیکن علم زبان کی کچھ ہی زیادہ واقفیت بڑھانے۔ اور روزمرّہ کے استعمال میں آنے والے الفاظ کو تھوڑا سا بنظر غور دیکھنے سے اسے یک لخت معلوم ہو جائے گا کہ اس کی کوشش کامیابی سے اتنی دُور ہے۔ جیسی کہ ہونے کی شرط ہے ؛

بہر حال ہمیں تو کبھی ایسا خیال تک بھی دل میں نہیں لانا چاہیے پہلے ہی ہماری زندگی میں ایسے کون سے نازک خیالی اور جولانی طبیعت کے وسیع سر سبز میدان ہیں۔ جو ہم موجودہ مقبوضات سے بھی دست بردار ہونے کی زحمت اُٹھا دیں ؛

پوچ اور پھیکاپن کے بنجر اور ناہموار اقطاع تو ہماری ضرورتوں

سے پڑھ کر ہیں۔ اور انھیں وسعت دینے سے فائدہ معلوم۔ فایدہ
تو خیر ہوتا ہی ہو گا۔ نقصان میں تو شک نہیں۔ اور نقصان بھی وہ
کہ جس کا کوئی حساب نہیں۔ بند پانی واقعی بدبودار ہو جاتا ہے لیکن
جو پانی ہوا کے جھونکوں میں لہریں لے رہا ہو۔ بدبو اس کے نزدیک
نہیں پہنچ سکتی۔ اور الفاظ جو ہمارے جذبات کا لباس ہیں۔ قدما نے
انھیں ہُوا سے روح کا لقب دیا ہوا ہے۔ ہُوا جو رُوح کو ہمیشہ
صحت بخش حرکت میں رکھتی ہے۔ اسے اوپر کو لے جاتی ہے اور
آگے کو بڑھاتی ہے۔ اور اسے بےحس و حرکت رہنے کے سقم سے
بچاتی ہے۔ اور ایسا بےحس و حرکت رہنا کئی ایک دوسرے اور بدتر
نقائص کا منبع ہے ؂

فصل سوم

الفاظ میں اخلاق

۱- الفاظ میں اخلاقی شہادت | انسان کا مبداء و مرجع ذات باری ہے۔ اور اس کی دلیل خود انسان کی اپنی زبان میں موجود ہے

ایک لمحہ کے لیے لغات پر نظر دوڑاؤ۔ دیکھو الفاظ انسان اور اللہ کا باہمی تعلق ظاہر کر رہے ہیں۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں۔ بلکہ اس تعلق کے احساس کے بھی شاہد ہیں۔ جو انسان کے دل میں موجزن ہوتا ہے۔ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم اس دنیا میں کس طرح آئے۔ اور کیوں آئے۔ ہمارا قیام یہاں محدود ہے۔ اور اس میں قیام بھی ہمیں صرف اپنے خالق و مولا کا منشاء پورا کرنا ہے۔ اور بس۔ اور پھر ہمیں اسی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی۔ کہ ہر ایک زبان میں نیکی اور راستی کی طرفداری۔ گمراہی اور کمزوری شہادت کے مقابلہ میں جو زبان کسی وقت بھی چھپانے کے لیے تیار نہیں۔ اپنا

پلّہ بھاری رکھتی ہے۔ گمراہی اور غلط کاریوں کے ہوتے بھی نیکی کی رفاقت اور بدی کی مخالفت ہر ایک امر میں ہر ایک مرحلہ پر نمایاں ہے ؂

۲۔ اخلاقی انحطاط | ہماری گمراہی اور کمزوری میں شک نہیں اور ہم خود اپنی زبان سے ہی اس کے قائل ہیں۔ حضرت انسان کے دیگر حوالیات کی طرح زبان میں بھی اس کی علو مرتبت۔ اور اس کا انحطاط۔ اس کی شان اور اس کی ذلت یکجا پائی جاتی ہیں۔ اس نے اپنی زندگی کے پیچ در پیچ راہوں میں ظلمت اور سیاہ کاری کی کیا کیا تخم ریزی کی ہوگی۔ جو اس کی زبان کے رگ و ریشہ میں سیاہی کے بدنما دھبے جا بجا نظر آ رہے ہیں۔ ضرور ہے کہ بدی اور شرارت کے واقعات پہلے سرزد ہوئے ہوں گے۔ اور پھر وہ الفاظ جو اس بدی اور شرارت کے شاہد ہیں۔ زبان میں پیدا ہو گئے۔ اخلاقی مظالم جو حضرت انسان نے خود اپنے پر کیے ہیں۔ اور مرض جو اسے لاحق ہے۔ کسی ثبوت اور دلیل کی محتاج نہیں۔ مگر ایسے بھی لوگ ہیں جو ان مظالم اور اس مرض کے تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ واعظین کی من گھڑت ہے۔ یا کم از کم ان کے بیان کرنے میں مبالغہ بلکہ غلو سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن ان بزرگوں نے کبھی غور نہیں کیا۔ کہ اس امر کی صداقت انسانی زندگی کے ہر ایک

پہلو سے اور بالخصوص اس کی زبان سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے
اگر ہم اتنی تکلیف ہی گوارا کریں کہ کوئی لغات کی کتاب اٹھالیں اور
اُسے کھول کر دیکھیں ۔ تو انھیں انسان کی اخلاقی اور روحانی زندگی
کی حالت کا یہ افسوسناک اور رنجدہ منظر جا بجا دکھائی دے گا۔
اور وہ مظالم اور مرض جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ۔ الفاظ کی دل
آزار شہادت سے ہمیں مایوس کر دیں گے ۔ ایک طویل فہرست
الفاظ کی جو گناہ یا رنج دونوں سے وابستہ ہیں ۔ زبان میں کس
طرح تیار ہو گئی ۔ بلا ضرورت تو ان کے ایجاد کرنے یا بنانے کے
کوئی معنی نہ تھے ۔ یقیناً واقعات جن کے یہ نام لیوا ہیں ۔ پہلے پیش
آئے ۔ اور ان واقعات کی بنا پر ان کے اظہار کرنے اور بیان کرنے
کے واسطے یہ الفاظ پیدا ہو گئے ۔ حرف تہجی میں سے پہلے حرف
کے نیچے ہی لغات ملاحظہ ہوں ۔ آبکاری ۔ اوباش ۔ اُچکا ۔ اُلّو
کرنا (کھال اُڑانا) اجاڑو ۔ افسون ۔ الحاد اور کئی ایک الفاظ
جو زبان کے کسی کونے میں نہیں پڑے ہوئے ۔ کہ شاذ و نادر
مواقع پر استعمال کیے جائیں ۔ بلکہ ان میں سے اکثر صف اوّلین
میں کھڑے ہر وقت مستعمل ہوتے ہیں ۔ اور ان کی تعداد قلیل بھی
نہیں ۔ اور رنج و افسوس سے ماننا پڑتا ہے کہ کئی ایک زبانوں
میں گناہ کے الفاظ نیکی کے الفاظ سے زیادہ ہیں ؂

۲ ۔ زبان انسانی شرارتوں کا آئینہ | کسی زبان کی ترکیب کے اس

انکشاف پر یہ امر نظر انداز نہیں ہو سکتا۔ کہ اس کی کثیر قوتیں انسانی تکالیف اور انسانی کمزوریوں کے بیسے شمار اقسام کے اظہار میں عمل میں لائی گئی ہیں۔ کیا ہی خوفناک بات ہے کہ زبان میں ایسا لفظ موجود ہو۔ جو ایک انسان کی خوشی اپنے ہم جنسوں کی مصائب پر ظاہر کرتا ہو۔ مگر حقیقت یہی ہے۔ کہ شماتت کی طرح کئی ایک زبانوں میں ایسا لفظ موجود ہے۔ کسی کو بُرے حال میں دیکھ کر خوش ہونا شماتت ہے۔ اور کسی قوم کے اخلاقی انحطاط کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو گی۔ کہ اس کی زبان میں ایسا لفظ پایا جاوے۔ حسد کا لفظ بھی ہر روز استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے معنوں پر غور کریں تو انسان کی اخلاقی ذلت کے لیے اس سے بڑھ کر شہادت ملنی مشکل ہو گی۔ دوسرے کی عزت۔ دولت۔ مرتبہ اور قابلیت یا کسی دیگر نمایاں اور امتیازی خصوصیت دیکھ کر بُرا منانا اور اس کی محرومیت کا خواہان ہونا حسد ہے۔

حسد اور رشک میں یہ فرق ہے کہ رشک میں تو ہم دوسرے کی برابری چاہتے ہیں۔ اور حسد میں ہمیں اپنا تو اتنا خیال نہیں ہوتا۔ زیادہ توجہ اسی طرف ہوتی ہے کہ دوسرا محروم ہو جائے ہم چاہے ویسے ہوں یا نہ ہوں۔ وہ ایسا نہ رہے ماسوا اس کے کسی زبان میں ایسے الفاظ کی کمی نہیں جو شرارت پسند ذہن انسانی نے۔ اپنی نرالی اور انوکھی شرارتوں کی افسوسناک یادگاریں

قائم کیے ہیں۔ بعض اوقات ایک ہی لفظ میں بیرحمی کا ایک مکمل ضابطہ عمل منضبط ہوتا ہے۔ مثلاً ٹکٹکی۔ شکنجہ۔ پھانسی۔ سولی چار میخ اور سنگسار ادنٰے مثالیں ہیں۔ ہماری لغات کی کتابیں ہمیں بہت کچھ بتاتی ہیں۔ لیکن سب کچھ نہیں بتاتیں۔ عوام کی بولی ہر جگہ فواحشات الفاظ اور فقرات سے بھرپور رہتی ہے۔ جنھیں کتابوں میں دخل تو نہیں مل سکا۔ لیکن وہ انسان کی زبان پر ناشائستگی اور ناہنجاری کی ناپاک یادگار ہیں۔ اور یہ الفاظ صرف یہی نہیں۔ بلکہ عیاشی اور بدمعاشی کے الفاظ بھی۔ اکثر برائی کو ظاہری ہمدردی اور پسندیدگی کے پیرایہ میں اس طریق پر بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ میاں کے امر و نواہی کی پروا نہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں گناہ اور معصیت کی ایک قسم کی طرفداری مقصود ہے۔ انتہا درجہ کی طباعی۔ اور پرلے درجے کا مذاق۔ کمال ذہانت اور نازک خیالی۔ معصیت اور گناہ کی خدمت میں کام آئی ہوں گی۔ پیشتر اس کے کہ گناہ اور معصیت کے لیے۔ اس قدر وسیع۔ اور قسم قسم کی اور لبسا اوقات کا خزانہ و ملحدانہ لغات پیدا ہو گئے ہوں گے ؎

۴۔ الفاظ انسان کے اختلاط میں اس کے شامل رہے ہیں	ایک کثیر تعداد الفاظ کی۔ انسان کے اختلاط میں اس کے شامل حال رہی ہے۔ ابتدا میں ان الفاظ کے معانی عزت اور

خوبی کا پہلو لیے ہوئے تھے۔ لیکن جوں جوں ان کے استعمال کرنے والے یا جن کی نسبت یہ استعمال کیے جاتے تھے۔ قعرِ ذلّت میں گرتے گئے۔ یہ الفاظ بھی ان کے ساتھ ساتھ ذلّت اور خواری کے نمائندے بن گئے۔ بہت سے الفاظ آپ دیکھیں گے کہ شروع شروع میں ان میں کوئی عیب یا بدی کا اشارہ نہ تھا۔ لیکن اب اصطلاح میں ان میں عیب اور بدی شامل ہوگئی۔

شاطر و عیار میں وہ عیب نہ تھا۔ جس کے لیے اب وہ ممتاز ہوگئے ہیں۔ شاطر دلاور اور چابک دست آدمی کو بھی کہتے ہیں لیکن اب اس کے معنوں میں شوخی اور بیباکی شامل ہے۔ اس شوخی اور بیباکی کے استعمال نے شاطر کو چوری اور لوگوں کی گانٹھ کاٹنے پر بھی جرأت دلادی ہے۔ اور ان چالاکیوں سے اپنے کنبہ والوں کو کسی بلا میں پھنسانے کا ذمہ وار ہوگیا ہے ؀

عیار۔ (عبر۔ بہر سو رفتن اسپ بجولان) کثرت سے آمد و رفت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ اور اصلیت کے خیال سے اس ساری آمد و رفت میں پابندیاں لازم تھیں۔ لیکن اب عیار سب پابندیوں کو خیرباد کہہ کر اپنی جولانیاں بدی کی طرف لگا کر دھوکا اور فریب دینے میں مشاق اور چالباز ہوگیا ہے ؀

غلام۔ ابتدا میں لڑکا تھا۔ ایسا ہی آزاد خیال جیسے ہم اور تم۔ لیکن انقلاباتِ زمانہ نے آزادیاں چھین کر اسے ذلیل و خوار کر دیا ہے ؀

ہندی میں لونڈی کا بھی یہی حال ہے ۔ لونڈی ۔ لڑکی ہی تھی ۔ مگر بعد میں غلامی کے سلسلے نے اس کا بھی وہی حال کیا جو غلام کا ہوا تھا چھوکرا اور چھوکری بھی اس طرح گرے ہوئے تھے ؀

فیلسوف بھی قابل غور ہے ۔ اصل میں فیلسوف اور فلسفی ایک ہی ہیں ۔ لیکن فیلسوف کے معنوں میں انحطاط واقع ہو گیا ہے اور اب فیلسوف دھوکا باز ہے ؀

ابن الوقت ۔ وقت کا بیٹا ۔ اب ایک ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے ۔ جو وقت اور موقع کے مطابق اپنا مطلب نکالنے میں مشاق ہو ۔ جس کا کوئی اصول نہ ہو ۔ خود غرض اور نفسانیت اس کے ہمیشہ پیش نظر رہیں ۔ اور اس کا ہر کام ۔ ہر وقت اسی بات پر مبنی ہو ؀

ابتدا میں حیلہ میں وہ مکاری اور فریب نہ تھا ۔ جو اب اس میں مضمر ہے ؀

مغبچہ ۔ انقلاب زمانہ سے انحطاط معنوی کی ایک بیّن اور زبردست مثال ہے ۔ معابد کی سرپرستی سے گر کر خرابات کی خدمت گزاری میں آپڑا ہے ؀

لفظ عداوت کی اصلیت بھی انسان کی گناہ گاری کی ایک شرمناک دلیل ہے ۔ عداوت کے ماخذ پر غور کیا جائے ۔ تو اس میں محض دوڑنا ۔ اور سعی کرنا پائے جائیں گے ۔ لیکن اب ہماری

فتنہ پرداز طبیعتوں نے ہماری کوششوں اور دوڑ دھوپ کو عناد اور دشمنی کے لیے مخصوص کر کے عداوت کو دشمنی تک ہی محدود کر دیا ہے۔

تعصب۔ ابتدا زمانہ میں جنگ کے ہمراہی عصبہ کہلاتے تھے۔ اور تعصب جنگ میں آنکھوں پر پٹی باندھنا بھی ہے۔ اور جب کسی امر میں اور بالخصوص امور مذہبی میں ہم جنبہ داری پر اڑ جائیں اور عقل و انصاف کو بالائے طاق رکھ کر ایک رائے بنا لیں۔ یا عمل کریں۔ تو وہ تعصب ہوگا۔

د۔ مزید مثالیں | یہی انحطاط اور بد چارہ الفاظ میں قابل توجہ ہے سزا بدی کے لیے پہلے سے مخصوص نہ تھی۔ چنانچہ ناسزا اور سزاوار تاحال اس کے شاہد ہیں۔ ایسے ہی پاداش نیک کاموں کی بھی ہوتی تھی۔ اب بدی ہی کی رہ گئی ہے۔

گورو گھنٹال۔ بڑا گورو۔ عیب سے مبرا نہیں۔ اور گورمتا کی اصل دیکھو۔ گورو اور مت سے مرکب ہے۔ لیکن اب مل کر سازش کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اہل حرفہ اچھے لوگ ہیں۔ لیکن حرفت باز کو کوئی بھی اچھا نہ کہے گا۔

دو الفاظ رکیک تو ہیں۔ لیکن سوسائٹی کی اخلاقی حالت کے گرنے کا حیرت انگیز آئینہ ہونے کی وجہ سے ہم انھیں نظر انداز کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔

دلال ۔ ایک شریف آدمی ہے۔ اپنی حلال کی کمائی کر کے روٹی کماتا ہے۔ سوسائٹی میں عزت والا آدمی اور صاحب حیثیت ہے۔ تجارتی حلقوں میں اس کا وقار ہے۔ اور فی الحقیقت اس کی وساطت کے بغیر تجارت کا فروغ ایک امر مشتبہ ہے؛

نائک ۔ ہندی الاصل ۔ فوج میں ایک افسر ہوتا ہے۔ اور فوجی حلقوں میں اور عام سوسائٹی میں اپنی شرافت ۔ عہدہ اور حیثیت کے لحاظ سے قابل توقیر ہے لیکن آپ سوسائٹی کے اس اخلاقی انحطاط پر متعجب ہوں گے ۔ اور اُمید ہے ۔ کہ عبرت پکڑیں گے ۔ کہ ان ہر دو الفاظ کی تانیث میں ہم معاشرت کا ذلیل ترین نمونہ پاتے ہیں ۔ اس سے یہ بھی گمان ہوتا ہے ۔ کہ سوسائٹی کی اخلاقی حیثیت بگاڑنے میں ۔ گمراہی اور گمراہ کرنے میں خدا اور خلق خدا کے بنائے ہوئے اصول اور ضوابط کی پابندیوں کو توڑنے اور تڑانے میں ۔ آپ یقیناً کانپ اٹھیں گے ۔ فرقہ اناث انسان کا "صفت لطیف" زیادہ تر ذمہ دار ہے ۔ ممکن ہے ۔ کہ ہمارا یہ خیال غلط ہو ۔ ہم اُمید کرتے ہیں ۔ اور چاہتے ہیں ۔ کہ غلط ہو لیکن اس میں کلام نہیں ۔ کہ یہ امر بذاتہ سخت مایوس کرنے والا ہے؛

۶ ۔ الانسان مرکب من الخطاء النسیان	متذکرہ بالا مثالیں انسان کی عصیاں وگناہ کی شاہد ہیں ۔ اور اسی طرح اس کی ضعیف البنیانی ۔

اس کے علم ۔ اور قوائے کے محدود ہونے ۔ اور الانسان مرکب

من الخطاء والنسیان کی تائید میں بھی یہی زبان کافی شہادت پیش کر سکتی ہے ۔

۷۔ عین الکمال | عین الکمال اور کل جیبھا انسانی کمزوریوں اور ضعیف الاعتقادی کی نمایاں مثالیں ہیں ۔

مغرور۔ بظاہر ایک تنا ہوا۔ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والا شخص ہے۔ مگر حقیقت میں وہ خود انسانی کمزوریوں کا نمونہ ہے۔ بیچارہ خود دھوکے میں پھنسا ہوا ہے اور زوال دنیا کے فریب و دغابازی کا شکار ہو رہا ہے ۔

۸۔ ارتقاد الفاظ | ہم نے الفاظ کے انحطاط معنوی پر زور تو دیا ہے۔ لیکن ہم غلطی پر ہوں گے۔ اگر اپنے ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف دلانے میں قاصر رہیں۔ کہ انحطاط کے پہلو بہ پہلو۔ معنی ارتقا اور تنقیہ کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ نور ایمان جو انسان کو بدی کے راستے سے نکال کر نیکی کے طریق پر لا رہا ہے اور اُسے ادنیٰ دنیاوی خوبیوں سے برتر لے جا کر اعلیٰ ملکوتی صفات سے متصف کر رہا ہے۔ ایک کثیر التعداد الفاظ کو بھی جو انسان استعمال کرتا ہے۔ ساتھ ساتھ ہی آلودگی سے منزہ اور پاک اور مرتفع کرتا ہے۔ اور اس طرح جو الفاظ کبھی ایک ادنیٰ خاصیت پر دال تھے۔ اب ایک اعلیٰ صفت کے کفیل ہیں ۔

اسلام بنی نوع انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی کا ایک

اَنتھک کارکن رہا ہے۔ حتیٰ کہ الفاظ بھی اس کی محنت اور کارگذاری کے نیک اثرات سے غیر متاثر نہیں رہے ؛

شہید۔ گواہی دینے والا۔ شاید پہلے بھی تھا۔ لیکن اسلام نے اسے جھوٹی سچی اور ادنےٰ شہادتیں دینے کے رذیل درجے سے اُٹھا کر حق اور ایمان کی شہادت پر جان دینے کے اعلیٰ وارفع رُتبہ پر پہنچا دیا ؛

پیغامبر بھی ماوشما کا پیغام لے جانے والا تھا۔ لیکن اب اللہ جلشانہ، کا پیغام اس کی مخلوق کی طرف لے جانے والا ہے ؛

شفیع۔ بھی ایک انسان کی دوسرے انسان کے پاس مختلف امور میں سفارش کرنے والا تھا۔ لیکن اب رسولؐ خدا محمد مصطفےٰ کا لقب ہے۔ کیونکہ آپ بارگاہ الٰہی میں ہمارے گناہوں کی شفاعت کرنے والے ہوں گے ؛

فردوس اور بہشت کا بھی یہی حال ہے۔ معمولی باغات سے جو اس دنیائے ناپائدار کے پھلوں اور پھولوں سے لدے ہوئے کسی زمانہ میں آتش پرستی کے گرمابوں کی آبپاشی کے محتاج تھے اسلام کے روحانی اثرات نے انھیں روحانی سرور و انبساط کی جانفزا اور کوثر و تسنیم کی جاں بخش آبیاری سے سرسبز و شاداب کر دیا ہے ؛

حج۔ صرف جانا تھا۔ لیکن اسلام کی راہ میں سعی نے اسے

بیت اللہ کی زیارت کا شرف دیدیا۔

شریعت ۔ اصل میں گھاٹ ۔ ندی کا کنارہ ہے ۔ جہاں سے لوگ اور جانور پانی پیئیں ۔ چونکہ اسلام کے فیض عام کا دریا۔ ہر قوم وملت ۔ ہر کہ ومہ کے لیے ہر وقت جاری تھا ۔ اور جیسے ندی کا پانی طبیعت کو فرحت بخشنے والا ۔ بلکہ زندگی کو قائم رکھنے والا ہوتا ہے ۔ اسی طرح شریعت اسلامی روحانی زندگی میں تروتازگی اور اس کے قیام ودوام کی کفیل ہونے کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوگئی ۔ نماز اور روزہ بھی اسی قبیل سے ہیں ۔

۹ ۔ تصدیق حقائق رحمانی و فتنہ پردازی شیطانی | آؤ ذرا چند الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ حقائق رحمانی کی کس طرح تصدیق ہوتی ہے ۔ اور شیطانی فتنہ پردازیاں بھی کن کن صورتوں میں الفاظ کے اندر چھپی ہوئی نظر آتی ہیں ۔ اوّلاً ہمیں حقائق رحمانی کی تصدیق کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ کیونکہ یہاں ہماری زبان کے الفاظ کلام ربانی کے مطابق ہیں ۔ یہ الفاظ ۔ اپنے حقیقی اور جائز استعمال کی وجہ سے (دوسرے الفاظ کا استعمال بیجا سمجھنا چاہیے) ہماری توجہ میں تقدیم کا استحقاق رکھتے ہیں۔

تشدُنی ۔ ہمارا مطلب شاید زیادہ وضاحت سے ادا کرسکے ۔ ہماری گناہگاری ۔ اور عصیاں ۔ اور اس پر ہمارا احساس عصیاں

اور پھر اس کی اٹل سزا اور ہمارا سر تسلیم۔ اس ایک لفظ میں نمایاں ہے۔ شدنی وہ مصیبت ہے جو ہم پر نازل ہوئی۔ اور جو ہم جانتے تھے کہ ہونی چاہیے اور ہو گی۔ شدنی کا مفہوم شامت اعمال کے ساتھ وابستہ ہے اور ہم اس ایک لفظ کو منہ سے نکال کر اپنی مصیبت کی وجہ۔ اس کی کبھی نہ ٹلنے والی کیفیت اس کی تکلیف کا اظہار کرتے ہیں۔ اور سوائے سر تسلیم خم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں دیکھتے ؎

وفات۔ زندگی کی میعاد مقررہ کو پورا کرنا ہے۔ اور اجل بھی اسی وقت معیّن کا نام ہے۔ جب حیات انسانی کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھو پورا ہونا بھی وہی ہے ؎

اس میں شک نہیں ہو سکتا۔ کہ دُنیا مختلف ظہورات میں قدم قدم پر انسان کو عاصی اور اپنے عصیاں کا خمیازہ اُٹھاتے ہوئے دکھا رہی ہے۔ ہم گناہ کرتے ہیں۔ اور مصیبتیں جھیلتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ ہمارے مصائب ہمارے اپنے ہی اعمال کی کرتوت ہیں۔ ہم خدائے عزّ وجل کے اوامر اور نواہی کو خیال میں نہیں لاتے ان پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ اور اس کا نتیجہ بھی ہمیں مل جاتا ہے۔ اور یہی مصیبت ہے۔ دُنیا دار المکافات (بدلہ کا گھر) ہے جو کرتے ہیں وہ مل جاتا ہے۔ جو بوتے ہیں وہ پا لیتے ہیں۔ اور اس پا لینے اور مل جانے کو مصیبت کہیں گے۔ کیونکہ لغت میں

بھی مصیبت وہی ہے۔ جو ہمیں ملی۔ یا جو ہم نے پائی۔ ہمیں پہنچ گئی ۔

بعض لوگ عالمگیر وباؤں کو معصیت انسانی کا وبال یا ان کی سزا تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اور اگر انھیں ان کا بلا واسطہ سبب معلوم ہو جائے تو خیال کر لیتے ہیں۔ کہ انھیں آخری اور اصلی سبب معلوم ہو گیا۔ طاعون کا نام لیتے ہی وہ اندر ہی اندر اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہوتے ہیں۔ جس کے انکار پر انھوں نے کمر ہمت باندھی ہے۔ طاعون کیا ہے؟ اس کی اصلیت طعن ہے۔ اور طاعون سوائے صدمہ اور زخمی کرنے والی چیز یعنی وبال کے کچھ نہیں۔ اور اس کے نام کی یہی وجہ صریح ہے۔ انسان کے اجماعی ضمیر نے جس کی حسیات کبھی خطا نہیں کرتیں۔ ایسا ہی محسوس کیا۔ اور اس احساس کا اعتراف کیا۔ دنیا کو دار المکافات کہتے ہیں اور اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔ کرنی سو بھرنی کے قائل ہیں۔ لیکن عمل میں اس سے غافل ۔

۱۰۔ زبان خلق نقارۂ خدا | یہاں (بھی جیسا کہ اور کئی معاملات میں) زبان خلق نقارۂ خدا کی مثل صادق آتی ہے۔ اور اس کی صداقت حرف بحرف پوری ہونا تسلیم کرنی ہوگی۔ اگر ہم یاد رکھیں کہ یہ خلق کوئی اعلیٰ یا ادنےٰ طبقہ کی مخلوق نہیں۔ اور یہ زبان خلق کوئی بیساختہ چلا اٹھنا نہیں۔ بلکہ نیکو کاروں اور دانشوروں

کی متفقہ شہادت۔ ان لوگوں کی شہادت جن میں جہالت کی وحشت یا نادرست تربیت کی بددیانتی نام کو نہیں۔ مختلف مقامات۔ اور مختلف زمانوں میں سنائی دیتی ہے۔

۱۱۔ اس کی مثالیں

ایسے اصحاب کے لیے جو اس مثل کی صداقت کے قائل ہیں۔ یہ امر عجیب نہیں کہ عوام متفقہ طور پر ایک شخص کو جو پیسہ پیسہ اکٹھا کرے۔ اور اس طرح بڑی محنت اور مشقت سے دولت جمع کرے۔ خسیس کے نام سے پکارتے ہیں اور لئیم بھی کہتے ہیں۔ اور شاید سب سے زیادہ وضاحت ہمارے بیان کی کنّاس کے نام سے ہو گی۔ جو محاورے میں ایسے شخص کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ یہاں انسانی دل کے اخلاقی پہلو نے اس عیب کی ذلیل اور کمینہ اصلیت کی طرف رجوع کیا ہے۔ اور اس طرح روپیہ جمع کرنے والے کو بتایا ہے کہ اس کی ہستی کی ایک خس سے زیادہ حقیقت نہیں۔ اس کی قدر و منزلت پائمالی ہے۔ جہاں کہیں ہو گا۔ بچے سے لے کر بوڑھے تک۔ امیر سے لے کر غریب تک۔ شریف سے لے کر ذلیل تک اسے پاؤں میں روندیں گے۔ اسے پھڑکنے کی اجازت نہیں۔ سر اٹھانے کا حکم نہیں۔ اس کی کوئی وقعت نہیں۔ لئیم کے نام سے بھی اُسے سنا دیا گیا ہے کہ وہ خوار ہے۔ اور دُنیا کی پھٹکار اس کا حصّہ ہے۔ روپیہ جمع کرتا ہے تو کرے۔ اور پھٹکار لیے جائے۔ کنّاس۔ چوہڑا ہوتا ہے

اور محاورہ میں لالچی اور خسیس کو بھی اسی نام سے پکارتے ہیں۔ اور یہی شوم (بدبخت) بھی ہے۔ خود زر کا ماخذ ہی سختی سے جمع کرنے پر دال ہے۔ اور اس سے زردار کی حیثیت اخلاقی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

۱۲۔ شہادت اخلاقی حقائق کی مزید مثالیں

دوسرے الفاظ بھی بڑے اخلاقی حقائق کے شاہد ہیں۔ دیانت (دین) ایک فرض ہے جس کی ادائیگی ہمارے ذمہ داروں کے فائدہ کے لیے ہے۔ اگر اس کی ادائیگی میں کچھ بھی کوتاہی ہوئی۔ تو ہم دوسروں کے دیندار ہوں گے۔ اور جب تک یہ کوتاہی دور نہ ہو۔ جب تک کلی طور پر ہم اس فرض کی ادائیگی میں کامیاب نہ ہوں گے۔ ہماری ذمہ داری جاری رہے گی۔ ہمارا بوجھ ہلکا نہ ہوگا۔

شرارت کو شراروں سے جو نسبت ہے۔ اس کی چلبلی طبیعت کے ساتھ ساتھ ہی اس کے اندر ہی اندر جلنے کی گواہی خود لفظ میں ہی موجود ہے۔

سلامت روی۔ اس امر کی متقاضی ہے۔ کہ لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں ہماری اخلاقی حیثیت میں کوئی نقص نہ ہو۔ ہر پہلو سے یہ بے عیب ہو۔ اس میں کوئی رخنہ نہ نکال سکے۔

۱۳۔ الفاظ انسانی دل کی کمزوریاں دکھاتے ہیں

اکثر الفاظ کی اصلیت انسانی دل کی کمزوریاں من وعن دکھا دیتی ہے۔ اور اگر ذرا بھی

ان کی طرف توجہ کریں۔ تو گناہ اور امتحان کی فریب انداز ترغیبوں سے محفوظ رہیں گے۔ مثلاً ہم میں سے ہر ایک نے دوسروں کو خوش کرنے کے لیے ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اور کبھی اس امر کا لحاظ نہیں کیا۔ کہ ہماری اپنی آزادانہ رائے کو اس میں فی الحقیقت اتفاق نہ تھا۔ اس طریق عمل کو ناپسندیدگی کی ٹکسال نے خوشامد کا لقب دیا۔ خوش آمد کا لفظ کھلے بندوں بتا رہا ہے کہ ہماری اپنی رائے کچھ نہیں ۔ اور جو کچھ کہا جا رہا ہے حقیقت میں تو ٹھیک نہیں۔ البتہ مخاطب کے خوش کرنے کے لیے تاکہ اُسے خوش آئے ۔ کہا گیا ہے۔ ہندی میں اس کے لیے ست بچنی کا لفظ حقارت کا پہلو زیادہ لیے ہوئے ہے۔ انسان کے دل کی کمزوری ایک اور دلچسپ پہلو میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ مصیبت کو اچھے نام سے یاد کر کے اس کے رنج کے احساس اور بُرے نتائج سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ اس کی یہ کوشش باور ہو گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایک حد تک دل مضبوط رکھنے میں یہ کوشش کامیاب بھی ہوتی ہے۔ سانپ کا ڈسا ہوا۔ سلیم اور اندھا ۔ بصیر کہلاتے ہیں ۔ اور قافلہ کا سفر سے واپس آنے والا ؛ بھی ایسے ہی تفاول کی مثال ہے۔ اسی قبیل کی ایک اور مثال قابل التفات ہے۔ عید کی اصلیت میں بھی بار بار آنے کی خواہش مرکوز ہے ۔ اور انسان کے دل

کی کمزوری ایسے دن کے بار بار دیکھنے کی خواہش میں اس دن کو عید کے نام سے یاد کر کے اپنی اس خواہش کو پورا ہوتے دیکھنے کی اُمید رکھتی ہے؛

نیکو کاری اور بزرگی جس سے ہماری ذلیل اور پُر معصیت زندگی شب و روز مرعوب رہتی ہے۔ طبعاً ہماری نکتہ چینی کی آماجگاہ ہوتی ہے۔ اس نکتہ چینی کے فطرتی تقاضے کو دبانے اور روکنے کے لیے زبان میں کسی لفظ کا ہوتا جو ایسی نکتہ چینی کی حقیقت ظاہر کرے اور نکتہ چینی کے لیے خوش آئند نہ ہو۔ ایک بیش بہا دولت ہے؛

خدائی فوجدار۔ سوسائٹی میں خود ساختہ محتسب ہے۔ اور تُو کون میں خواہ مخواہ۔ کے لباس میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہے؛

۱۴۔ الفاظ اور حقیقت حال | عیش۔ ابتدائی معنوں میں۔ اور بالخصوص عربی میں جہاں سے یہ آیا ہے۔ زندگی بسر کرنے کا نام ہے۔ اور زندگی بسر کرنے کے لیے ہمارا رویہ۔ ہمارے اعمال، اصول اور ضابطہ کے پابند ہیں۔ جن کی خلاف ورزی سے زندگی حرام۔ اور جان جوکھوں میں پڑ جاتی ہے۔ جو لوگ ان پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر بے سوچے سمجھے۔ دوا دوش گذارتے ہیں۔ اور اس تیز روی کی زندگی کو عیش سمجھتے ہیں۔ ان پر جلد اس کی

حقیقت کھل جاتی ہے۔ اب آہستہ آہستہ ایسی بدمعاشی کی زندگی کو عیاشی اور اس طرح کے رہنے والے کو عیاش کہنے لگے ہیں۔ اور یہ صیغہ مزاولت اور تکرار پر دال ہے۔ اور اردو میں آکر یہ انہی معنوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے۔

بدمعاشی کے لیے ایک اور لفظ سیاہ کاری بھی قابل توجہ ہے۔ جو خدا اور خلقت کی نظروں میں اس کی اصلیت کا نقشہ بڑے جلی حروف میں دکھا رہا ہے ؎

ذرا غور سے لفظ غُصّہ ملاحظہ کرو۔ غصّہ والا آدمی بڑا زبردست سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ لفظ ہمیں کچھ اور ہی بتلاتا ہے۔ اس کی اصلیت "اندوہ گلوگیرہ و آنچہ در پہنائے گلو درماند" سے عیاں ہے۔ غُصّہ والے کی نسبت ہمارا زبردستی کا خیال غلط محض ہے۔ وہ بیچارا تو خود مجبور ہے۔ وہ تو ایک گلا گھونٹ دینے والے کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس میں ذرا بھی عقل ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے۔ کہ اُس پر اس حالت کے بار بار حاوی ہونے سے اس کی جان کی خیر نہیں ؎

طیش بھی تیر کے نشانہ سے خطا ہونے کو کہتے ہیں۔ اور اصلیت میں یہ کم عقلی کی دلیل ہے ؎

منت۔ بار ہے۔ اور جب ہم اپنے آپ کو کسی کا ممنون ظاہر کرتے ہیں۔ تو ہم اس کی منت کا بار محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔ اور

اس میں ایک اخلاقی صداقت بھی مضمر ہے۔ کہ اس بار کا اتارنا اس سے سبکدوش ہونا ہم پر لازم ہے۔ اور اس طرح ہم کم سے کم محسن کی شکر گزاری کے ذمہ دار ہیں۔ ممنون۔ مشکور ہے اور ممنونیت۔ شکر گذاری ؎

خود لفظ انسانیت بھی تو سوسائٹی کے باہمی میل ملاپ میں اصلیت پر عمل پیرا ہونے کا متقاضی ہے ؎

عصمت کی اہمیت اس کی اصلیت میں نمایاں ہے۔ کسی عورت کی عصمت اس کے سب سے بیش بہا مقبوضات میں سے ہے۔ اور اس لیے اس کا فرض عین ہے کہ وہ اس کے محفوظ رکھنے میں ہر دم اور ہر وقت خبردار رہے۔ عصمت قابو میں رکھنا۔ اپنی ذات کو۔ عورت کی ذات کو قابو میں رکھنا۔ محفوظ رکھنا۔ مذہب اور سوسائٹی کے ضابطہ کی پابندیوں سے قابو میں رکھنا۔ اپنی روحانی اور اخلاقی دینی اور دنیوی ہستی کو قائم اور محفوظ رکھنا ہے۔ اگر کسی وقت اس میں غفلت ہوئی کسی پھندے سے۔ لالچ جذبہ یا کمزوری نے لغزش پیدا کی۔ پاؤں پھسلا۔ قابو نہ رہا اور حفاظت میں خلل آیا۔ تو قعر مذلت کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ رسوائی اور خواری کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ؎

۱۵- الفاظ میں اخلاقی تنزل کا اظہار | ہم نے ابھی ذکر کیا تھا۔ کہ ایسے الفاظ بھی ہیں۔ جو اخلاقی تنزل ظاہر کرتے ہیں۔ موجودہ معنوں میں ان کے استعمال کرنے والوں کا نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کا جنھوں نے آہستہ آہستہ انھیں

گمراہی کے راستہ پر لگایا۔ اور آخر میں سیدھی راہ سے بالکل دُور جا پھینکا*
شیخ مسلمانوں میں ایک عزت اور وقار کا لفظ ہے۔ شیخ تنا حال عربی میں بزرگ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ہمارے ہاں بھی اگرچہ شاعروں کے ہاتھوں۔ یقیناً شعروں میں اس کی خوب گت بنائی گئی ہے۔ سوسائٹی کے مدارج میں اعلیٰ رُتبہ پر جاگزین ہے لیکن شیخی اور مشیخت۔ یہی شیخ کی نسبت سے شیخ ہونا یا ظاہر کرنا۔ کوئی قابل تعریف یا باعزت امر نہیں رہا۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ سوسائٹی میں بزرگوں کا وتیرہ۔ خردوں میں ان کی عزت و توقیر۔ اختلاط کی راہ پر ٹھوکریں کھاتے ہوئے اس صورت واقعات کا باعث ہوئے ہیں۔ آزادی اور خود پسندی کا دَور دورہ کس طرح گوارا کر سکتا تھا۔ کہ کوئی بزرگ۔ اپنی بزرگی ظاہر کرے۔ کوئی بڑا اپنی بڑائی پیش کرے۔ نیا دور۔ پُرانی حلقہ بندی کو کس طرح عزت کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ آزادہ سری اور آزادہ روی نے پُرانے امتیازات کی تذلیل میں شیخی اور مشیخت پر تحقیر کی مہر لگا دی ہے*

ہاں یہ بھی تو دیکھنا ہے۔ کہ سادہ میں حقارت کیوں ہو۔ اور سادہ لوح میں بھی اس سے بڑھ کر حقارت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ سادہ صراحتاً فریب۔ دغا۔ اور پیچیدگیوں سے مبرا ہے۔ اور اس سے زیادہ اور کیا بات قابل قدر و وقعت ہو سکتی ہے

کہ اس میں کوئی ملمع۔ اور ٹیپ ٹاپ نہیں۔ لیکن یہ ہماری دنیا بھی عجیب ہے۔ یہاں تو کوئی آدمی سادہ رہ کر دوسروں کی دستبرد سے نہیں بچ سکتا۔ اگر ہمیں دھوکا دینے اور دھوکہ کھانے میں سے ایک طریق کو پسند کرنے پر مجبور کیا جائے۔ تو اکثر اول الذکر طریق کو اختیار کرنا چاہیں گے اور اس طرح دنیا کی رفتاریوں پڑی ہے۔ کہ سادگی جو صداقت اور راستی کی حکومت میں اعلیٰ ترین عزت و وقار کا مرتبہ پاتی۔ ہماری اس دنیائے دوں میں حقارت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے؛

ایسے الفاظ جن کے معنوں میں کبھی خوبی پائی جاتی تھی۔ اور اب اس میں حقارت کی آمیزش ہو گئی ہے۔ انہی مثالوں پر جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں محدود نہیں۔ منطقی اور حجّت بھی اردو میں اسی تنزل کی راہ پر جا رہے ہیں؛

۱۶ - برکات الٰہی اتفاق اور طالع سے منسوب کی جاتی ہیں

ہم سب اللہ کے انعامات اور برکتوں کو محض اتفاق یا طالع کی طرف منسوب کرنے کے عادی ہیں۔ اور اس طرح طالع کی ارادت اور عظمت دل میں قائم رکھتے ہیں۔ جو کسی وجہ سے بھی اللہ جلشانہٗ منبع جملہ حسنات و برکات کے نیک بندوں کے شایان شان نہیں؛

طالع مند۔ نیک اختری۔ اس ضمن کی مثالیں ہیں۔ اور دونوں صراحتاً انسانی زندگی پر ستاروں کے اثرات کی قائل ہیں

البتہ قسمت اور بخت میں خدائی اختیار کو فراموش نہیں کیا گیا ہے

۱۷۔ انسان کی نا انصافی — ایسے الفاظ بھی ہیں۔ جو نا انصافی پر دال ہیں۔ یا جن سے انسان کا اپنے فرائض کو غلط اور ناکافی اندازہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ یہ اندازہ مدت مدید سے کیا گیا ہو۔ اور اب ایسے الفاظ کے استعمال کرنے والے محض تتبع ہی کر رہے ہوں۔ اور خود ان کے موجد نہ ہوں ہے

گھوڑے سے۔ بیل۔ راس سے ہاتھی زنجیر سے۔ اور اونٹ مہار سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ان کے نام لینے میں بھی ان کی محکومیت کی حیثیت۔ ان کی قید اور اپنا انسانی اقتدار فراموش نہیں کیا گیا ہے

۱۸۔ عزت کے نام ذلیل اور خوار چیزوں کو دیے جاتے ہیں — ایک اور طریق بھی ہے جس سے الفاظ کی بداخلاقی نمودار ہوتی ہے۔ اور جس میں وہ حد درجہ کے باعث نقصان ہوتے ہیں ہماری مراد اس طریق سے ہے۔ جب عزت کے نام ذلیل اور خوار چیزوں کو دیے جاتے ہیں۔ اور اس طرح جب گناہ کو ایک قسم کا مقبولیت کا تمغہ مل جاتا ہے تو خوبی لباس سے اسے مزین کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر اتنا نہیں۔ تو کم از کم وہ اپنی جبلی

بدعنوانی کو چھپانے کے قابل تو ضرور ہو جاتا ہے۔ زبان ستمگاریوں اور سیاہ کاریوں کا وسیع جولانگاہ ہے۔ یا یوں کہو۔ اور شاید اس سے ہمارا مطلب زیادہ واضح ہو۔ ستم گاریوں اور سیاہ کاریوں کی زینت وزیور ہے۔ جو انھیں خوب صورت اور دلکش بنا دیتی ہے ؎

۱۹- بُری چیز کا بُرا ہی نام ہونا چاہیے

کیا ہی اچھا ہوتا۔ اگر بد اوضاع چیزوں کو بد اوضاع نام ہی دیے جاتے۔ نام جو اخلاقی نفرت اور ملامت ظاہر کرتے۔ خواہ کچھ نا ملائم ہی ہوتے۔ ایسے نام نہیں ہونے چاہئیں جو دوامی اخلاقی اصولوں کو بے وقری اور بے اعتنائی سے دیکھیں۔ معصیّت کو اچھے پیرائے میں دکھائیں۔ اور خدائی حدود راستی اور ناراستی میں ہیر پھیر کریں۔ اور اس طرح ان ناموں کے استعمال کرنے والوں۔ اس قابل سرزنش جماعت میں شمار کیے جانے کے سزاوار بنا دیں۔ جو بدی کو نیکی اور نیکی کو بدی کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو تاریکی کو روشنی کی جگہ اور روشنی کو تاریکی کی جگہ۔ کڑوے کو میٹھے کی جگہ اور میٹھے کو کڑوے کی جگہ رکھتے ہیں۔ الفاظ کی یہ چیرہ دستی اور فریب کس قدر افسوس ناک اور خوفناک ہے۔ جو لوگوں کو بخوشی پابزنجیر لا رہا ہے۔ ان کے اردگرد ایک ہوا ہے۔ جو برابر پھیل رہی ہے۔ زندگی یا موت کی ہوا۔ جو ہم ہر ایک اخلاقی دم میں

اندر کھنچ رہے ہیں۔ روح پرور ہوا میں۔ جیساکہ انجیل کہا گیا ہے۔ روح کے بادبانوں میں بھر جاتی ہیں۔ اور ہمیشہ اسے آگے کو لے جا رہی ہیں۔ بہشت میں یا دوزخ میں۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ؀

۲۰۔ ناموں میں بدی کی پردہ پوشی

کسی بدی یا معصیت کا اندازہ کرنے میں کس قدر تفاوت ہوگا۔ اگر اسے ایسے الفاظ سے یاد کریں یا دوسروں کو پکارنا سنیں۔ جو اس کی مکروہیت اور بد وضعی کا اظہار کر رہے ہوں۔ یا ایسے الفاظ سے جو اس کی صفات بالا کے تصور کو کم اور ان کی پردہ پوشی کرتے ہوں۔ اور یہ سب کچھ اس اس لیے کہ لوگ۔ جیساکہ کسی نے کہا ہے۔ بدی سے نہیں ٹھٹھراتے۔ جیساکہ بدی کے نام سے ؀

قمار خانہ یا قید خانہ کو جو انسانی غلط کاریوں کی سب سے بڑی جولانگاہ ہیں۔ اسی قبیل سے پنڈرنہ خانے کے نام سے موسوم کرتے ہیں ؀

کسی کو مخمور کہنے کی بجائے ہم اس کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ جو اس حالت پر ہر ایک قسم کا پردہ ڈالنے کی کوشش ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً متوالا۔ سرخوش۔ چڑھی ہوئی۔ اور سوار۔ اور زیادہ سے زیادہ پی ہوئی بھی کہہ دیں گے۔ شراب کو دخت رز یا دختر آفتاب کہنا اس پردہ پوشی و شوخ چشمی کی دلیل ہے ؀

۲۱ - وعید الٰہی سے تمسخر اچھے لفظ بری چیزوں کے لیے عام ہیں۔ اور سب سے بڑے الفاظ وہ ہیں۔ جو وعید الٰہی کی باڑھ کو تمسخر سے کند کرنے کے درپے ہیں۔ مثلاً ایک زمانے میں فرانس والوں نے جب ایک مجہول الکیفیت زہر کے ذریعے سے کسی ترکہ کے وارث کو جو زہر دینے والے اور حصول ترکہ کے درمیان حائل ہوتا تھا۔ بیچ میں سے اٹھا دینے میں جدت طرازی کی۔ تو اس زہر کا نام "سفوف التوریث" رکھا۔ ہم شاید یہ خیال کریں۔ کہ بدی اور معصیت کی ایسی پردہ پوشی مصنوعی تہذیب کی ہمراہی میں ہی ملے گی۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں۔ کپتان ارسکین جو جزائر فجی میں انگریزی قبضہ سے پہلے گئے تھے۔ وہاں کے باشندوں کی مردم خوری کی عادت کی عجیب و غریب تفصیل دیتے ہیں۔ سؤر اور انسان کا گوشت ان کی خوراک تھی۔ سؤر کو وہ چھوٹا سؤر اور انسان کو لمبا یا بڑا سؤر کہتے تھے۔ بلاشبہ اس قبیح اور مذموم عادت کو اس طرح مذاق میں اڑانے کی کوشش تو کی گئی تھی۔ لیکن یہ لوگ اس فعل شنیع کو خوب سمجھتے تھے اور ان کا ضمیر انھیں اس پر ملامت کرتا تھا۔ کیونکہ جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا۔ وہ اس فعل اور اس کے نشانات یا سراغوں کو فرنگیوں سے چھپانے کی ہر وقت کوشش کرتے تھے۔

اینشیا والوں کی شوخی اور شرارت پسند گمراہی شیشہ شراب کے ڈاٹ کو ریش قاضی کے نام سے پکارتی ہے اور خدا سے نہیں ڈرتی ؛

پاسئے ترسا (پیالہ شراب) اس دیدہ دلیری اور شوخ چشمی کی ایک اور مثال ہے ؛

۲۲ - الفاظ معصیت پر جذبات کا پردہ ڈالتے ہیں | لیکن سب سے بڑے الفاظ وہ ہیں جو کسی بدی یا معصیت پر جذبات کا پردہ ڈالتے ہیں - ولد الزنا کو ثالث بالخیر یا پنچایتی کہنا کس قدر خرابی اور عصیاں پروری کا باعث ہے - سوسائٹی کی اخلاقی حیثیت متزلزل کرنے اور کئی ایک جوان عورتوں کی کمزوری کو سہارا دیتے ہیں یہ پردہ پوشی ناگفتہ بہ مدد کرنے کا پہلو رکھتی ہے - ہر ایک زبان کی ایسی بداخلاقی کو ہمیں روکنا چاہیے - اور ہمیں زور سے مخالفت کرنی چاہیے - سچ ہے کہ یہ مخالفت کوئی ایسا آسان اور خوش کُن کام نہیں - کیونکہ بہت سے لوگوں کو گناہ کے ارتکاب میں اس گناہ کو بُرے نام سے پُکارا جانا سخت ناگوار ہوگا - صبح خیرے کا لفظ بھی اسی قبیل سے ہے - صبح سویرے اُٹھ کر سوتوں کو لوٹنے کی بدعنوانی کے واسطے یہ نام ایجاد کرنا غضب کی دیدہ دلیری ہے - رشوت کو - نذر - ڈالی - اور بخشیش سے یاد کرنا بھی اسی طرح کی کوشش ہے - اور اس سے ہاتھ گرمانا

بھی اسی تگ و دو کا نتیجہ ہے ؎

۲۳- اسمار کی شوخ چشمی اور ہماری دھندلی نظر

روزانہ استعمال اور دستور ایسے معاملات میں ہماری آنکھیں دھندلی کر دیتا ہے۔ ورنہ اسماء کی اس دھوکا بازی اور شوخ چشمی کی ایک دیرآشنا مثال ہے جس کی اصلیت ہمیں ایسی نہیں کھٹکتی۔ ہم انگشت بدنداں اور متحیّر ہو جاتے ہیں۔ خمر کو شراب کہنا حیرت کی نہیں۔ تو اور کیا ہے۔ شراب تو پینے کی چیز ہے۔ ایسی کل چیزیں جو پینے کی ہیں۔ جن پر ہماری زندگی کا مدار۔ ہمارا آرام و آسائش منحصر ہے۔ سب سے اول درجہ پر تو خود پانی ہے۔ جس کے بغیر ہمارا زندہ رہنا ممکن نہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ہماری روحانی زندگی کی آبیاری کے لیے بھی شراب طہور کا ہمیں وعدہ ہے لیکن زبان ستم شعاری اور عصیاں پروری نے پینے کی چیزوں میں سے مے کو منتخب کر کے اسے خاص الخاص شراب یا پینے کی چیز کے نام سے مفتخر کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ لفظ اردو میں آ کر زیادہ رائج ہو گیا۔ حضرت انسان کی گناہگار طبیعت نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اُسے آب طرب اور آب حیات کے مقدّس نام سے پکارنے سے بھی پرہیز نہیں کیا ؎

انسان کی ذہنی بدکاری سے اس کے روحانی ارتقا اور علو مرتبت کی نسبت ہماری مایوسی بے انتہا ہوتی۔ اگر اس کے

ساتھ ساتھ ہی ہم الفاظ میں اس نیک منشی اور خدا ترسی کی دلیلیں نہ پاتے۔ اس مے کو بادہ اور خمر کے نام سے یاد کرنا۔ اہل زبان کی فطانت طبع اور حقائق شناسی کا ثبوت ہے۔ بادہ۔ باد یعنی ہوا سے مشتق ہے۔ اور ہوا پر اس کی بنیاد ہے۔ شراب پی اور سر میں ہوا بھر گئی اور بس۔ خمر ڈھانپنے سے۔ عقل کو ڈھانپ لینے والی چیز ہے۔ اندر گئی اور عقل گم۔ آب آتشیں اور آتش تر بھی حقیقت حال پر روشنی ڈالنے والے الفاظ ہیں ؛

۲۴۔ الفاظ اخلاقی عنصر پھیلاتے ہیں

اگر اس امر کی زیادہ شہادت درکار ہو۔ کہ الفاظ اخلاقی عنصر کے پھیلانے میں کس قدر ممد و معاون ہیں۔ تو ہم تمھاری توجہ متخاصمین کے طریق عمل کی طرف دلائیں گے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ متخاصمین مذہبی مباحثات کے ہی فریق ہوں۔ اور وہ مباحثات خواہ زبانی ہوں خواہ تحریری۔ توپ و تفنگ۔ شمشیر و سناں سے لڑنے والے فریق بھی ہمارے اس بیان میں شامل ہیں۔ پہلی بات جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ یہ ہے۔ کہ اپنے لیے ایک موقر و مستحسن نام تجویز کرتے ہیں۔ نام جو حتی الامکان امر متنازعہ فیہ کا استصوابی پہلو لیے ہوتا ہے۔ اور معاً اپنے مخالفین کو ایسے نام کا مورد قرار دیتے ہیں۔ جو انھیں ہنسی۔ حقارت اور نفرت کا مستوجب ٹھہراتا ہے۔ ان کا اندرون دل۔ جس کی کیفیتوں سے وہ خود بھی قریب نا آشنا ہوتے ہیں۔

ان کے کان میں پھونک دیتا ہے۔ کہ اس کا اثر دُور تک جائے گا۔ عوام جو اِدھر اُدھر کے دلائل کا موازنہ کرنے کی مطلقاً قابلیت نہیں رکھتے۔ وہ اثرات جو یہ الفاظ برابر غیر محسوس طریق پر پھیلا رہے ہیں۔ قبول کر لیں گے۔ متخاصمین استدلال سے شاید چند اشخاص کو قائل کر لیں۔ لیکن اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ ان القاب سے وہ کثیر التعداد گروہ کے جذبات و تعصبات کو۔ جو شروع شروع میں زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اپنی طرف داری کے رشتہ میں منسلک کر لیتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت اور اہل حدیث کے باہمی مباحثات میں فریق اوّل اپنے مخالفین کو وہابی کہتا تھا۔ اور فریق ثانی اپنے آپ کو اہل حدیث اور موحّد بیان کرتا تھا۔ مرزائی اور احمدی بھی اس اصول کے تحت میں ہیں۔ اور عیسائیوں کا مسلمانوں کو محمدی کہنا بھی اسی خواہش کا نتیجہ ہے۔

۲۵۔ زبان قوم کا مقیاس الاخلاق ہے	یہ دیکھ کر۔ کہ زبان میں انسانی دل و دماغ کے نیک و بد گذشتہ کارنامے حرف بحرف محفوظ ہیں۔

اگر ہم زبان کو کسی قوم کی زندگی کے اوتار چڑھاؤ کا مستقل اخلاقی مقیاس الحرارت قرار دیں۔ تو غلطی پر نہ ہوں گے۔ قوم کی زبان کا مطالعہ خود اس قوم کا مطالعہ ہے۔ اور مطالعہ بھی نزدیک ترین اور مناسب حال مواقع سے جہاں وہ عموماً اپنا بہروپ چھوڑ دیتی ہے۔ اور جہاں تک ممکن ہے۔ اپنے اصل رنگ و روپ

میں نمودار ہوتی ہے۔ زبان کو موجودہ شکل دینے میں بے تعداد
لوگوں نے دستکاری کی ہے۔ ساری قوم کی مجموعی طاقت اس کے
بنانے میں صرف ہوئی ہے۔ جملہ افراد قوم کی متفقہ سعی نے یہ نتیجہ
پیدا کیا ہے۔ اور یہ کبھی نہ بدلنے والے قواعد و آئین کی پابند ہے
اور اس لیے اس میں کسی قسم کی دست اندازی اور تغیر و تبدل سے
حقائق کے سوا کچھ اور نکلوانا کبھی ممکن نہیں ہو سکتا۔

۲۶۔ قوم کی سبکسری — کسی قوم یا زمانہ کی سبکسری۔ متانت یا ثقاہت سے گرا ہونا۔ اس کا خود اپنی ذات سے تمسخر۔ زندگی
کے حقیقی مقصد اور شان کے ادراک میں اس کی ناقابلیت۔ بدی
اور عصیاں کے خلاف اس کی اخلاقی ناراضگی کی کمزوری۔ سنجیدہ
اور صداقت بھرے الفاظ میں۔ نسبتاً فضول یا لچر معنوں کے ذریعے
بول رہی ہوں گی۔

اسلامی دنیا میں صلوٰۃ کا تقدس اور احترام مسلّمہ ہے۔ اور ایک
مسلمان کی زبان پر اس کی عظمت و شان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔
لیکن قوم سبکسری۔ خفت عقل۔ اور ضعف ایمان کا اس سے
بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ اس قابل تحریم و مقدس لفظ
کو جمع کی صورت میں ایک ذلیل حرکت انسانی کے ساتھ وابستہ کر دیا
ہے۔ کہاں صلوٰۃ۔ اور کہاں صلواتیں۔ اور ہم ہیں کہ اس کا احساس نہیں
ہے روک ٹوک۔ بغیر کسی ملال قلبی یا ظاہری کے بھی دن رات ان

معنوں میں لفظ کو استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنی اس ذلت کو۔ اس اخلاقی اور مذہبی کمزوری اور تنزل کو لمحہ بھر کے لیے محسوس نہیں کرتے ؎

جہنم۔ (جہنم) جو حضرت مسیح کی زبان پر دوزخ کا مفہوم بیان کرتا ہے۔ عیسائی فرانس میں تھوڑی سی تبدیلی کی شکل میں خفیف تکلیف یا چھڑے سے زیادہ نہیں بیان کرتا ؎

قوم کی بیکسری کی ایک اور بیّن مثال فطرتی ہے ؎

فطرتی خود ذات انسانی سے مسخر کا کفیل ہو رہا ہے۔ اور قوم کے انحطاط اخلاقی کا ثبوت دے رہا ہے۔ فطرتی کے معنی اردو میں شریر کے ہیں اور اصلیت دیکھو تو قدرتی ہے۔ گویا شرارت خاصہ اور طبیعت انسانی ہے ؎

۲۷۔ افضل ترین اسرار روحانی کا واسطہ دنیا کی ادنےٰ چیزوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے

یہ بھی مناسب نہیں۔ کہ الفاظ جو روحانی زندگی کے افضل ترین اسرار کے لیے مخصوص ہونے چاہیئں۔ ادنےٰ دنیاوی چیزوں کے ساتھ بیجا طور پر رائج کردیے جائیں۔ حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر سے جلوہ الٰہی کی لن ترانی کا خطاب اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ کہ ہماری زندگی کے مبتذل راہوں میں ہر کس و ناکس کی ان ترانیوں کی ذلیل نسبت سے گھسیٹا جائے۔ کعبتین۔ دونوں کعبے۔ مکہ اور بیت المقدس ہیں۔ اور ہماری بدمذاقی دیکھو کہ قمار بازی سی

ذلیل کھیل کے ساتھ کھتین کو ٹانک دیا ہے۔ یہاں ہی خاتمہ نہیں۔ جوا کھیلنے میں معاملہ کی صفائی کو ہم پاکبازی کہتے ہیں۔ اور غنیمت کرتے ہیں ؛

۲۸ - اخلاقی گمراہی کھیل اور مذاق میں استعمال نہو

الفاظ جو اخلاقی گمراہی پر دال تھے۔ اب کھیل اور مذاق کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ایمان کی کمی کو حرفت۔ بے ایمانی یا بددیانتی کی صورت میں قمار خانہ کی بدمعاملگی اور تمسخر کی چالبازی سے جانچا جاتا ہے ؛

۲۹ - لفظ واحد قومی حالات کا نمونہ

بسا اوقات کسی قوم کے ایک خاص لفظ واحد کے استعمال کرنے سے ان کی واقعی حالت۔ ان کے خیالات وحسات کی رو کا زیادہ صحیح پتا لگ سکتا ہے جو کتابیں اس غرض سے تالیف کی ہوئی بھی نہ دے سکیں ؛

لفظ اسلام میں اسلامیوں کی خداپرستی۔ ان کی اللہ میاں کی رضاجوئی۔ ان کے دین وایمان کے اصول۔ خیالات وحیات مرکوز ہیں۔ یہی ایک لفظ ہے جو اسلامی زندگی۔ اسلامی عقائد اور اسلامی جذبات کا آئینہ ہے۔ گوسوامی اور گوسائیں۔ اہل ہنود گویا گائے کے احترام کو ان کی ملکیت کی عزت کے اظہار میں جتا رہے ہیں اور نروان بدھ مذہب والوں کے اصل اصول کا شاہد ہے ؛

۳۰ - ایک لفظ کا جانا اور اس کی جگہ لفظ کا آنا

بعض اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ ایک لفظ کے متروک یا غیر مستعمل ہو جاتے اور اس کی جگہ کوئی اور نام استعمال میں آجانے سے کیا کیا نتائج مترتب ہو سکتے ہیں ۞

قوم سکھاں کی تاریخ میں سکھ سے سنگھ کے نام پر تبدیلی کا اثر اور نتائج پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نام کی تبدیلی نے تاریخ قومی میں اہم نتائج پیدا کیے ہیں ۞

۳۱ - ایک لفظ کا دوسری قوم سے لینا اصولی اختلافات اور قومی خصوصیات کا مظہر

جب ایک قوم دوسری قوم سے کوئی لفظ لے کر اس کے معنوں میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے۔ اور اس میں ایک طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ جو اس میں پہلے نہ تھی۔ اور جس سے اس کے معنوں میں افراط تفریط یا تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ تو یہ سب مراتب دیگر امور سے بدرجہا بہتر طور پر دونوں قوموں کے اصولی اختلافات اور قومی خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ پرانی فارسی میں دیو۔ یہی سنسکرت والا دیو۔ دیوتا ہی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی زبان پر فارسی اور اُردو نے دیو کے معنوں میں قوموں کے اصولی اختلافات کا جلوہ دکھایا ہے ۞

۳۲ - مذہبی رسوم اور اُن کے کارپردازوں کی بے حرمتی

اس سے بھی بدتر یہ امر ہے۔ کہ مذہبی رسوم اور مذہبی کارپرداز۔ لوگوں

کی نظروں سے گر جائیں۔ اور ان کے ناموں میں تحقیر کی آمیزش ہو جائے۔ مولوی۔ اسلامیوں میں قابل تحریم شخص ہے۔ اور اسی طرح مولانا (ہمارا آقا) ملّا بھی۔ لیکن زمانہ کی ناہنجاری نے۔ ملّانا اور کٹ مُلّا۔ کی صورتوں میں اسے حقیر و ذلیل کر دیا ہے محتسب اور شیخ پر جو پھبتیاں اُڑتی ہیں۔ ان کا تو ذکر ہی کیا۔ قل آعوذیوں کی لاگت اور ان کا اس طرح تمسخر اُڑانا سخت قابل افسوس ہے۔

۲۳ - الفاظ جو اپنے ہاں نہ تھے۔ اور دیگر اقوام سے لیے گئے

ان الفاظ پر غور کرنے سے ہمارے علم میں بڑا اضافہ ہو گا۔ جو قوموں کو دوسری قوموں سے لینے پڑے ہیں۔ جو ان کے اپنے ہاں نہ تھے۔ اور جن کی اس قوم میں عدم موجودگی اس بات کی شاہد ہے۔ کہ خود موسوم شے بھی لفظ کی طرح دوسری قوم سے ہی آئی ہے۔

کلب بمقابلہ دوسری یورپین قوموں کے انگلستان کی تمدنی اور سیاسی زندگی کی ممتاز خصوصیت ہے۔ لفظ کلب یہیں کا آوردہ اور پروردہ ہے۔ دوسرے ملکوں نے ایسا لفظ پیدا نہیں کیا۔ اور اس واسطے ہر ایک نے یہ لفظ وہیں سے لیا ہے۔ انگلستان کا کلب کا مرز و بوم ہونا۔ ایسے معاشرتی اور سیاسی مقاصد کی اشاعت اور ترقی کے لیے جو اراکین کے دل کی ٹوہ لگاتے ہوں انگلستان کی خوشگوار آب و ہوا میں ہی قائم اور سرسبز ہو سکتی ہیں۔ کسی ملک میں بھی جہاں حد درجے کی ذاتی اور انفرادی نہیں۔ ان کا قیام ناممکن ہے۔ اور

اسی طرح ان ممالک میں بھی جہاں لوگ اس آزادی کو اعتدال۔ حزم اور احتیاط سے برتنا نہیں جانتے۔ ایسی انجمنوں کا دیر تک رہنا ممکنات سے باہر ہے۔ لفظ کو لے لینا تو سہل ہے۔ لیکن انگلستان کے سوا اور سب ممالک میں کلب کا ناکامیاب رہنا ظاہر کرتا ہے کہ غیر وطن میں اسے قائم کرنا۔ اور اگر قائم ہو بھی جائے۔ تو اُسے وہاں کی آب و ہوا موافق آنا سہل نہیں ؛

۲۴ - زبان میں لفظ کی عدم موجودگی کا اثر | زبان میں کسی لفظ کی موجودگی سے اس کی عدم موجودگی بھی گا ہے کم دلچسپ نہیں الفاظ جو ایک قوم کے مقبوضات ہیں۔ اور دوسری اقوام کے مقبوضات میں ان کے مقابل الفاظ نہیں۔ اور انھیں سوائے اس کے کوئی اور چارہ نہیں۔ کہ وہی الفاظ مانگ لیں یا ان کے بغیر گذارہ کریں۔ کس قدر سبق آموز ہیں ؛

وحی۔ الہام۔ شہادت۔ قربانی۔ ہند میں اسلامی تلقین کی یادگاریں ہیں۔ اہل ہند۔ ان سے نا آشنا تھے۔ مسلمان اپنے ساتھ ہی انھیں لائے۔ اور وہی ہند میں ان کی تقریب و ترویج کا باعث ہوئے ؛

۲۵ - دوسری زبان کے پُر معانی الفاظ | یہ صاف ظاہر ہے۔ کہ مذکورہ بالا الفاظ خیالات کی ان نکتہ آفرینیوں کے پیدا کردہ اور مظہر ہیں۔ جن سے قبل از اسلام ہم نا آشنا تھے۔ اور نہ ہی اس

سے پہلے ہمیں احساس ہوا کہ ایسے نام کی ضرورت تھی۔ ان میں سے کئی الفاظ بلاشبہ نازک اور دقیق نازک خیالی کے بیان کرنے والے ہوں گے۔ لیکن جس قوم کے علمی خزانوں میں الفاظ ذیل پائے جاتے ہیں۔ ان کے سینوں میں دل کی عمیق ترین تہ کا پتا دینے والے خیالات موجزن ہیں ؛

اس سلسلہ میں مروّت اور احسان قابل غور ہیں۔ مروّت کی اصلیت۔ مرد۔ انسان ہے۔ اور مروّت محض انسانیت ہے احسان۔ حسن سے۔ خوب کرنا ہے ؛

جس قوم کے مقبوضات میں یہ الفاظ ہوں۔ اس کی نیک منشی کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ کسی شخص سے مروّت سے پیش آنا۔ اچھا سلوک کرنا انسانی خاصہ سمجھے اور دوسروں پر مہربانی کرنا۔ ان کے کام آنا۔ ان پر احسان کرنا حسن عمل قرار دے ؛

۳۶۔ ہمسایہ قوموں کی نزاعوں کا آئینہ

ہمسایہ قوموں کی باہمی خفیف نزاعیں اور اختلافات جو مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ الفاظ میں ان کے استعمال میں بھی اپنا قابل افسوس جلوہ دکھا دیتے ہیں ؛

ترکوں کی چیرہ دستیاں ایرانیوں کے پسند خاطر کس طرح ہو سکتی تھیں۔ ترکوں کی زبان اور ان کی ترکی کا ایرانیوں کی نظر دل

میں کیا وقار ہو سکتا تھا۔ موقعہ پاکر دل کی بات زبان پہ آگئی ۔ اور ترکی ۔ لہجہ ۔ بے معنی گفتگو ۔ اور فی نفسہا ایک ناقابل لحاظ امر ایرانیوں کے کلام و گفتگو میں ہو گیا ع

"اے ترک من منازکہ ترکی تمام شد"

اور ترکی بہ ترکی جواب اس کے شاہد ہیں ٭

ہندوستان میں ملیچھ بھی اسی خاصہ انسانی کا نمونہ ہے۔ اوزبک احمق اور بدتمیز ہے لیکن اس خاصہ انسانی نے اوزبکوں کی قوم کو اس طرح بدنام کر دیا ہے ۔ پنڈارا ۔ مرہٹہ اور لیٹرا ہے اور اسی سلسلہ کا نام لیوا ہے اور مرہٹی ۔ بدنظمی اور لوٹ مچانا ہے ٭

۳۷ - الفاظ عالم عجائبات و اسرار | اس باب کے مضمون کو خاتمہ پر لانا اب ضروری ہے ۔ یہ مثالیں جن کی تائید مزید ہو سکتی ہے. الفاظ کے اخلاقی پہلو کو جو بیان کیا گیا ہے ۔ بخوبی روشن کرتی ہیں اور ظاہر کرتی ہیں۔ کہ الفاظ نیکی اور بدی ۔ روشنی اور تاریکی کی جنگ میں جو دنیا کے دو حصے کیے ہوئے ہیں ۔ غیر جانبدار نہیں ۔ اور وہ بحیثیت ذریعہ فہم و تفہیم ۔ کبھی سچ مچ اور کبھی جھوٹ کا ۔ ہونے پر اکتفا کرنے کے لیے تیار نہیں ۔ ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ وہ ہمیشہ طرفداری رکھتے ہیں ۔ بعض تو روشنی کے مولود ہیں ۔ اور بعض اس دنیا کے ۔ یا تاریکی کے بھی ۔ ہماری زندگی کی نبض کے ساتھ ساتھ وہ بھی

حرکت کرتے ہیں۔ ہمارے جذبات کے ساتھ وہ اُچھلتے ہیں۔ ہم
انھیں روشنی کا لباس پہناتے ہیں۔ ہم انھیں نفرت و حقارت کا
رنگ دیتے ہیں۔ وہ ہم سے ہماری نیکی اور بدی کے نقش قبول
کرتے ہیں۔ اور وہی نقوش بڑی مستعدی سے وہ آگے شائع کرتے
اور پھیلاتے ہیں۔ کیا اس سے ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی لازم نہیں
آتی۔ کہ ہمارے اردگرد ایک عالم عجائبات و اسرار ہے جس کا تا حال
ہم نے کوئی اندازہ نہیں کیا تھا۔ کیا زبان کے اس آلہ کو جس میں زخم
پہنچانے۔ اندمال کرنے۔ مار ڈالنے اور زندہ کرنے کی اتنی طاقت ہے۔
استعمال کرنا ایک نہایت ہی سوچ بچار۔ اور خطیر کام نہیں۔ اور
کیا انجیل کے اس جملہ میں کہ "تیرے الفاظ سے ہی تیری برأت ہو گی
انہی سے تیری شامت آئیگی" زیادہ عمیق معنے نہیں۔ بمقابلہ ان
معنوں کے جو حال تصور کیے جاتے ہیں ۔

فصل چہارم

الفاظ میں تواریخ

۱۔ الفاظ میں تاریخی عنصر بادی النظر میں کسی کا شاید یہ خیال ہو۔ کہ زبان علم وادب اور کتابوں کو چھوڑ کر اور جہاں یہ ہیں بھی نہیں۔ تعلیم و تعلم کے راہوں میں سے سب سے زیادہ نکمی اور غیر معتبر ثابت ہو گی۔ اور اپنی ذمہ واریوں کو یقیناً نباہنے میں قاصر رہے۔ یہ خیال تو خیر غلط ہی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یوں ہے۔ کہ زمانۂ حال اور گذشتہ میں یہی تو بڑی اور بعض اوقات اکیلی جوڑنے والی کڑی ہوتی ہے۔ اور یہی ایک ایسی کشتی نظر آئے گی جس نے اپنی آنکھوں سے انسان کی کئی نسلوں کو اور متعدد زبانوں کی یادگاروں اور نشانات کو طوفان میں غرقاب ہوتے یا بہ جاتے دیکھا ہے۔ اور خود صحیح سلامت اس پانی میں تیر رہی ہے۔ کسی زبان کے تحریرات کے دفتروں سے کہیں پہلے خود وہ زبان نظر آ رہی ہے۔ اور ہمارے استفسار کی منتظر کھڑی ہے۔ بقول ڈاکٹر جانسن یہ

قوموں کا نسب نامہ۔ ہر ایک تحریر سے جو اس کو استعمال میں لاتی ہے۔ خود قدیم تر یادگار اور دستاویز ہے۔ تحریرات تو ممکن ہے۔ کہ غفلت غرور۔ فریب سینکڑوں اسباب کی بدولت صحت سے دُور جا پڑی ہوں۔ لیکن زبان کبھی جھوٹ نہیں بولے گی۔ کبھی ہمیں دھوکہ نہیں دے گی۔ اگر ہمیں صرف اس سے ٹھیک ٹھیک دریافت کرنے کا ہنر حاصل ہو جائے ؎

۲۔ تحقیقات لفظی اور علم تاریخ میں اس کی اہمیت

اس تحقیقات لفظی سے بڑے اہم نتائج وابستہ ہیں۔ مثلاً کئی لوگ ایسے ہیں جو بوجوہات مختلف انجیل کے بیان کی صحت کو کہ کُل دنیا ایک جوڑے سے آباد کی گئی ہے۔ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اس کے ثابت کرنے کو پھر رہے ہیں۔ کہ انسان کی آبادی کے کئی ایک ابتدائی مرکز ہوتے ہوں گے۔ ان کے جواب میں بعض داناؤں نے نسل انسان کی یکساں جسمانی بناوٹ پر فخریہ استدلال کیا ہے۔ لیکن تازہ تحقیقات صریح الفاظ میں پکار پکار کر کہہ رہی ہے۔ کہ مختلف اقوام انسانی کی یگانگت پر اس سے بھی مضبوط شہادت۔ اور اخلاقی دلیل۔ زیادہ قائل کر دینے والی تھوڑے دنوں میں نمودار ہو جائے گی۔ روز بروز ثبوت بڑھ رہا ہے۔ کہ کل زبانیں۔ خواہ کس قدر ایک دوسرے سے متفاوت ہوں۔ ایک تنا اور ایک ہی چشمہ سے نکلتی ہوئی نظر آیا چاہتی ہیں۔ البتہ جو لوگ انجیل مقدس کے

بیانات کو قطعی اور مستند سمجھتے ہیں۔ انھیں ایسے ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن جب کبھی علم انسانی منزل من اللہ صداقت کی آمنّا و صدّقنا کہتے ہوئے پابوسی کرے تو ہماری خوشی مناسب ہے۔ اور ہمیں امید کامل رکھنی چاہیئے۔ کہ ایک دن آئے گا۔ جب علم انسانی خدا سے نازل ہوئی ہوئی صداقتوں کی غلامی میں آجائے گا۔

۳۔ زبان ملک کی گذشتہ تاریخ بتاتی ہے

ایسی تحقیقات بلاشبہ ہمارے دائرہ عمل سے خارج ہے۔ لیکن اگرچہ رتبہ میں کم۔ مگر دلچسپی میں برابر وہ تحقیقات ہے۔ جو ایک معمولی کتاب لغت کی مدد سے ہم کسی ملک کی گذشتہ تاریخ میں۔ اس کے باشندوں کی موجودہ زبان شہادت پر کر سکتے ہیں۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ علم طبقات الارض کا ماہر کس طرح مختلف طبقات اولین۔ دومی اور سومی۔ یکے بعد دیگرے نظر آنے والوں سے کسی حصۂ ملک کے متواتر طبعی تغیرات کا پتہ لگا سکتا ہے۔ اور اسے یہ موقعہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ گویا ان تغیرات کا وہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر رہا ہے۔ اور ان کے پیدا کرنے میں جو طاقتیں کام کرتی تھیں۔ انھیں وہ اندازہ کر سکتا ہے۔ اور قریب قریب ان کی تاریخ بھی بتا سکتا ہے۔

اُردو جیسی مرکب زبان کو سامنے رکھ کر۔ جس میں بڑے بڑے تغیرات اور انقلابات کے نقوش نمایاں ہیں۔ ہم اس ماہر کی طرح

اخلاقی اور تاریخی تحقیقات کر سکتے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح طبقات ہیں۔ کنکر۔ کھریا مٹی۔ ریت اور چونے کے نہیں۔ بلکہ ہندی، فارسی۔ عربی۔ ترکی۔ اور انگریزی الفاظ کے۔ اور ساتھ اس کے دوسری زبانوں کا کم و بیش دخل نظر آئے گا۔ اور اگر کوئی شخص زبان کو غور و فکر کی نگاہ سے دیکھنے میں مہارت رکھتا ہوگا۔ تو وہ اس زبان کے بولنے والوں کی تاریخ از سر نو ملاحظہ کرے گا۔ ان بولنے والوں کے الفاظ اس نظروں کے سامنے بکھر جائیں گے۔ ان کی مقدار جانچی جائے گی۔ اور سرزمین ہند پر ان کے گذرنے کا سلسلہ اسے معلوم ہو جائے ۔

۴ - زبان فارسی اور عربوں اور ایرانیوں کا باہمی تعلق

مثال کے طور پر ایران میں عربوں اور ایرانیوں کے باہمی تعلق کو ہی لو۔ ہمیں جو کچھ ان دونوں سے فارسی زبان کی صورت میں موصول ہوا ہے۔ اور جو کچھ اُنھوں نے فرداً فرداً زبان مذکور میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اس سے ذہانت کی نگاہ اس تعلق کا ہو بہو نقشہ اور یقیناً واقفیت کو بڑھانے والا بھی دکھائے گی۔ بفرض محال اگر کُل دیگر تحریریں نابود ہو جائیں۔ ہم ان وسائل سے ہی تاریخ بنا سکتے ہیں۔ اور موجودہ صورت میں بھی جب کہ اتنی تحریریں اور اس قدر دیگر ذریعے قائم ہیں۔ یہی وسائل سب سے زیادہ وقعت رکھتے ہیں۔ اور اس قابل ہیں۔ کہ تاریخ کے بڑے بڑے حصوں کی

طرزِ معاشرت اور دل و دماغ کے اندرونی گوشوں میں ہمیں سیلیے پھریں۔ اور یہ کسی اور سے نہ ہو سکے گا۔

۵۔ حقیقتِ حال اور نئی فارسی کا وجود میں آنا

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیے ان سب مدارج پر غور کریں۔ جو زبان کو ہم تک پہنچنے میں طے کرتے پڑتے ہیں۔ تو ہمیں زبان کے معنے خیز ہونے میں کوئی شک نہ رہے گا۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ ایرانی اور عرب ایک ملک میں رہتے تھے۔ لیکن اپنی اپنی زبان بولتے تھے۔ ایک تو مختصر جماعت فرمانرواؤں کی زبان تھی۔ اور دوسری مُلک کے عام خلائق کی زبان، رفتہ رفتہ دونوں قوموں کے خلط ملط سے دونوں زبانیں بھی خلط ملط ہو کر ایک تیسری زبان بن گئی۔ یا یوں کہو۔ کہ ایک دوسری پر حاوی ہو گئی۔ اور اس کے بہت سے الفاظ اس نے اپنے میں شامل کر لیے۔ اس طرح یکایک کئی اشیاء اور مطالب کے لیے دو الفاظ ہو گئے۔ لیکن چونکہ زبان عام میں ایک چیز کے لیے دو الفاظ کا ساتھ ساتھ رہنا مشکل تھا۔ تو یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ ایرانی اور عربی لفظ کے حقوق کس طرح فیصل ہونے چاہئیں۔ کون رہے اور کون ترک کر دیا جائے۔ اور اگر ترک نہ کیا جائے۔ تو کسی دوسرے مطلب کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ اس سے ہماری مراد یہ نہیں۔ کہ باضابطہ کوئی ایسی تجویز پیش کی گئی تھی یا کوئی امر اتفاق سے طے پانا قرار پایا تھا۔ بلکہ عملاً ایک کا ترک کرنا اور دوسرے کا اختیار کرنا مقابلہ میں آ پڑا تھا۔ بظاہر جہاں کہیں ایک

لفظ ایک قوم کی زبان پر اکثر رہتا تھا اور اس کا مرادف دوسری قوم کی زبان پر کم جہاں ایک لفظ ایک قوم کی طرز معاشرت کے ساتھ دل و جان سے وابستہ تھا۔ اور دوسری قوم کی زندگی سے دور کا تعلّق رکھتا تھا۔ جہاں ایک پر تو اس کا قابو پورا پورا تھا۔ اور دوسری پر اس کا ہاتھ کم پڑتا تھا۔ نتیجہ میں کچھ بھی اشتباہ نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک تو چل دیا۔ اور دوسرا استقلال کے مسند پر جاگزین ہو گیا۔ کئی موقعوں پر اس سے بھی زیادہ سہولت سے کام بن گیا۔ ایک نے دوسرے کو نہ نکالا۔ اور نہ ہی مقابلہ کے حقوق طے کرنے پڑے۔ کیونکہ لفظ ایک ہی تھا۔ اور دوسروں کو اس کے موضوع سے کلّی اجنبیت تھی ؛

۶۔ عربوں کی حکومت اور ایرانیوں کی محکومیت کے نشانات

ہم نے ابھی بیان کیا تھا کہ تاریخ فارس کا تعلق عربوں کے تسلط کے ساتھ ہے۔ موجودہ زبان کے الفاظ کی جماعت بندی۔ اور ہر دو اقوام نے فرداً فرداً جو الفاظ مہیّا کیے۔ ان کی اصلیّت اور حقیقت کی پڑتال سے۔ تاریخ فارس از سر نو تیار ہو سکتی ہے۔ الفاظ سے یقیناً ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ عرب حاکم تھے۔ ثروت و احتشام سلطنت، عزت اور وجاہت کے کثیر الفاظ۔ مثلاً سلطان۔ حکومت۔ خراج۔ دولت۔ اطاعت۔ بیعت۔ امیر وزیر۔ نائب السلطنت۔ ولی عہد۔ بیت المال۔ حاجب

محل - قلعہ - قبہ و دینار - اور سینکڑوں دیگر الفاظ عربی ہیں۔ حکومت عرب سے پہلے ایران کی اپنی ایک زبردست سلطنت تھی - اور تزک و فر میں۔ رونق اور دولت میں۔ شان و شوکت میں - اپنے زمانہ میں کسی سے کم نہ تھی۔ بلکہ شاید یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا - کہ اس سے بڑھ کر چشم زمانہ کو دیکھنی کم ہی نصیب ہوئی ہے - اس قبیل کے لفظ وہاں پہلے بھی تھے - اور لطافت، نزاکت اور ثقاہت میں ان سے ہمسری کے مدعی تھے - چنانچہ شاہ - دستور - موبد ارجمندی - کلاہ خسروانی - باژ - سالار - گاہ - وآئین وغیرہ اس امر کے شاہد ہیں - عربوں کے زور اسلام کی پیروی نے عربی لفظوں کو ترجیح دی - اور پرانی فارسی کے خانہ زاد - عرب نووارد دول کے زبردست تھپیڑوں سے لاچار اپنی موروثی اور قدیمی جگہ چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے - اور اگرچہ وقتاً فوقتاً زمانہ کی چالبازیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے حقوق قدامت - جتاتے رہے - لیکن اسلام کا دریا - پرانے سلسلہ کو جڑ سے بہا لے گیا تھا - اور اس کی جگہ نئی باتیں - نئے کارخانے - نئے خیال - اور نئے انتظام قائم ہو گئے - عربوں کی حکومت اگرچہ کچھ مدت بعد اٹھ گئی - لیکن زبان دوسری کل چیزوں کی طرح عربی آمیزش و رنگ میں، آج تک فخر کرتی ہے ؎

اس میں کلام نہیں ہو سکتا - کہ زبان کی اوپر کی مثال میں

شان وشوکت۔ زینت وعشرت کے الفاظ تو عربی نے دیے۔ لیکن اس کی بنیاد۔ صرف ونحو۔ اور سادہ زندگی کا کلام۔ اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے۔ ظہورات قدرت۔ مہر وماہ۔ ستارگاں۔ آسمان وزمین۔ آب وآتش۔ اوّلین تمدّنی رشتے۔ ابتدائی معاشرتی تعلقات۔ پدر۔ مادر۔ شوہر۔ زن۔ پسر۔ دختر۔ سب کے سب پارسی ہیں۔ قصر وقلعہ عربی کی نشانی ہیں۔ لیکن۔ خانہ، کاشانہ مرزبوم۔ آستان۔ بوریا۔ اور قالین عزیز تر ہیں۔ اور یہ پارسی ہیں۔ پارسی خوان عربی مائدہ اور سفرہ کی کراہیت سے مبرّا۔ اور صلائے مہمانی دیتا معلوم ہو رہا ہے۔

ایران کی پہلوانی بر وبرز کشاورزی کی محنت اٹھاتے ہیں کشاورز وہی ہے۔ اور دہقان دروستا بھی وہی۔ اور اگر اس کے عرب آقاؤں نے اس کے ہموطنوں کو کوئی نام دیا ہے۔ تو وہ حقارت نشان عجمی ہے۔ عربوں کو اپنی زبان آوری کا ناز تھا۔ ان کی یورشوں نے ملک کو ان کے قدموں میں پامال کر کے رکھ دیا مفتوحین کی زبان ان کی سمجھ میں یکایک کب آنے والی تھی۔ ان کے رُعب سے ایرانیوں کے دل دہل رہے تھے۔ ان کے سامنے سب کی زبانیں لال تھیں۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان سے کسی کو مجال گفتگو نہیں۔ عجمی۔ گونگا۔ صرف ایرانیوں کے لیے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ رفتہ رفتہ سب غیر عرب اقوام پر انہی

وجوہات سے اطلاق کرنے لگا۔ عربوں نے ایرانیوں کو عجمی کہہ دیا۔ لیکن وہ بھی انھیں تازی (اجنبی) ہی کہتے رہے۔ اور اس لفظ سے ہی عربوں کی غیر قوم حکومت کی نسبت اپنے قومی احساس کا اظہار کرتے رہے۔ اور ان کی جنبیت کو اس لفظ میں قائم رکھ کر حکومت عربی کا جو اکسی گردن ایران سے اتار دینے کے خواہاں اور کوشاں رہے ۔

زمین کی بڑی پیداوار۔ گندم ۔ جو ۔ کنجد بھی ایرانی چشمہ سے سیراب ہوتے ہیں۔ اور پالتو۔ گھریلو جانور۔ گربہ ۔ سگ۔ کبوتر ماکیاں ۔ گاؤ۔ گوسپند اصل فارسی ہیں ۔

فاتح اور مفتوح قوموں کی اخلاقی حالت کا پیرایہ بھی یہی الفاظ دکھاتے ہیں۔ اور ان کی مثالیں لطف و نصیحت سے خالی نہیں ۔ میکدہ ۔ بادہ و مے ۔ مینا و جام ۔ اور پیر مغاں سب کے سب ایرانی ہیں۔ لیکن محتسب ان کا دشمن ۔ ان کی جان کھپانے والا۔ جس سے یہ شب و روز ہراساں و گریزاں ہیں عربی النسل ہے ۔

۷۔ فارسی کا اثر عربی پر

ابتدائے زمانہ میں عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی ایسی اچھی حالت نہ تھی ۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے ان کے

لیے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے۔ بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ سکّہ کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ درخم ہے۔ اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈراہم ہو گیا ہے۔ چراغ معمولی چیز ہے تاہم اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا۔ چراغ کو لے کر سراج کر لیا گیا۔ اسی طرح کوزہ کو کوز کر لیا ہے۔ تشت فارسی لفظ تھا۔ اس کو عربی میں طشت کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں۔ یہ وہی کاسہ فارسی لفظ ہے۔ کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے۔ پاجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے ۔

ترک ذتاجیک بھی تاریخ کے ایک حصہ کا نقشہ عجب رنگ آمیزی سے کھینچ رہے ہیں۔ ترک (تور۔ ک نسبتی) توران کے باشندے ایران میں اپنی ترکتازیوں اور حکومت کے سبب اس قدر محتشم ہو گئے۔ کہ ان کی نظروں میں ایران کے اصلی باشندے جو اپنے آقاؤں کے لیے زمین میں ہل جوتتے تھے۔ اور ان کے فائدے کے لیے محنت ومشقت اٹھاتے تھے۔ سیاسی حیثیت سے کسی شمار میں نہ تھے۔ اور اپنے پہلے فاتحین عربوں کی طرح گوشۂ بے وقاری میں پڑے ہوئے تھے۔ عربوں کے ساتھ ہی تاجیک (تازی) یعنی اجنبی کہلانے لگے۔ اس لفظ کی قبولیت ایرانیوں کے

احساس حُبّ الوطنی اور ملکی عروج کے قصر کے انحطاط کی دل ڈھا دینے والی دلیل ہے۔

۸ - اردو ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ صرف فارسی اور عربی کے باہمی تعلقات تک جو ایران میں پیدا ہوئے محدود نہیں بعینہ یہی حال ہندوستان میں ہوا۔ اور اردو۔ ان سارے حالات کی اسی طرح شاہد ہے۔ اُردو کیا ہے۔ آپ نے کئی دفعہ پڑھا اور سنا ہوگا۔ اُردو کے معنی ترکی میں لشکر کے ہیں۔ مغلوں کی حکومت۔ فارسی ترکی بولنے والوں کی ہندوستان میں استقامت ہندی کا ان زبانوں سے ملاپ۔ حسب اقتضائے وقت ملکی زبان میں تبدیلیاں۔ ابزادیاں۔ فی الحقیقت ایک نئی زبان پیدا کرنے کے باعث ہوئے۔ اس زبان کی بنیاد لشکرگاہ۔ چھاؤنی میں ہی پڑنی چاہیے تھی۔ اور پڑی۔ اسی جگہ حاکم و محکوم۔ ہندی اور ایرانی مغل اور ترک کو ایک دوسرے کے ساتھ کثرت سے اور بے تکلفی سے میل جول۔ اور لین دین کی ضرورتیں ہوئیں۔ اور تبادلہ خیالات اور معاملات کے طے کرنے کے لیے ایک مشترکہ زبان کی ضرورت نے بتدریج ایک ایسی زبان کا ڈھانچہ بنا دیا۔ بس پھر کیا تھا تھوڑے ہی دنوں میں یہ ڈھانچہ ترقی کرتے کرتے اب ایک مستقل زبان۔ نئی شان اور نئے رنگ و روپ میں بن گئی۔

۹ - مسلمان اور ہندوستان

دیکھو اردو زبان میں بھی وہی تفریق ، وہی تمیز تاریخ ہند کے مختلف مدارج پر وہی صداقت نظر آرہی ہے ۔ زبان بتا رہی ہے کہ حکومت ہند میں ۔ کیا انقلاب ہوئے ۔ کون حاکم اور کون محکوم تھے ۔ اور حکومت نے ملک میں کیا اثرات پیدا کیے ۔ اور کیا شہادت یہاں مستقل طور پر قائم ہو گئی ہے ؛

زبان کا ابتدائی ڈھانچہ ۔ اسی اصول کے مطابق جس کی تشریح ہم فارسی اور عربی کے ملاپ پر کر آئے ہیں ۔ یاد رہے ۔ کہ یہاں مسلمان فاتحین کی زبان وہی نوزاد فارسی تھی ۔ جو فارسی اور عربی کے ملاپ سے پیدا ہوئی تھی) ہندی الاصل ہے ؛

اوّلین سوشل رشتے ماں ۔ باپ ۔ بہن ۔ بھائی ۔ بیٹا ۔ بیٹی سب کے سب ہندی نژاد ہیں ؛

ظہورات قدرت ۔ چاند ۔ سورج ۔ آگ ۔ پانی ۔ ہوا ۔ مٹی ۔ بادل ۔ مینہ ۔ دن ۔ رات بھی ہندی ہیں ۔ سادہ زندگی ۔ جو ہندوستان کی خصوصیات میں سے ہے ۔ اور جو محکومین کی خصوصیات میں لازمی طور پر ہوتی ہے ۔ اس کی ضروریات بھی ہندی الاصل ہیں ؛

جھونپڑا ۔ کوٹھا ۔ گھر ۔ کھیت ۔ کنواں ۔ ہل ۔ کدال ۔ کھانا پینا ۔ سونا ۔ دال بھات ۔ روٹی ۔ دودھ ۔ دہی ۔ چاول ۔ آٹا ۔ گھی دھوتی ۔ پگڑی ۔ جوتا ۔ ٹوپی سب کے سب ہندی ہیں ؛

اس میں شک نہیں ۔ کہ مسلمانوں کی حکومت اور تاحالی اُن کی موجودگی ۔ ایسے فارسی الفاظ ملک میں بکثرت سے آئی ہے ۔ جو خاص خاص حلقوں میں زندہ اور چلتے پھرتے ہندی نژاد الفاظ کی جگہ مستعمل بھی ہیں ۔ لیکن یہ امر ہماری موجودہ بحث میں قابل التفات نہیں ۔ ہمیں تو اپنے مطلب کے لیے صرف وہ الفاظ دیکھنے ہیں ۔ جو عوام کے زبان زد اور مقبول ہیں ۔ البتہ رشتوں میں عورت خاوند ۔ اور بالخصوص خصم رخصوصیت کی اصلیت پر بھی اعجب تغیرات و انقلابات سے حد سے زیادہ دخیل ہو گیا ہے ۔ اور اس طرح ظہورات قدرت میں بھی آسمان و زمین نے اپنے حقوق سے زیادہ حد بندی کر لی ہے اور آکاش اور پرتھوی کی جگہ قابض ہو گئے ہیں ۔

شان و شوکت ۔ عیش و عشرت ۔ سلطنت و حکومت کے الفاظ ۔ حکومت کی زبان میں ہیں ۔ عربی فارسی ، ملی جلی ہندوستان میں زبان کی حکومت تھی ۔ اور اسی طرح یہاں حکومت کے حلقوں میں برابر اقتدار رہی ۔ اور ان تصورات و خیالات کے اظہار کے لیے عوام کی زبان پر بھی قابو پا گئی ۔ ثروت و احتشام ۔ سلطنت ۔ عزت ۔ وجاہت ۔ امیر ۔ وزیر ۔ بادشاہ ۔ سلطان ، اطاعت ۔ فرمانبرداری ۔ مال و دولت ۔ جاہ و مرتبت ۔ آرام و آسائش ۔ مکان اور محل ۔ فرش ۔ قالین ۔ تکیہ سب کے سب حکومت سے

وابستہ ہیں۔ کھانے پینے میں نان۔ کباب۔ پلاؤ۔ زردہ۔ قورمہ۔ روغن جوش۔ بریانی۔ بورانی۔ اور پہننے میں قمیص۔ کلاہ اور دستار۔ حکومت کے ہی آوردہ ہیں۔

بہت سے عربی فارسی کے لفظ کثرت استعمال سے اس طرح جگہ پکڑ بیٹھے ہیں کہ ان کی جگہ کوئی سنسکرت یا قدیمی بھاشا کا لفظ ڈھونڈ کر لانا پڑتا ہے۔ مگر اس میں یا تو مطلب اصلی فوت ہو جاتا ہے یا زبان ایسی مشکل ہو جاتی ہے کہ عوام تو کیا خواص ہنود کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ مثلاً دلال۔ فراش۔ مزدور۔ وکیل۔ جلاد۔ صراف۔ مسخرا۔ نصیحت۔ لحاف۔ توشک۔ چادر۔ صورت۔ شکل۔ چہرہ۔ طبیعت۔ مزاج۔ برف۔ فاختہ۔ قمری۔ کبوتر۔ بلبل۔ طوطا۔ پر۔ دوات۔ قلم۔ سیاہی۔ جلاب۔ رقعہ۔ عینک۔ صندوق۔ کرسی۔ تخت۔ لگام۔ رکاب۔ زین۔ تنگ۔ نعل۔ کوتل۔ عقیدہ۔ دغا۔ درہ۔ پردہ۔ دالان۔ تہ خانہ۔ تنخواہ۔ ملاح۔ تازہ۔ غلط۔ صحیح۔ رسد۔ کاریگر۔ ترازو۔ شطرنج۔ کے باب میں تعجب ہے کہ خاص ہند کا ایجاد ہے۔ مگر عرب اور فارس سے جو پھر کر آئی تو سب اجزا کے نام اور اپنی اصطلاحیں بدل آئی۔

معلوم۔ مطلب۔ تجویز۔ حرفہ۔ موافق۔ میدان نے بھی ہندی الفاظ کو نکال دیا ہے۔ سینکڑوں لفظ عربی فارسی کے یہاں آئے

مگر ہوا موافق نہ آئی ۔ اس لیے مزاج اور صورت بگڑ گئی ۔

مُرغا ۔ فارسی میں مرغ فقط پرندہ ہے ۔ اُردو میں مُرغا خروس اور مُرغی ماکیان کو کہتے ہیں ۔ قیورق ۔ ترکی میں شے محفوظ کو کہتے ہیں یہاں جو شے حاکم کی ضبطی میں آئے اسے قرق کہتے ہیں ۔

مشاطہ ۔ فارسی میں اُس عورت کو کہتے ہیں جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے ۔ اُردو میں مشاطہ ۔ اس عورت کو کہتے ہیں ۔ جو زن و مرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کروا دے ۔

۱۰ ۔ فارسی اور ہندی کا ملاپ

انہی اصولوں پر ہوا ۔ جو عربی اور فارسی کے باہم ملاپ پر عمل میں آچکے ۔ ہمارے خیال میں اُس مرحلہ پر زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں ۔ اصول جو ہم نے ابتدا میں بیان کر دیے ہیں ۔ وہ سب یہاں بھی حرف بحرف چسپاں ہیں ۔ اور انہی کی بنا پر آپ زیادہ تفصیل سے حسب ضرورت چھان بین کر سکتے ہیں ۔ اصول اٹل ہیں ۔ ہر ایک زبان پر حاوی ہیں ۔ اور ان کے عمل سے کوئی زبان جس نے انقلابات حکومت کے آغوش میں پرورش پائی ہے ۔ نہیں بچ سکتی ۔

۱۱ ۔ انگریزی حکومت اور موجودہ زبان

البتہ ہم اس بحث کو اس طرح یہاں نہیں چھوڑ سکتے ۔ ہمیں آپ کی توجہ زبان کی موجودہ حالت کے دور پر بھی دلانی ہے ۔ آپ دیکھیں گے ۔ کہ انگریزی حکومت کے دور نے بھی انہی اصولوں کے مطابق مُلک کی زبان پر اپنی مُہر لگا دی ہے ۔ اگرچہ اس کا نقش اس قدر گہرا نہیں ۔ اور

ایسا ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ مسلمانوں کی حکومت کے سوا ابنائے وطن کا ایک بہت بڑا حصّہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اور اسلامی روایات و جذبات کو۔ جو عربی اور فارسی کے لباس میں تھے۔ اپنے دل میں جگہ دے کر ہندوستانیوں کے ساتھ میل ملاپ میں بدستور عمل پیرا تھا۔ اور یہ امر بالخصوص زبان کے بنانے میں زیادہ موثر ثابت ہوا۔ اُردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان بن گئی۔ انگریزی زبان کو اتنا دخل نہیں ہو سکا۔ اور نہ ہی اتنے دخل کے مواقع حاصل ہیں۔ مگر پھر بھی حالات نے ضروری نتائج پیدا کر دیئے ہیں۔

فیشن اور آرام و آسائش نے کرتے اور قمیض کے ساتھ کوٹ۔ واسکٹ۔ کالر۔ اور نکٹائی اور تہ بند۔ پاجامہ اور جوتے کی جگہ پتلون اور بوٹ پہنا دیئے۔ اور ہمارے آرام و آسائش کی ضروریات میں شربت اور عرق کی بجائے لیمونیڈ۔ سوڈا کو شرف قبولیت عام دیا ہے۔ حکومت کی تبدیلی نے افسران ماتحت تحصیلدار۔ منصف۔ تھانہ دار اور داروغہ کو نہیں چھیڑا۔ لیکن افسران اعلیٰ کلکٹر۔ ڈپٹی کمشنر۔ کمشنر۔ لاٹ حکومت کی باگ ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اگرچہ ادنےٰ طبقوں میں نام پرانے ہیں۔ مگر اختیارات کے استعمال۔ نئی اصطلاح سے ہی کیے جاتے ہیں۔ مجسٹریٹی اور ججی اس کی شاہد ہیں۔ اور اسی لیے محکمہ پولیس کا کانسٹیبل تک بھی اس طریق عمل کا پابند نظر آ رہا ہے۔ ملک کی تاریخ زبان سے اور اس ایک چھوٹی

سی مثال ہے جو یقیناً مفید اور غالباً دلچسپ بھی ہو گی۔ چور ہندی نژاد ہے۔ اس کی گرفتاری اور قید گذشتہ حکومت کے طریق عمل کی یادگار ہیں۔ لیکن اس عمل کا حکم اور نفاذ مجسٹریٹ اور پولیس موجودہ حکومت کے کارفرما د کارپردازوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ پھوڑا۔ پھنسی۔ ملکی عوارضات اور ہندی ہیں۔ نشتر مسلمانوں کی حکومت کا آوردہ ہے۔ لیکن اس کے استعمال کرنے کے لیے ڈاکٹر کا ہاتھ اور اس کا اوپریشن درکار ہے ؛

۱۲۔ تورانی اور پرتگیزی اثر

مُغل۔ تورانی نسل کے تھے۔ اور ان کی زبان میں تورانی یا ترکی الفاظ بھی تھے۔ جن سے چند ایک یہاں ہمیشہ کے لیے رہ گئے ہیں۔ مثلاً چلمن۔ چق۔ چقماق۔ چُغلی تغار۔ ساچق وغیرہ ترکی ہیں ؛

علاوہ ازیں حکومت انگریزی سے پہلے ایک ایک حصہ ملک میں پرتگیزوں کی آمدورفت اور حکومت بھی رہی ہے۔ اور اُنھوں نے اپنی یادگاریں الفاظ کی صورت میں یہاں چھوڑی ہیں ؛

آیا۔ پادری۔ نیلام۔ بسایا رگون) پرتگیزوں سے آئے ہیں ؛

۱۳۔ محکومین کی قوم اور زبان موجودہ قوم اور زبان کا پشتیبان رہ ہیں

ان سب باتوں کو مدنظر رکھ کر اور ان کی تائید میں اور مثالیں بھی بکثرت پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ نتیجہ لابدی ہے۔ کہ اگرچہ موجودہ زبان

میں ہندیوں کے مطیع و منقاد مغل و انگریز ہونے کے آثار نمایاں ہیں۔
لیکن ان کی معاشرت کے مستقل سلسلے باوجود دیر تک دبے اور زیر بار
رہنے کے ٹوٹتے نہیں۔ اور موجودہ قوم اور موجودہ زبان کی ٹھوس پشتیارہ
ہونے کا فخر رکھتے ہیں۔ اور ہمارے اس نتیجہ کی صحت کی تاریخی کتابیں
اور دونوں کی سوشل حالت شاہد ہیں ؎

۱۳- زبان دور کے پتے دیتی ہے

ہم نے جو اوپر بیان کیا ہے کہ اگر ملک کی تواریخ کی کل تحریری شہادت نابود بھی ہو جائے۔ تو
وہ اس ذریعہ سے ازسرنو لکھی جا سکتی ہے۔ یہی ذریعہ اقوام انسان
کی ابتدائی حالت پر روشنی ڈالنے میں علم زبان کے ماہر عمل میں لاتے
ہیں۔ انھوں نے بڑی دلچسپ باتیں اس کی بدولت نکالی اور بیان
کی ہیں۔ اس کے سہارے انھوں نے نسل اقوام کی تقسیم کر دی
ہے۔ اور ہندو۔ پارسی۔ یونانی۔ فرانسیسی۔ انگریز کو ایک ہی باپ
دادا کی اولاد دکھایا ہے۔ اور ان سب کے بزرگوں کا ابتدائی مسکن
کوہ ہندوکش قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ پدر۔ مادر۔ دختر۔ اور
ابتدائی زندگی کے کل الفاظ ان قوموں کی زبانوں میں اتفاقیہ یگانگت
کا رنگ نہیں پا سکتے تھے۔ انھوں نے ہمیں مطالعہ الفاظ سے
ہی آریا بزرگوں کی اس زمانہ کی زندگی کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ دختر بتا
رہی ہے کہ اس زمانے میں گائے بڑی جائداد اور معاش کا سہارا
تھی۔ اور گھر کی لڑکیاں اس کے دودھ دوہنے کی ذمہ دار تھیں

ان کا خاص یہ فرض تھا۔ کہ اسی لقب سے انھیں پکارا جاتا ہے۔ سنسکرت دوہتر۔ ان واقعات کو زیادہ وضاحت سے ظاہر کر رہا ہے۔ اور دوشیزہ اس امر کی تائید میں بلا فکر تردید کھڑی فرض دوشیدن کو کنواری لڑکیوں سے مخصوص کر دینے کی شہادت دے رہی ہے۔

۱۴۔ متفرق الفاظ میں تاریخی واقعات کا ذخیرہ

یہاں تک تو ہم زبان کے مختلف قومی اجزا کی باہمی نسبت کو ملاحظہ کرنے میں مصروف رہے ہیں۔ اور ہم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ نسبت مشاغل اور مراتب قومی پر منحصر ہے۔ لیکن اس بات پر خاتمہ نہیں۔ بسااوقات ایک لفظ میں ہی تاریخی خرمن جمع ہوتا ہے۔ الفاظ بڑے بڑے واقعات تاریخی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور سنبھالے ہوتے ہیں۔ واقعات جو بعض اوقات ان کے سوا اور کسی نے یاد نہیں رکھے۔

مدینہ۔ اپنی تاریخ۔ اور یقیناً اس کا دلچسپ ترین حصہ خود بتا رہا ہے۔ لغت میں اس کے معنی شہر کے ہیں۔ اور شہر مدینہ حقیقت میں مدینۃ النبیؐ یعنی پیغمبر اسلام کا شہر ہے۔ ان کے مولد و مسکن ان کے باپ دادا کا وطن نہیں۔ بلکہ ان کا وطن مالوف ان کی ایک طرح کی پناہ کی جگہ۔ ان کا پیارا شہر۔ اور ان کا مدفن۔ آنحضرتؐ کی ہجرت سے پہلے مدینہ۔ یثرب کے نام سے مشہور تھا۔ اور جب رسولؐ عربی قریش کے ستائے اپنے وطن مکہ سے رخصت ہوئے۔ تو یثرب والوں کی حمایت نے آپ کو اس شہر میں جگہ دی

ہجرت نبویؐ نے شہر کی کایا پلٹ دی - پہلے عرب اور پھر دُنیا بھر کی آنکھوں میں اس کا احتشام اس حد تک بڑھا کہ اور شہروں کو بہت کم نصیب ہوا ہے - یہیں کے فرامین نے فلسطین و مصر و شام کو تہ و بالا کر دیا - اور اسی جگہ کے احکام ایران و روما کی زبردست اور شاندار سلطنتوں کے ہلا دینے والے ثابت ہوئے - مدینہ سے اشاعت اسلام بڑھی - اور مدینہ ہی اس کی دینی و دنیوی ترقی کے گہوارہ ہونے پر ناز کر سکتا ہے ؛

مکّہ سے آنحضرتؐ کے ساتھ آنے والے مہاجرین مدینہ کے انصار - انصاری شیخوں کے بزرگ اپنی رفاقت اور مدد کو اپنے ناموں میں زندگی دوام دے گئے ہیں ؛

ہجرت کا لفظ ہی لو - آنحضرتؐ کے اپنا وطن حالات مذکورہ بالا میں چھوڑنے کی یاد میں پیروان اسلام نے اس مہتم بالشان امر کو اپنی قوم اور سلطنت کے لیے ایک سے سنہ کی ابتدا اور قیام میں محفوظ کر دیا - اسی ہجرت سے سنہ ہجری شروع ہے - اور جب تک اسلام اور مسلمان دنیا کے پردے پر موجود ہیں - یہ ہجرت اور اس کی تاریخ فراموش نہیں ہو سکتی ؛

اِسی سلسلہ میں یار غار بھی کم مفید نہیں - رسوؐل خدا صلعم کا دشمنوں سے بچ کر غار میں تین دن تک چھپے رہنا اور ایسے خطرہ کے

وقت میں کسی فرد بشر کا ان کا ساتھ دینا اہم واقعات ہیں۔ اس
عالت میں ان کا کوئی یار تھا۔ تو ایک۔ غمگسار تھا تو وہی ایک ہمدم
ہمراز۔ غار میں بھی ساتھ ان کے رنج وفکر کو اپنا رنج وفکر بنائے
ہوئے حضرت ابابکر صدیق تھے۔ اور انہی کے نام سے اس تاریخی
واقعہ کی یادگار قائم رکھنا یا غار نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

زندیق کی تاریخ فوائد علمی سے مالامال کر دیتی ہے۔ پارسیوں
کی مقدس کتاب کا نام استا ہے۔ اور یہ کتاب ان کی اصلی ابتدائی
زبان میں لکھی ہوئی ہے۔ جسے زمانہ حال کی مروجہ اصطلاحوں میں سنسکرت
کی سگی بہن یا خالہ زاد اور موجودہ فارسی کی نانی کہہ سکتے ہیں۔ ژندیا
زند سے مراد اسی زبان میں تفسیر شرح اور معانی ہیں اور معلوم
ہوتا ہے۔ کہ اول ہی اول اس لفظ کا اطلاق استا کی زبان میں
حاشیہ کتاب مذکور پر کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں متن کا پہلوی
ترجمہ اور شرح بھی متن کے برابر مقدس تصور کیے جانے لگے
اور اسی طرح پارسیوں کی مقدس کتاب استا ژند یعنی متن وحاشیہ
کے نام سے مشہور ہو گئی۔ استا کی زبان کو زند کے لفظ سے تعبیر
کرنا زمانہ حال کی غلطی ہے۔ جس کا اب درست کرنا سہل نہیں۔
زمانہ وسطی کی فارسی کتابوں میں زند صرف پہلوی تحریرات کا ہی
نام ہے۔ اور اسی لحاظ سے زندیق وہ شخص تھا۔ جو متن کی
نسبت حاشیہ۔ روایات اور توہمات کا زیادہ تر قائل ہو۔ اور

اجتماع ملت سے سرگرداں ہو کر بدعتوں کا معتقد اور عامل ہو گیا تھا اور اب اسلامیوں کی زبان پر مُرتد۔ منافق اور بے دین کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ؛

مورخین عرب کا یہ دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا۔ اس نے شمر قند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا۔ اسی بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر قند کہنے لگے۔ پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا ؛

۱۶۔ ایک لفظ ایک جنگ کی تاریخ سے زیادہ سبق آموز ہے | ہم نے فصل اوّل میں ایک بزرگ کا مقولہ نقل کیا تھا۔ کہ اکثر اوقات ایک لفظ کی تاریخ ایک جنگ کی تاریخ سے زیادہ باتیں سکھاتی ہے بیشمار الفاظ۔ مشائین۔ راجپوت۔ ذمی۔ وسهره۔ ترکتازی داعی۔ ایسی مثالیں ہیں جن میں سے کوئی ایک لے لو۔ اس مقولہ کی صداقت کے کافی شاہد ہیں ؛

لفظ مشائین۔ عربی مشی (چلنے) سے ماخوذ ہے ارسطاطالیس اور اس کے جانشین فلسفیان یونان اسی نام سے مشہور ہیں۔ اور اس کی وجہ دلچسپی کے رنگ میں لطف دے جاتی ہے۔ فلسفیان مذکور نے مسائل فلسفہ کی تلقین و تعلیم میں ایک نرالا طریق اختیار کیا ہوا

تھا۔ بیٹھ کر تعلیم دینا انھیں کبھی گوارا نہیں ہوا۔ ان کا عام دستور تھا۔ کہ ٹہلتے تھے اور بولتے جاتے تھے۔ قدم اُٹھاتے اور لفظ منہ سے نکالتے تھے۔ چلتے اور پڑھاتے تھے۔ اور اس لیے ان کے ہم خیال مشایئں (چلنے والے) کے نام سے شہرت پا گئے۔

راجپوت۔ نام سے ہی ظاہر ہے۔ کہ کسی زمانہ میں کُل ملک ہند پر حکمران تھے۔ صدیاں گذر گئیں۔ زمانہ نے کئی پلٹے کھائے۔ ملک میں کئی انقلاب ہوئے۔ نئی نئی قومیں یہاں آئیں۔ نئی نئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ لیکن راجپوتانی تلوار کی دھار کند نہ ہوئی۔ اس کی وہی تیزی۔ وہی آب و تاب وہی اور ہے۔ راجپوت تا حال ملک کے ایک بڑے حصّے پر حکمران ہے اور سلطان ابن السلطان ہونے کا دعویٰ اپنے نام اور سلطنت کے قیام میں کر رہا ہے۔

ذمّی۔ مسلمانوں کی سلطنت کی توسیع نے ان کے سیاسی اور معاشرتی امور میں اہم مسائل پیدا کر دیے۔ اور معاملہ فہم زمانہ شناس مسلم نے ان کا حل بوجہ احسن کر کے اپنی سلطنت میں استحکام اور معاشرت میں سہولیتیں پیدا کر دیں۔ ان مسائل میں مشکل ترین مسئلہ غیر مذہب قوموں کا دائرہ حکومت اسلام کے اندر آنا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے طریق عمل کا ضابطہ طے کرنا تھا۔ ملکی اور قومی لڑائیوں میں اسلامیوں کی طرح غیر مذہب

والوں کی خدمات سے فائدہ اٹھانا مشکل - اور غالباً جائز اور مناسب بھی نہ تھا۔ اور ساتھ ہی سلطنت کے انتظام میں ان کی حفاظت - ان کے جان و مال کی حفاظت ضروری بھی تھی۔ فوجی خدمت سے بریت اور حفاظت جان و مال کے لیے ان لوگوں سے علیٰ قدر مراتب ایک ٹیکس وصول کیا جاتا تھا - جسے جزیہ کہتے تھے - اور یہ لوگ اس اعتبار سے کہ ان کی ہر طرح کی حفاظت جان و مال ننگ و ناموس حکمران قوم کے ذمہ تھی - ذمی کہلاتے تھے ۔

دسہرہ ایک بڑا تیوہار ہے - اور ہر سال اپنی دلکش جھانکیوں سے ہمیں محفوظ کرتا ہے - تھوڑی دیر کے لیے اس ایک لفظ پر غور کرو - راجہ رامچندر جی کا وہ دل ہلا دینے والا بن باس - لچھمن اور سیتا جی کی رفاقت - بھرت کی حق شناسی اور حق پرستی - راون کی دیدہ دلیری اور شوخی - طاقت اور حماقت - فسوں سازیاں اور دغابازیاں اور انہی صفات کی مطابقت میں اس کی وہ مہیب شکل - وہ برو برز - وہ تن و توش - نو آدمی کے سر اور ان سب پر طرّہ دسواں گدھے کا سر - پھر اس کا استیصال - بن باس کی میعاد کا خاتمہ - بن باسیوں کی وطن میں واپسی - بھرت کی صداقت اور ایثار - اس ایک لفظ دسہرہ کے منہ سے نکالنے پر یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے - اس ایک لفظ سے ہماری حسیات و جذبات کی مختلف کیفیتیں ہمارے دل

ہیں پیدا ہوتی ہیں ہم رنجیدہ ہوتے ہیں۔ ہم تعجب کرتے ہیں۔ ہم توقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ حیران ہوتے ہیں۔ گھبراتے ہیں۔ خوش ہوتے ہیں۔ اور اخیر میں انسان کے اعلیٰ صفات کے ذہنی مشاہدوں سے ایک قسم کا سرور حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ اور اللہ کی قدرت کے تماشے دیکھ کر دل ہی دل میں مزے لیتے رہتے ہیں*

لفظ ترکتازی۔ قوم ترک۔ تاتاریوں کی تاخت وتاراج کا جو انھوں نے چنگیز خاں۔ ہلاکو۔ اور اس کے جانشینوں کی سرکردگی میں اسلامی دنیا کی تھی۔ نام لیوا ہے۔ قتل وغارت۔ لوٹ کھسوٹ اس کے معمول ہیں۔ اور ایشیائی تاریخ کے خون ریز ورق اسی عنوان کے نیچے بے رحمی کی شمشیر و سناں کی نوک سے لکھے ہوئے ہیں*

داعی۔ بھی ایک ایسی داستان کا قصہ گو ہے۔ فرقہ اسماعیلیہ۔ حسن بن صباح۔ قلعہ الموت۔ کے کارنامے۔ ان کے اس کارکن۔ داعی کی زبان عمل کا نتیجہ ہیں۔ حکومت اور مذہب کے دشمن۔ ایک پُراسرار جماعت اور سازش کے افراد۔ داعی۔ اپنی خفیہ اور عیارانہ کارروائیوں سے تاریخ دنیا میں وہ انقلابات پیدا کر چکے ہیں۔ وہ خونریزیاں۔ اور تباہیاں کرتے رہے ہیں۔ کہ آدمی سنتا ہے۔ اور حیران ہو جاتا ہے ان کا وہ خاموش بیخ دبن جسمانی و روحانی۔ اُکھاڑ پھینکنے والا عمل۔ اور اس کے وہ ہیبت ناک نتیجے پڑھ کر انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ داعی ایشیائی تاریخ میں سیاست اور مذہب ہر دو کے اعتبار سے۔ ایک بڑا

زبردست عامل اور کارفرما رہا ہے ٭

۱۷۔ اسما میں کسی غلطی کا ایما یا تلمیح سخت عیب کی بات ہے۔	ایک غلط نام بعض دفعہ سخت نا اتفاقی کا حامل ہو جاتا ہے ہمیں احتیاط رکھنی چاہیے کہ الفاظ جن میں غلطی کا ایما یا تلمیح ہو۔ زبان

میں دخل نہ پائیں۔ اخلاقی زندگی کے اعتبار سے ہم نے ایسے ناموں کی اور اس اصول کی اہمیت پر ایک نظر ڈالی ہے۔ لیکن دوسرے اعتبارات سے اور زندگی کے دیگر مدراج میں بھی یہ امر ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔ الفاظ زمانہ گذشتہ کے حامل اور زمانہ آئندہ کے عامل ہوتے ہیں۔ اور اس لیے نہایت ضروری ہے کہ تاریخ دنیا کے اہم واقعات کو صحیح نام سے موسوم کیا جائے۔ جب ہم کسی لفظ میں صداقت یا حقیقت کو نہیں۔ بلکہ غلطی اور دروغ کو منضبط کر دیتے ہیں۔ تو ہم علم کے سرچشمے ناپاک اور آلودہ کر رہے ہوتے ہیں۔ کسی چیز کے صحیح اندازہ کرنے اور سمجھنے میں جو ابتدا میں غلط طور پر سمجھی گئی ہے۔ ایسے الفاظ کا وجود رکاوٹیں پیدا کر دیتا ہے۔ جو غیر محسوس طریق پر دن رات اپنا کام کرتی رہتی ہیں ٭

اسی موضوع پر ایک مشہور جرمن مصنّف نے ایک کتاب لکھی ہے اور کتاب کا نام اس نے "زبان پر آراسٹے کا اثر" ہی نہیں لکھا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی "آراسٹے پر زبان کا اثر" ایزاد کر دیا ہے۔ اور کتاب کے زیادہ دلچسپ اور اچھوتے مضامین نام آخر الذکر حصہ میں لکھے

گئے ہیں۔ زبان پر آرائے کا اثر اس قدر مسلمہ ہے کہ اس کا بیان کرنا ہی ایک مبتذل اور پیش پا اُفتادہ بات تصوّر کی جاتی ہے۔ لیکن برخلاف اس کے الفاظ کا اثر آرائے پر بلاشبہ کئی اشخاص کو اچنبا سا معلوم ہوگا۔ با اینہمہ یہ اثر ان کے دائرہ علمی کے ہر ایک طبقہ میں زور شور سے محسوس ہوتا رہا ہے۔ خواہ وہ طبقہ سائنس کا ہے۔ یا کسی فن کا خواہ اخلاق کا۔ یا دینیات کا ؞

۱۸۔ بعض اوقات یہ غلطی اتفاقیہ اس کے مفہوم میں داخل ہوجاتی ہے۔

بعض اوقات الفاظ کسی اپنی غلطی کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ ابتدا میں کوئی غلطی ان کے مفہوم میں نہ تھی۔ غلطی کے کفیل ہوجاتے ہیں اور بعد میں اس غلطی کا حصن حصین بن جاتے ہیں ؞

زبانوں کے خانوادوں کی تعین و ترتیب میں انڈو یورپین یا آرین گروہ کے مقابلے میں زبان کے ایک گروہ کا نام سمٹک (منسوب بہ سام) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک لفظ کی ضرورت تھی۔ جو اس گروہ پر حاوی ہوتا۔ لفظ سمٹک سامنے آگیا۔ اس لفظ کے نصیب جاگے۔ بس یہی اختیار کر لیا گیا۔ اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس گروہ کی سب زبانیں حضرت سام کی اولاد کی زبانیں ہیں اور یہ صحیح نہیں۔ اس میں غیر سمٹک قومیں بھی ہیں۔ مثلاً فینیشیں۔ جو ایک سمٹک زبان بولتی تھی۔ اور ایسی سمٹک قومیں بھی ہیں جو سمٹک زبان نہیں بولتیں ؞

انڈویورپین نام کے برخلاف بھی یہی اعتراض ہو سکتا ہے۔ کئی ایک زبانیں یورپین ہیں۔ یعنی یورپ میں بولی جاتی ہیں۔ مثلاً مالٹا۔ فن لینڈ اور ترکی کی زبانیں۔ جو اس گروہ کے احاطے سے بالکل باہر ہیں ؛

۱۹۔ نام کی غلطی باعث شر

لیکن بعض اہم امور میں نام کی غلطی زیادہ شر کا باعث ہو سکتی ہے۔ مذہبی امور کے متعلق الفاظ میں صحت از حد ضروری ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ کبھی بیکار نہیں رہتے۔ بلکہ ہمیشہ ان لوگوں پر جو انھیں استعمال کرتے ہیں۔ یا انھیں استعمال ہوتا سنتے ہیں۔ خواہ ان لوگوں کو پتا لگے یا نہ لگے۔ نہایت ہی گہرا اثر ڈالتے ہیں ؛

موحدین کے نام سے اپنے آپ کو پکارنے والے اس نام سے وحدانیت کے قائل ہونے کا جو فخر ظاہر کرتے ہیں۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو اتنا ہی حاصل ہے۔ جتنا کہ ان بزرگوں کو۔ اور فی الحقیقت ہر ایک مسلمان اس نام سے پکارے جانے کا بدرجہ اتم حقدار ہے اور کسی ایک خاص فرقے کو موحد کہلانے کی کوئی بھی خصوصیت مطلقاً نہیں ؛

ایک امر نہایت ضروری ہے۔ مختلف فرقوں کے نام جو خود ان فرقوں نے یا غیروں نے ان کے لیے تجویز کیے۔ اور تاریخی حالات جن میں وہ نام تجویز کیے گئے۔ دلچسپی اور علمی واقفیت کے بیش بہا خزانوں سے مملو ہیں ؛

ان ناموں کی تاریخی تحقیقات خالی از فایدہ نہ ہوگی۔ البتہ ہمیں اس تحقیقات میں حقارت۔ نفرت۔ اور بغض و عناد سے جو بسا اوقات ان ناموں کے موجد ہوتے ہیں دُور رہنا چاہیے۔ نام تجویز کرنے والے نے خواہ کتنی ہی حقارت یا عناد سے کام لیا ہو۔ لیکن اب نام کے نظر انداز کرنے میں ہم اپنے آپ کو اخلاقی سبق سے محروم کر رہے ہوں گے۔ نام سے بہت کچھ سیکھا جاسکتا ہے۔ مطالعہ میں جہاں کہیں جو کوئی نام ملے۔ خواہ نام والے کا اپنا نام تجویز کردہ ہو۔ خواہ کسی اور کا مجوزہ۔ اور اس نے خود کبھی پسند نہ کیا ہو۔ اور خواہ ایسا نام ہو۔ کہ دوسروں کا تجویز کردہ تو ہے۔ لیکن نام والے نے بھی اپنے لیے پسند کر لیا ہو۔ علمی لحاظ سے بہرحال مفید ہوگا۔ زبان میں ایسی مثالیں بہت ملیں گی ؛

اہلحدیث خود اپنا تجویز کردہ ہے۔ سکھ۔ غیروں کا تجویز کیا ہوا۔ لیکن نام والوں کا پسندیدہ ہے۔ رافضی اور خارجی اور وہابی۔ نیچری۔ غیروں کے تجویز کیے ہوئے ہیں۔ لیکن نام والوں نے ہمیشہ انھیں ناپسندیدگی اور ناراضگی کی نگاہ سے دیکھا ہے ؛

شیعہ اور معتزلہ۔ ایسے نام ہیں۔ جو پہلے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھے گئے۔ مگر بعد میں اختیار کر لیے گئے ؛

۲۰ ۔ بعض نام حقیقت حال کے شاہد ہیں ان ناموں سے بعض تو بلا شبہ موسوم کے ساتھ قلیل تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایسے نام

اگرچہ بے سُود تو نہیں ہوتے۔ لیکن ان کا فائدہ ایسا کثیر اور بین نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ان اسماء کا ہوتا ہے جو موسوم کے اندرونی کیفیات کو اس طرح بیان کر رہے ہوں۔ کہ نام کا ذہن نشین کرنا ہی ہمارا نقطۂ نگاہ مقرر کر دیتا ہے۔ اور پھر وہاں سے ہر ایک امر مکمل طور پر سمجھ سکتے ہیں ؛

مذاہب میں فرقہ دہریہ اور لا ادریہ اپنے نام سے حقیقت حال کا پتا دے رہے ہیں ؛

اوّل الذکر اپنے نام سے ہی بتا رہا ہے کہ وہ اس جہان کی بنا علل و معلول پر ہی قائم کر کے کسی خارجی عامل ہستی کا قائل نہیں اور آخر الذکر اپنی لاعلمی ظاہر کرتا ہے۔ اللہ جلشانہٗ کے متعلق وہ سوائے اس کے اور کچھ کہنے کے لیے تیار نہیں۔ کہ وہ کچھ نہیں جانتا ؛

حال ہی میں ہمارے ہندو بھائیوں کی سناتن دھرم سبھا اور آریہ سماج کے نام بھی ہمیں بہت کچھ بتاتے ہیں۔ ان ناموں میں ہی ہمارے لیے مستفید اور مستفیض ہونے کے لیے کیا کچھ نہیں۔ اولیت کا دونوں کو یکساں دعویٰ ہے۔ اور ہر ایک اپنے نام میں ہی اپنے اصولوں کی قدامت کا اعلان کر رہا ہے ؛

یہ چند مثالیں ہیں۔ لیکن ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ کُل فرقے۔ مذہبی یا سیاسی۔ اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے ناموں میں ان ناموں پر غور کرنے والے کے واسطے فوائد کے ذخیرے جمع

کیسے ہوئے ہیں۔ ان کا ذہن نشین کرنا ہمیں ان فرقوں کی طاقتوں ، کمزوریوں۔ ان کے حقائق اور ان کی غلطیوں سے اس خیال ، مقصد اور منشاء سے۔ جس سے نام وضع کیا گیا ہے۔ آگاہ کر دے گا۔

احراری - نیچری - وہابی - سراوگی - بیراگی - احرار - انتہا پسند اعتدال پسند اور استبداد کی دلدادہ جماعتوں کے ناموں پر غور کرو۔ ان میں سے ہر ایک معنے رکھتا ہے۔ اور اگر ہمیں اس بات کی خواہش ہے۔ کہ حقیقت معلوم کریں۔ اور سمجھیں کہ یہ جماعتیں اور فرقے کیا ہیں۔ اور کیوں بنے۔ تو پہلے ان کے نام ذہن نشین کرنے ضروری ہیں۔ اور یہاں سے ایک قسم کا مرکز ٹھہرا کر ہمیں آگے بڑھنا چاہیئے۔ اور جو کچھ مزید واقفیت ہمیں اس کے متعلق حاصل ہو۔ وہ بھی اس مرکز پر موقوف ہونی چاہیئے۔ بعد کے اکتسابات اوّل تو اسی مرکز کے تحت میں ہوں گے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم ان میں اس کی نسبت اعتبار کا ہونا لازمی ہے۔

۲۲ - اسماء مفید اور دلچسپ اسباق کا خلاصہ ہیں۔ چیزوں کے نام ان کے اصلی مقامات کی نسبت سے مشہور ہو گئے ہیں

بسا اوقات اسماء سے تمہیں ایسے ایسے امور دریافت ہوں گے۔ جو ایسے اہم نہ سہی۔ لیکن اپنی جگہ پر مفید اور دلچسپ ضرور ہوں گے۔ ایجادات کا ایک دفتر اور تجارت کی پرانی تاریخ ان ناموں میں منضبط ملے گی۔ مقناطیس کا نام مغنیسیا جزائر تھسلی یونان کے ایک حصے کے نام پر ہے۔

یہی مغنسیا یا اسی نام کا حصہ ایشیاء کوچک مغنسیا دوائی کا پیدا کرنے والا ہے۔ جلاب انگریزی جیلپ میکسیکو کے ایک شہر جلاپا کے نام سے ہے:

تمباکو۔ انگریزی ٹوبیکو۔ جزیرہ ٹوبیکو سے آیا ہے:

دبیقی۔ لطیف دیبا دبیق مصر کے ایک قریہ سے منسوب ہے

شستری۔ دیبا۔ ایران کے شہر شوستر سے نامزد ہے:

کیش۔ خلیج فارس کے منہ پہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ جس کی شکل کمان کی سی ہے۔ اور اس سے کمان کو کیش کہنے لگے:

ململ جو ولایت سے ہمارے پاس مسلن کے نام سے آتی ہے اپنا انگریزی نام موصل ایشیاء کوچک کے ایک شہر سے لیتی ہے اور یہاں ململ کہلاتی ہے:

چاچی (کمان) چاچ ترکستان کے مشہور شہر سے ہے:

ختلی۔ گھوڑا۔ ختلان بدخشاں کی ایک ولایت کا پروردہ ہے:

۲۳۔ اشیاء اپنے موجد کا نام لیوا ہیں ہم نے ملاحظہ کیا ہے۔ کہ اشیاء اپنے اسماء میں مقامات کے نام جہاں سے ہمارے پاس آتی ہیں۔ قائم رکھتی ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھیں گے۔ کہ وہ اسی طرح اشخاص کے جو ان کے بانی۔ موجد۔ معلوم کرنے والے۔ یا کسی اور طرح سے ان کے ساتھ واسطہ رکھتے تھے نام لیوا ہوتی ہیں۔ کسی زبان میں ایسے ناموں کا جمع کرنا جو کبھی اشخاص کے تھے اور اب اشیا کے

ہو گئے ہیں۔ عجیب و غریب اور دلچسپ امر ہو گا۔ ہم ان میں سے چند ایک بیان کریں گے۔ جہاں تمھاری واقفیت محدود ہو۔ تو لفظ یا چیز سے شخص ڈھونڈ لگاتا۔ اور ان کے درمیان صحیح صحیح تعلق کا معلوم کرنا غیر مفید نہ ہو گا۔

اشرفی۔ اشرف ایک بادشاہ کے نام سے منسوب ہے۔ محمد شاہ (شاہ دہلی) رنگیلے کے دربار کے زبردست و نامور مغنی میاں سارنگ نے سارنگی ایجاد کی اور انہی کے نام سے مشہور ہے۔ عماری۔ عمار اپنے موجد کا نام بتا رہی ہے۔

زر جعفری۔ جعفر مشہور ماہر علم کیمیا کے نام پر ہے۔ جو بے لوث سونا تیار کیا کرتا تھا۔

علم بیطرہ یا بیطاری۔ بیطار بانی و ماہر علم مذکور کے نام پر ہے۔

بورانی (طعام) بوران حسن بن سہل کی بیٹی اور مامون الرشید کی زوجہ سے موسوم ہے۔

رضائی۔ محمد رضا موجد کے نام پر ہے ؎

از رضا دادیم دل با سرد مہر بے وفا ۔۔۔ در زمستاں ہر کسے فکر رضائی مے کند

(میر محمد راجح سیالکوٹی)

۲۴۔ ناموں پر تاریخی اشخاص کا اثر۔ تاریخ میں بھی ایسے مشہور اشخاص ملیں گے۔ جن کے کارناموں یا جن کی خوبیوں یا برائیوں کی بنا پر ان کے نام زبان زد عام ہو کر روزمرہ کی بول چال کا جزو بن گئے

ہیں ۔ حاتم کی سخاوت ۔ یوسف کے حسن ۔ اور نوشیرواں کے عدل نے الفاظ حاتم ۔ یوسف اور نوشیرواں کو سخاوت ۔ حسن اور عدل کا مرادف بنا دیا ہے ؛

نادری حکم ۔ نادر شاہ کے زبردست اور اٹل احکام کو ابھی تک یاد کراتا ہے ۔ اور جب تک اردو زبان ہے کراتا رہے گا ۔ مسیحائی حضرت عیسیٰ کی معجز نمائیوں کو بھولنے نہیں دیتی ۔ اور فرعونیت فراعنہ اور بالخصوص حضرت موسیٰؑ کے زمانہ کے فرعون کی سرکشی ۔ سرزوری ۔ حماقت اور غرور کو ہمیشہ کے لیے عوام میں ظاہر کرنے کی کفیل ہو گئی ہے ؛

ہنبق اور طفیل نے احمق اور بن بلائے دعوتوں میں چلے جانے کے لیے ہمیں ہنبق اور طفیلی کے الفاظ دیئے ہیں ؛

طفیل ۔ ایک کوفی شاعر تھے ۔ جو دعوتوں میں بن بلائے چلے جاتے تھے ۔ اور اسی وجہ سے ہر کوئی جو بن بلائے لوگوں کے ساتھ مجالس طعام میں شریک ہو جائے ۔ طفیل سے طفیلی کہلاتا ہے ۔ اور فارسی والوں نے تو اس میں یہاں تک تصرف کیا ۔ کہ طفیل وسیلہ اور ذریعہ کے معنوں میں بھی لے آتے ہیں ؛

ہنبق ایک صاحب تھے ۔ جو حماقت کا نمونہ قرار دیے گئے اور اب ہنبق احمق ہے ؛

بُزِ اخفش بھی اسی قبیل سے ہے ۔ اخفش ایک نحوی کا نام ہے اور اس کے پاس ایک بکرا تھا ۔ اخفش اپنے مسائل نحویہ بیان کرتا تھا

لتو بکرا سر ہلا دیا کرتا تھا۔ اب اس آدمی کو جو بے سوچے سمجھے کسی امر میں دخل دے - احمق - بیوقوف کو بُزاخفش کے نام سے یاد کرتے ہیں ؂

سورداس - مشہور گویا تھے اور نابینا - اب نابینا کو سورداس کہتے ہیں ؂

۲۵ - قصّے کہانیاں اور ادبیات کا اثر ناموں پر

صرف تاریخ ہی نہیں - بلکہ قصّے - کہانیاں اور ادبیات بھی ایسے کیرکٹر یا اشخاص کے نام پر جن کی ہستی ان کتابوں کی اپنی ایجاد ہے - الفاظ کو رواج عام دیتے ہیں - اور مقبولیت عام کی مہر ان پر لگا کر زبان میں انہیں داخل کر دیتے ہیں - شاہنامہ کے رستم کی شہ زوری نے رستم اور رستمی کو دلیری - تنومندی - بہادری کے لیے مسکوک کر دیا ہے - زمانہ حال میں ہی رتن ناتھ سرشار کے فسانہ آزاد کا خوجی اوراق کتاب سے باہر نکل کر بے تکلفی کی مجلسوں میں کسی نہ کسی کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے ؂

۲۶ - کئی دفعہ نام غلطی کے پیدا کرنے اور قائم رکھنے کا باعث ہوئے ہیں

گاسے گاہے یہ بھی اتفاق ہوا ہے کہ نام ایک غلطی کے پیدا کرنے اور اسے قائم رکھنے کا سبب ہوتے ہیں - امریکا - نئی دنیا کا معلوم کرنے والا - ہر ایک جانتا ہے کولمبس تھا - لیکن نام دوسرے کا ہو گیا - جس کا کوئی استحقاق اس عزت افزائی کا نہ تھا - اور نہ ہی اس کی

طرف سے کسی قسم کی کوشش اس عزت کے غصب کرنے کے واسطے عمل میں لائی گئی تھی ؂

۲۷ - کبھی آواز اور حروف غلطی کا باعث ہو جاتے ہیں | ایسا بھی ہوتا ہے کہ الفاظ میں خود کوئی غلطی تو مرکوز نہیں - لیکن آواز یا اس کے حروف غلطی کرا دیتے ہیں - ان سے احتیاط لازم ہے ؂

بندرابن کی ترکیب حرفی بتاتی ہے کہ بندر کا لفظ اس کا ایک جزو ہے - اور چونکہ ہم جانتے ہیں - کہ بندرابن میں جانور کثرت سے موجود ہے - ہم فوراً اس کی اصلیت کو بندر اور بن کی ترکیب پر محمول کرنے کی طرف ہو جاتے ہیں - لیکن حقیقت یوں نہیں - بندرابن اصل میں برندابن ہے - یعنی اشجار تلسی کا جنگل ہے - جہاں کرشن جی گوپال کی شکل میں گوپیوں کے ساتھ رہتے تھے ؂

مدمغ - ایک اور مثال اسی قبیل سے ہے - حرف کو دیکھ کر پہلا خیال اس کے ماخذ کے متعلق جو دل میں آتا ہے - وہ اسے دماغ سے منسوب کرتا ہے - مگر کسی لغات کے دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا - کہ مدمغ کا کوئی واسطہ دماغ سے نہیں - یہ دمغ سے مشتق ہے - جس کے معنی مغلوب کرنے کے ہیں - اور اس لیے مدمغ کے معنی مغلوب شیطانی ہے ؂

۲۸ - غلط اصلیت کی بنا ہجے بدلوا دیتی ہے | بعض اوقات کسی لفظ کی غلط اصلیت کی بنا پر ہم اس کے ہجے بھی بدل دیتے ہیں

لاہور میں پیر مکّی کے مزار سے کون ہے جو واقف نہیں۔ ہزارہا زائرین وہاں جاتے ہیں۔ مگر عوام میں ہجّے بدل گئے۔ اور پیر مکّی (مکّی دانہ) ہو گئے۔ اب خواص بھی یہی کہنے لگے۔ لوگوں کی خوش فہمی ملاحظہ ہو کہ اب وہاں مکّی (دانہ) کا چڑھاوا ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مکّہ سے منسوب ہے نہ کہ مکّی سے ؛

۲۹ - زبان و رسوم و حالات سوسائٹی کا آئینہ

زبان کی قدامت پسندی کی اس سے زیادہ اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ ہمیں اس میں جا بجا رسوم اور حالات سوسائٹی کے نقشے نظر آئیں گے۔ رسوم اور حالات جن کا اب نام و نشان بھی نہیں۔ اب ان الفاظ میں جلوہ نما ہیں ؛

لفظ تحریر غور طلب ہے۔ زمانہ قدیم میں غلام کی آزادی بذریعہ نوشت ہوتی تھی۔ اور تحریر آزاد کرنے کو کہتے تھے۔ حُرّ اور احرار اسی سے ماخوذ ہیں ؎

رسم است کہ مالکان تحریر ۔۔۔۔ آزاد کنند بندۂ پیر

لیکن اب غلامی اور غلاموں کی آزادی کے دن مدّت سے مفقود ہو گئے۔ لیکن تحریر تا حال لکھنے کے معنوں میں موجود ہیں ؛

خون بہا۔ اس حالت میں سوسائٹی کی یادگار ہے۔ جب قتل انسان کی قیمت قاتل سے وصول کی جاتی تھی۔ اب تغیرات زمانہ نے حالات بدل دیئے ہیں۔ لیکن لفظ زبان میں موجود ہے ؛

دیباچہ۔ اُس زمانہ کی یاد کراتا ہے۔ جب کتابوں کے سرورق زنگار رنگ کی گلکاریوں سے مزین کیے جاتے تھے۔

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کتابوں کی جلدیں چمڑے سے ان کے محفوظ کرنے کی کفیل تھیں ؎

اسیر کی اصل (اسر) بتاتی ہے۔ کہ قیدیوں کو رسّی سے باندھا کرتے تھے۔ اب رسّی کی جگہ لوہے کی ہتھکڑی اور بیڑیاں ہو گئی ہیں۔ لیکن اسیر وہی ہے۔ اور اگر اسیران سلطانی کی حیثیت میں نہ رسن نہ ہتھکڑی نہ بیڑی ہو۔ تب بھی کوئی فرق نہیں آتا ؎

بیڑا اٹھانا۔ ذمّہ لینا۔ اس کی اصلیت یوں ہے کہ اگلے زمانہ کے راجاؤں اور سرداروں میں دستور تھا کہ جب کوئی کام مشکل کرنا پڑتا تھا تو وہ اپنے ماتحتوں کو بُلا کر اوّل اس کام کی اصلیت اور حقیقت سناتے اور بعد ازاں خاصدان میں ایک گلوری رکھ کر ہر ایک کے آگے پیش کرتے تھے جو اسے اُٹھا کر کھا جاتا تھا اس پر یہ کام فرض ہو جاتا تھا ؎

پھوُل۔ وفات کے تیسرے روز تیجے کی رسم ادا کی جاتی ہے اور اُسے پھوُل بھی کہتے ہیں۔ یہ رسم بزمانہ جلال الدین اکبر ہندوؤں کی رسم سے لی گئی تھی۔ جس کی غرض یہ تھی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہر قسم کے تہوار اور تقریب میں باہمی مطابقت پیدا کی جائے جو زیادہ موانست اور یک جہتی کا باعث ہو۔ چنانچہ پھوُل اسی وجہ

سے نام رکھا گیا کہ ان کے ہاں مُردے کی سوختہ ہڈّی کو پھول کہتے ہیں۔ اور یہ سوختہ ہڈیاں پیچھے کے روز گنگا جی میں ڈالنے کو بھیج دی جاتی ہیں۔

۳۰۔ ایسے نام جو اشیاء کے بعد قائم رہتے ہیں۔ استدلال میں ان کے ماخذ نہیں آنے چاہیئں

اگرچہ نام اشیاء کے بعد بھی قائم رہتے ہیں۔ لیکن ہمیں کوئی حق نہیں۔ کہ نام کے ماخذ کو کسی استدلال میں گھسیٹتے پھریں۔ اور اس میں کلام نہیں۔ کہ مباحثات میں ایسا کیا گیا ہے۔

۳۱۔ متروک اور مسترد مسائل کے اثرات الفاظ میں باقی ہیں

مسائل جو مدت سے مسترد و متروک ہو چکے ہیں۔ ان کے اثرات بھی الفاظ میں ابھی تک باقی ہیں۔ علم طب حال میں امزجہ کا مسئلہ اب پرانے زمانے کی داستان سمجھا گیا ہے۔ خیر اس کی نسبت تو ابھی یونانی طب کا رواج اور طب مذکور میں مسئلہ متذکرہ کی قبولیت کافی دلیلیں ہیں۔ مگر اس کے سوا چرخ ۔ گردوں ۔ اور ہمایوں یقیناً متروک و مسترد خیالات کے نام لیوا ہی رہ گئے ہیں۔ گردش آسمان کا مسئلہ جو چرخ اور گردوں کے ناموں کی ابتداء کا ذمہ دار ہے۔ موجودہ زمانہ میں کوئی نہیں مانتا۔ اور نہ ہی ہما کا سایہ اب کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔

۳۲۔ اس کی مزید مثالیں

ہم نے ابھی ان غلطیوں کے الفاظ میں قائم رہنے کی مثالیں ختم نہیں کیں۔ غلطیاں جو مدت سے دور ہو گئی ہیں لیکن

زبان میں موجود ہیں۔ الفاظ ان کے حامل ہیں۔ الفاظ جو ان غلطیوں کی مقبولیت کے وقت رائج ہوئے تھے۔ پری اور دیو کا وجود اب کوئی نہیں مانتا۔ لیکن پریوش اور دیوانے ہر روز جا بجا نظر آتے ہیں۔ پرستان اور اندر کے اکھاڑے کی کوئی اصلیت نہیں۔ مگر لوگ زبان میں ابھی تک ان کے مزے لوٹتے ہیں۔ انسانی زندگی پر ستاروں کے اثرات کے ہم قائل نہیں رہے۔ مگر اپنی نیک اختر اور بد طالعی کے ذکر کرنے سے باز نہیں رہتے ؛

۳۳ - ایسے الفاظ کا استعمال اور ہمارا ضمیر

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ صرف رائے زنی کے لیے نہیں۔ کیونکہ بعض حلقوں میں یہ سچ مچ ضمیر کا معاملہ ہو گیا ہے۔ کہ ایسے الفاظ جو ابتداءً میں توہمات یا ناراستی پر مبنی تھے۔ استعمال کرنے بھی چاہیئں یا نہیں۔ سوال تو خود بخود طے پا گیا ہے۔ الفاظ اپنی جگہ نہیں چھوڑیں گے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان کا استحقاق ہے۔ کسی لفظ کی نسبت یہ احتمال نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اپنے ماخذ کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو گیا ہے۔ اور اپنی پرورش اور نشوونما اسی ماخذ سے یہاں تک پا رہا ہے۔ کہ اس سے الگ ہونا اور آزاد زندگی کا حاصل کرنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا ہے۔ بغداد۔ باغ داد کو ابھی تک بغداد کہے جانے میں بیہودگی نہیں ؛

شکنجبین۔ اگرچہ ماخذ کے لحاظ سے سرکہ اور انگبین کا مرکب ہے

مگر لیموں اور شیرہ کے مرکب کو بھی ہم اسی نام سے جانتے اور پکارتے ہیں۔ امریکہ اور دیگر اقطاع کے دریافت ہونے سے کرۂ زمین کا ایک ثلث خشکی اور آبادی ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن اسے ربع مسکوں کے نام سے یاد کرنا کوئی غلطی نہیں سمجھی جاتی۔ کل دُنیا کو ہفت اقلیم کے نام سے تعبیر کرنے میں کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا۔ چاہے موجودہ تقسیم اقالیم کچھ ہی ہو۔ اربع عناصر کو سائنس کی نئی تحقیقات نے خارج نہیں کر دیا۔ بارہ دری کے اب ضروری نہیں۔ کہ بارہ ہی دروازے ہوں۔ اور ستار تین تاروں پر محدود نہیں؛

آہنہ۔ آئینہ ہو گیا۔ اب لوہے سے تیار نہیں ہوتا۔ اور ہم اسے آئینہ ہی کہتے ہیں۔ دیوار پرانے زمانہ کے رواج کا پتا دیتا ہے دیوار کسی زمانہ میں بے شک دو سرا یہ ہو گا۔ لیکن اب سوسائٹی میں اس کا ایسا کوئی استحقاق نہیں لیکن نام موجود ہے اور روزمرہ استعمال کیا جاتا ہے؛

الفاظ اپنے ماخذ کے اس قدر دلدادہ اور حلقہ بگوش نہیں۔ کہ ان سے جُدا ہوتے ہی ناپیدا ہو جاویں۔ بعض اوقات ماخذ کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور مخالفت میں پھلتے اور پھولتے ہیں۔ زمانہ کے انقلاب ایسے ہی ہیں؛

تماشہ رمشی چلنا، اب بیٹھے بیٹھے ہی ہو سکتا ہے کہیں جا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ چلتی کا نام گاڑی ہے۔ اور زنگدار کو

نارنگی کہتے ہیں ؎

رنگی کو نارنگی کہیں ۔ بنے دودھ کو کھویا
چلتی کو گاڑی کہیں یہ دیکھ کبیرا رویا

۲۴ - ترقی و تنزل الفاظ کا تاریخی پہلو

ترقی و تنزل الفاظ پر (توقیر جو انھوں نے امتداد زمانہ سے ذلت کی بجائے حاصل کی اور ذلت توقیر کی بجائے) ہم گذشتہ فصل میں اخلاقی پہلو سے بحث کر چکے ہیں۔ اور یہ ترقی و تنزل الفاظ تاریخی اعتبار سے بھی بیحد وقیع ہے۔ الفاظ کی قسمت کے پھیر۔ انسان اور مختلف خانوادوں کی قسمت کی طرح۔ دیکھنا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز نظارہ ہے۔ بعض دنیاوی وجاہت میں بے انتہا بڑھ گئے ہیں۔ اور ایسے رُتبے پر پہنچے ہیں۔ کہ ان کی ابتدائی زندگی میں کسی کے وہم و گمان میں نہیں آ سکتا تھا۔ بعض بدنامی کا ٹیکہ ماتھے پر لگوا کر ذات پات کھو بیٹھے ہیں، اور علو مرتبت سے گر کر ذلیل اور رذیل کاموں میں سرگرداں ہیں۔

شان و شوکت اور عزت و مرتبت کے القاب و خطابات بالخصوص ترقی و تنزل کے زیر مشق ہوتے رہے ہیں۔

حاجب کا لفظ جو اسلامی حکومت کے زمانہ میں ایشیا کی سرزمین پر ادنےٰ درجہ کی خدمات پر مامور تھا۔ اُندلس کی خوشگوار آب و ہوا میں سیاسی خدمات کے اعلیٰ رُتبہ پر پہنچ گیا۔ اور اسپین کے حکمران خاندان اُمیہ کے سب سے زیادہ مقتدر اور با اختیار عہدہ کا

حاصل ہوا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ سب سے زیادہ طاقتور فرد بن گیا۔
احدی۔ مغلوں کی حکومت ہند کے زمانہ میں ایسے لوگ تھے۔
جن کے متعلق کوئی خدمت نہ تھی۔ لیکن گھر بیٹھے تنخواہ پاتے تھے۔
اب سست اور کاہل لوگوں کا نام ہے۔ بعض اوقات ایک زبان
میں کوئی لفظ ایک حیثیت رکھتا ہے۔ اور دوسری زبان میں آکر
حیثیت سے گر جاتا ہے۔
مشعلچی۔ مشعل والا۔ لیکن اُردو میں آکر باورچی خانہ میں برتن
صاف کرنے کی خدمت کے لیے مخصوص ہو گیا۔
اسلامی عرب میں ساقی پلانے والا تھا۔ اور خدا پرستی کی ضو
میں ساقیٔ کوثر کی صحبت میں اس کی علو شان نمایاں ہے۔ عیش پرست
ایران میں پہنچا۔ راگ رنگ کی مجلسیں اس کے لیے کھل گئیں۔ مے
شیراز پر بالخصوص اسے تصرف حاصل ہو گیا۔ اور شراب پلانے کی
خدمت پر مامور ہو کر بزم عشرت کا رکن رکین بن گیا۔ مے نوشی اور
مے فروشی۔ مے پینا اور مے پلانا۔ اس کی خصوصی خدمت ہو گئی۔ جب
ایران سے ہندوستان میں آیا۔ تو یہاں بھی اسی حیثیت میں اس
کی خوب آؤبھگت ہوئی۔ یہاں بھی وہی مجلسیں۔ وہی رونقیں۔ وہی
کارفرمائیاں اور وہی کارپردازیاں تھیں۔ اور چند سے رہیں۔ مگر
انقلاب زمانہ نے ہندوستان کی ان مجلسوں کی گرمی۔ ناداری کی ناگوار
آب و ہوا میں۔ آگ اور پانی کی دلکشی میں بدل دی۔ ساقی تو وہی

رہا۔ لیکن اب وہ شہر اب کی محفلیں کہاں۔ بے چارہ صبح و شام سر بازار حقہ پلانے کے رذیل پیشہ کی تک ودو سے اب اپنا پیٹ پالتا ہے۔ اور صرف خود ہی نہیں۔ بلکہ غریب کی جورو بھی جو عرب و ایران میں کبھی سامنے نہ آئی تھی۔ ہر کس و ناکس کی روشناس ہو کر یہاں روٹی کمانے کی اسی خواری میں سرگرداں ہے۔ چودھری خوشی محمد صاحب ناظر فرماتے ہیں۔

ایک دن ناظر نظارہ پسند	چاندنی چوک کو جو جانے لگا
ایک ساقی سالخوردہ ضعیف	آکے حقہ مجھے پلانے لگا
اسکے حقہ پہ سرسوں پھولی تھی	سبزہ و گل کا لطف آنے لگا
نام پوچھا کہا مبارز خاں	نام سن کر میں مسکرانے لگا
میرے ہنسنے پر رو دیا ساقی	دردِ دل رو کے یوں سنانے لگا
نسل تغلق سے ہے یہ ننگ سلف	آج یوں ٹھوکریں جو کھانے لگا
بزم آباد جب ہو گئی برہم	نام ساقی کا مجھ کو بھانے لگا

بہتر۔ فارسی کے اعلیٰ تر پایہ سے اردو میں جاروب کشی کے ذلیل ترین درجہ تک گر گیا ہے۔

۳۵۔ لفظی تاریخ کی طرف بے اعتنائی | جو کچھ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ وہ اس امر کا کافی شاہد ہے۔ اور اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ کہ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ الفاظ میں تواریخ ہے۔ غور کرو۔ کہ نقدی جو روزمرہ کے کاروبار میں ہر وقت ہمارے ہاتھ میں

نکلتی ہے۔ اس پر فرداً فرداً کوئی نہ کوئی خصوصیت قابل توجہ ہوتی ہے۔ کسی پر کوئی دلچسپ اصول لکھا ہوتا ہے۔ کسی پر کوئی مشہور واقعہ تحریر ہوتا ہے۔ کسی پر کوئی قابل یادگار تاریخ۔ بعض پر صنعت کے اعلیٰ درجہ کے نمونہ۔ نایاب اور خوبصورت نقشوں سے منقوش یا کسی پرانے حکیم یا بادشاہ کے چہرے کی تصویر ہوتی ہے۔ بعض زبردست قوموں کی جو دنیا میں اپنی شہرت کا ڈنکا بجا چکی ہیں۔ تنہا یادگاریں ہوں گی۔ اپنی علمیت کو بڑھانے اور حضرت انسان کے احساسات اور کارناموں کی طرف اس سے زیادہ لاپرواہی اور بے اعتنائی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ اگر ہم خاموش اور اسی پر قانع رہیں۔ کہ یہ نقدی آئے اور جائے۔ اور ہمارے پاس رہے۔ یا ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اور ہم ایک لحظہ کے لیے بھی اس کی طرف توجہ کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ روحانی اور ذہنی نقدی کی بعینہٖ یہی حالت ہے۔ نقدی جو کسی طرح قدر و قیمت میں کم نہیں اور ایسی کہ جس کی وساطت سے ہم نے اپنی زندگی کے اہم ترین معاملات کو طے کرنا ہے۔ ہمیں احتیاط لازم ہے۔ کہ ہم اس معاملہ میں ایسی فضول بے اعتنائی کے مرتکب نہ ہوں۔ جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

فصل پنجم

نئے الفاظ

۱۔ الفاظ کی پیدائش | مضمون جو اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔ اس کا ایک حصّہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ بڑے بڑے مہتم بالشان الفاظ مختلف زبانوں میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بعض ایسے الفاظ بھی ہیں جو کسی ایسی اہمیت کے مدعی تو نہیں لیکن ان کی ابتدا اور ان کا رائج ہونا خاص حالات سے وابستہ ہے۔ بلا شبہ سرگذشت الفاظ کے مختلف حصص آپس میں اس ملے جلے ہیں کہ ہمارے مضمون کا یہ حصّہ بھی اس سے پہلے کہیں کہیں معرض بیان میں ضرور آگیا ہے۔ تاہم یہ حصّہ ایسا دلکش ہے اور اس قدر مفید بنایا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے ایک الگ فصل دینا مناسب ہوگا۔

ہمارا تو یہاں تک یقین ہے کہ ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے جو دلچسپی میں لاثانی ہو اور صرف اس امر پر ہی محدود ہو کہ فلاں فلاں

نئے الفاظ فلاں کتاب یا رسالہ یا صحیفہ میں اوّل ہی اوّل لکھے گئے یا فلاں مصنف نے اوّل ہی اوّل استعمال کیے۔ اس فہرست الفاظ میں وہ الفاظ بھی شامل ہونے چاہئیں جو پہلے موجود تھے۔ لیکن بعد میں نئے معنوں میں مستعمل ہونے لگے اور دنیا کی تواریخ میں نمایاں ہو کر چمکے ÷

اس فہرست میں آپ کو بعض ایسے الفاظ ملیں گے جو ذہنی اور روحانی عالم کے علو درجات میں ابدی لمعات نور سے دہک رہے ہیں اور ان کا وجود میں آنا ہمارے دلوں میں وہی احساس پیدا کرتا ہے جو علم نجوم کے دلدادہ کو کسی نئے ستارہ کے انکشاف پر ہوتا ہے۔

۲۔ تنبیہ لیکن احتیاط لازمی ہے۔ ہمیں ہر ایک حالت میں بلکہ اکثر حالات میں بھی یہ فرض نہ کر لینا چاہیے کہ کسی لفظ کی پیدائش اس کے ہماری حدِ نگاہ میں آنے کے وقت عین مطابق ہو گی۔ بعض اوقات تو بے شک ایسا ہوتا ہے۔ اور ہم کسی لفظ کی پیدائش کا وقت زیر نظر رکھ کر وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں وقت یا فلاں موقعہ پر یہ عالم وجود میں آیا۔ فلاں کتاب میں۔ یا فلاں شخص کی زبان سے نکلا لیکن یہ بھی ہو گا۔ کہ ہم کسی لفظ کی نسبت صرف اتنا ہی کہہ سکیں گے۔ فلاں زمانہ کے قریب اور فلاں جگہ کے آس پاس ہی کہیں یہ پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ اول ہی اوّل ہم اس سے فلاں مصنف کی کتاب سے آشنا ہوئے۔ ایسے ایسے حالات میں، پرانی ادبیات کے چند

پریشان ورق ہی ہم تک پہنچے ہیں اور ان میں کسی لفظ کی اوّلین روشناسی تو یقیناً قابل لحاظ اور مفید ہوتی ہے۔ لیکن ہر ایک حالت میں یا کم سے کم اکثر حالات میں اس کی پیدائش کا وقت معیّن کرنا ناممکن ہے موجودہ زمانہ میں بھی ہمیں اکثر حالات میں زمانہ کے تعیّن پر قناعت کرنا پڑتی ہے۔ اور اس سے زیادہ کہنا مشکل ہوتا ہے۔ کہ ان حدود کے اندر ہی لفظ پیدا ہوا ہوگا۔ یہی حال مقامی تعیین کا بھی ہے البتّہ بعد میں مزید تحقیقات سے وقتاً فوقتاً اس کی حدود زمانی اور مکانی کا دائرہ تنگ کرنے کی سعی رہتی ہے۔

۳ - مذہب اور نور ایمان کے پیدا کردہ الفاظ

مذہب اور نور ایمان نے جو الفاظ دیے ہیں۔ ان میں سے قابل غور اور ایک طرح سے یادگار زمانہ الفاظ ذیل کا پیدا ہونا ہے

تثلیث۔ توحید۔ مسلم۔ کرسٹان۔ انصار۔ مہاجرین۔ یار غار حواری۔ نروان۔ سکھ اور سنگھ۔ تناسخ۔ تسبیح و تہلیل۔ نماز، روزہ حج۔ زکواۃ۔ ایمان۔ دھرم۔ حشر۔ دوزخ۔ بہشت۔

۴ - تاریخی اور جغرافیائی نام

تاریخی اور جغرافیائی ناموں کی ابتدا کا پتا لگانا بھی خالی از منفعت نہیں۔

پنجاب۔ ہند۔ افغانستان۔ بلوچستان۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ امرتسر شاہجہان آباد۔ اکبر آباد۔ ایران۔ توران۔ بغداد۔ جبل الطارق قرطبہ۔ وادی الکبیر۔ احمد آباد۔ لکھنؤ۔ دلّی۔ کلکتہ۔

اسلامی تاریخ میں امیر المومنین اور ذمّی بھی دلچسپ اور سبق آموز
یادگار ہیں۔

۵ - الفاظ مذکورہ بالا میں چند ایک پر پُر تفصیل بحث

متذکرہ بالا الفاظ سے دو چار الفاظ ہم مثال کے طور پر لیں گے۔ اور دکھا دیں
گے کہ ان کی سرگذشت کس قدر نتیجہ خیز ہے۔

لفظ ذمّی اسلامی تاریخ کے ابتدا میں پیدا ہوا اور حکومت کی
ذمہ داری کا احساس جو اسلامیوں کو اپنے عہد حکومت میں تھا۔ ذمّی بلا
خوف تردید ابھی تک اس کی ترجمانی کا حق ادا کر رہا ہے۔

آغاز اسلام کے ابتدا میں چند سالوں میں ہی مسلمانوں کی سلطنت
مختلف ممالک میں پھیل گئی۔ مختلف قومیں اور مختلف مذاہب حکومت
اسلامیہ کے زیر نگیں آ گئے اور احکام الٰہی اور پیغمبر خدا کی ہدایات کے
ماتحت اسلامیوں نے اپنی مختلف الاقوام اور مختلف المذاہب رعایا
کی نگہداشت اپنا فرض سمجھا۔ ان کا مال۔ ان کی جان۔ ان کا ناموس
ان کی عزّت۔ شرعاً اور قانوناً وہی ذمہ داریاں حکومت اسلامیہ پر ڈالے
ہوئے تھے۔ جو مسلمانوں کے متعلق حکومت برداشت کر رہی تھی۔ اور
ان مختلف الاقوام اور مختلف المذاہب اشخاص کے حقوق کی نگہداشت مسلمانوں
نے ہر وقت زیر نظر رکھنے کے لیے انھیں ذمّی کا نام دے رکھا تھا۔

یار غار۔ یہ آپ نے کبھی غور نہ کیا ہو گا۔ جب پیغمبر خدا کو مکّہ والوں
نے بت پرستی کی مخالفت اور توحید کی اشاعت پر تنگ کرنا شروع

کیا اور مکہ میں رہنا آپ کے لیے ناممکن ہوگیا - تو آپ نے مکہّ سے ہجرت کرنا مناسب سمجھا - دیکھو یہی ہجرت ہے جس سے سنہ ہجری شمار ہوتا ہے - آپ کی اس ہجرت میں آپ کے رفیق حضرت ابابکر صدیقؓ تھے - مکہّ سے نکلتے ہی دشمنوں کے تعاقب سے بچنے کے لیے آپ نے مکہّ کے پاس ہی ایک غار میں مقام کیا - اور اس غار میں ہر دو اصحاب بھوکے پیاسے پڑے رہے - دشمن آئے - غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا تھا - اِدھر اُدھر دیکھا اور چل دیے ان کے چلے جانے کے بعد یہ دونوں رفیق وہاں سے نکلے اور مدینہ منورہ کو چلے گئے - اس مصیبت اور بلا کے زمانہ میں ابابکر صدیقؓ نے جو آنحضرتؐ کا حق رفاقت ادا کیا - اور بالخصوص ایثار اور جاں نثاری کی آمادگی جو آپ نے دکھائی اسی کی یاد میں یارِ غار کا لفظ بن گیا ہے اور اس صداقت اور ایثار کا مرادف ہے - جو خلیفہ اوّل نے اپنے عزیز نبی کی رفاقت میں ظاہر کیے تھے -

امرتسر - پنجاب میں سکھوں کی حکومت کی ایک عظیم الشان یادگار ہے - امرتسر میں دربار صاحب کے زریں مندر کا تقدیس تالاب تالاب (سر) اپنے امرت - آب حیات سے تاریخ ہند میں شہر امرتسر کی بقائے دوام کا کفیل ہے - اور شیر پنجاب کی حکومت کے زمانہ کو سنہری الفاظ میں صفحات تاریخ پر لکھ رہا ہے -

افغانستان - افغانوں کا ملک ہے - باشندوں کی طاقت

خودداری۔ اور آزادی پسند طبیعت نے ملک سے اپنا نام نہیں لیا جیساکہ ہم پنجاب سے پنجابی کہلاتے ہیں۔ بلکہ افغانستان اپنے نام کے لیے اس قوم کا ممنون ہے۔ جس نے وہاں اپنا قیام کیا ہے *

۶۔ نئے الفاظ کی تحقیقات کے اصول

ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ نئے الفاظ۔ اور حالات جن میں وہ نئے الفاظ پیدا ہوئے ہیں اگر ہم انھیں تھوڑی سی توجہ سے ملاحظہ کریں۔ اور نظر غور سے دیکھیں تو کافی اور وافی ذخیرے ہماری ضیافت طبع کے لیے رکھتے ہیں۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ کن حالات میں اور کن اسباب سے وہ عالم وجود میں آئے۔ اور کس زمانہ میں زبان ایسے الفاظ سے زیادہ تر باروَر ہوتی ہے۔ اور وہ سوسائٹی کے کس درجہ میں عموماً پیدا ہوتے ہیں۔ اور دیگر امور بھی جو اس بحث میں مفید مطلب ہوں نظر انداز نہ ہونے چاہیئں *

۷۔ اسباب پیدائش الفاظ پر نئے اخلاقی روحانی قویٰ کا عمل

اسباب جو کسی زبان کے لغات میں ترقی دینے کی ضرورت بدرجہ ادنٰے پیدا کرتے ہیں۔ اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے واسطے الفاظ مہیا کرتے ہیں۔ عقل کل کے اس آئین کے زیر فرمان ہیں۔ جس کے رو سے تاریخ عالم کے قرون مختصہ میں بالخصوص نئے اخلاقی اور روحانی قوتیں عمل پیرا ہو کر سوسائٹی کا مرکز تک ہلا دیتی ہیں۔ اور جب کسی قوم کی یہ حالت ہے تو وہ اپنی زبان پر وہ مطالبات کرتی

ہے۔ جو بیشتر کبھی نہ ہوئے تھے۔ اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے حقائق بیان کر سکے۔ ان خیالات کے اظہار کے قابل ہو جو آغاز زبان میں اجنبی تھے۔ اور جن کے بیان اور اظہار کے لیے قدرتی طور پر الفاظ کا فی الفور ملنا سہل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ نئے خیالات اور جذبات ان خیالات اور جذبات کے مقابلہ میں زیادہ وسیع اور زیادہ عمیق ہوتے ہیں۔ جن کی اس زبان کے بولنے والوں کو عادت اور اہلیت تھی۔ لیکن جب کسی دریا کی وادی میں اس کی ندی کا پانی اس کثرت سے آجاتا ہے جو اس کی بساط سے باہر ہو۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی۔ اگر پانی دریا کے کناروں سے اُچھل پڑے۔ دائیں بائیں نکل آئے۔ یا زور سے نیا راستہ اپنے بہاؤ کے لیے بنالے۔ اور یہی صورت زبان میں نئے الفاظ کی رو کی ہوتی ہے ؎

۸۔ ظہور اسلام اور اس کا زبان پر اثر

اس حقیقت کی عظیم الشان مثال ظہور اسلام کا زمانہ ہے۔ عرب کے زمانہ جاہلیت کی زبان۔ باوجود اپنی وسعت۔ اور جامعیت کے ان حقائق اور معارف کے اظہار سے بالکل قاصر تھی۔ جن کے اظہار اور جن کی اشاعت کا اسلام کفیل ہو کر آیا تھا۔ نئے خیالات کے لیے پرانا لباس تنگ تھا اور اس لیے ضرورت تھی کہ وہ اپنے واسطے نیا ملبوس بنائیں۔ نئی روحانی شراب کے واسطے نیا خم اور نئی صراحیاں درکار تھیں۔ تاکہ سب کے

سب شراب - خم اور صراحی قائم رہیں۔ پرانے خم اور پرانی صراحیاں نہ تو اس قدر مضبوط اور نہ ہی ایسی فراخ تھیں کہ ان میں نئی شراب سما سکے ۔

معمولی الفاظ کا تو ذکر کیا ہے ۔ اللہ کا لفظ ہمارے اوپر کے بیان کی نہایت بالشان مثال ہے ۔

رسولؐ خدا کی بعثت سے پہلے اللہ کا لفظ اور اس کے مفہوم سے عربوں کی زبان اور ان کے دماغ بالکل ناآشنا تھے۔ ان کی روحانی حالت مختلف معبودوں کی عبودیت کے چکر میں ایک خدا کے خیال سے کہیں دور حیران و سرگردان تھی ۔ ظہور اسلام نے خدائے وحدہ لاشریک کی تلقین ان کے ذہن نشین کرنے کے لیے اللہ کا لفظ انھیں بتایا۔ لفظ الٰہ تو ان کے ہاں پہلے بھی تھا۔ اور اس کا مفہوم بھی مختلف اشکال میں ان سب کے دل و دماغ پر قابو پائے ہوئے تھا۔ لیکن تعلیم اسلامی نے اُن پر واضح کر دیا کہ حقیقی الٰہ ایک ہی ہے ۔ اس کی ذات پاک ہے ۔ نہ اس کی اولاد ہے اور نہ ہی وہ کسی کا مولود ہے ۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔ اور ان صفات کی ذات ۔ اللہ ہے ۔

۹ - اسلام کا تسلط ایران پر، غیر زبان میں نئی روحانی زندگی

مشکلات جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور بھی زیادہ نمایاں ہوئیں۔ جب اسلام نے ایران اور ایرانیوں میں ایک نئی روحانی زندگی کی بنا ڈالی، فارسی نے

مذہب کے نئے خیالات کے ساتھ ہی ان کے مناسب الفاظ بلا روک ٹوک لے لیے۔ اور اپنی زبان کے الفاظ میں بھی جہاں تک ہو سکا کچھ تبدیلیاں حالات کے مطابق کر لیں۔

اللہ اور صفات الٰہی کے خیالات جو اسلام نے تلقین کیے ایران کے لیے بالکل نئے تھے۔ ان کے ہاں نیکی اور بدی کی دو طاقتیں الگ الگ تھیں۔ توحید کا خیال وہاں مطلقاً موجود نہ تھا۔ اسلام قبول کرتے ہوئے ایرانیوں نے اللہ کے جمالی اور جلالی نام اپنی زبان میں داخل کر لیے اور اپنے ہاں کے یزدان کو بھی جو پہلے اہرمن بدی کی طاقت کے مقابلہ میں موجود تھا۔ دوعملی کے سلسلہ سے نکال کر وحدانیت کی کرسی پر مزین کر دیا۔ فارسی والوں نے اسی درجہ میں ایک اور لفظ کو بھی اشاعت اسلام کے بعد خداوندی کی عام اور معمولی حیثیت سے اٹھا کر خدا کے اعلیٰ و افضل رتبہ پر پہنچا دیا ہے۔

اسی قبیل میں پیغمبر اور فرشتہ بھی قابل ذکر ہیں۔ پیمبر، پیغمبر، پیامبر، پیغامبر ہے۔ اور ہر ایک قاصد کے لیے بولا جا سکتا تھا۔ لیکن اب مذہبی رنگ میں الف۔ گرا کر پیمبری۔ پیغمبری۔ خدائے جل و علا کے پیام۔ پیغام لے جانے کی عزت مخصوص ہو گئی ہے۔ فرشتہ فرستہ ہے۔ اور خدا کا فرستہ۔ اور اس صورت میں ملکوتی صفات سے متصف ہو کر علوی کا ایک فرد بن گیا ہے۔

۱۰۔ دائرہ علمی کی توسیع توسیع کلام کا باعث ہوتی ہے

آپ نے دیکھا ہے کہ جب نئے حقائق۔ اخلاقی یا روحانی۔ انسان کی زبان پر جاری ہوتے ہیں تو توسیع کلامی لابدی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ عمل توسیع۔ یہاں تک ہی محدود نہیں۔ حقائق اوّلیہ جو فطرت انسانی میں ودیعت رکھے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا درجہ بدرجہ انکشاف۔ انسان کے دائرۂ علمی۔ بیرونی یا اندرونی۔ دن بدن بڑھنے والا احاطہ۔ توسیع کلامی کی ضرورت میں پیدا کرتا ہے۔ اور ان ضرورتوں کے مطابق زبان میں ایزادی اور وسعت عمل میں آتی ہے۔ اسلام کی اشاعت سلطنت اسلامی کی توسیع اور اس کا اقتدار۔ علوم و فنون کے چرچے مذہب کی فرقہ بندیاں۔ اور مختلف قوموں کے میل جول نے جہاں کہیں مسلمان گئے۔ زبان میں نئی روح پھونک دی اور نئے خیالات۔ نئی چیزوں اور نئی باتوں اور نئے ساز و سامان کے ساتھ ساتھ زبانوں نے بھی نئے ڈھلپچے بدلے۔ نئے الفاظ۔ نئی ترکیبیں اور نئی طرز تحریر و تقریر اختیار کی ۔

مذہب۔ فلسفہ۔ اور طبیعیات نے ترقی زبان میں معتدبہ حصّہ لیا ہے۔ اور ان الفاظ میں سے جو ان شعبوں نے ایزاد کیے ہیں۔ اکثر بلاشبہ اپنے مخصوص دائرہ سے باہر نہیں نکلے۔ اور خاصتہً اصطلاحی علمی یا مذہبی الفاظ ہی رہے ہیں۔ لیکن ایک کثیر تعداد الفاظ کی طبیعیات کے عملی زاویہ۔ مدرسہ۔ یا منبر و محراب سے نکل کر روزمرہ کی

زبان میں رائج ہو گئے ہیں۔ اور ان خیالات کے ساتھ ہی جو ان کے
محمول ہیں۔ ہر ایک کا ورثہ بن گئے ہیں۔ کیونکہ اصطلاحی اور علمی الفاظ
کو عام لوگ کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کرتے ہوں پھر بھی یہ طریق عمل برابر
جاری ہے۔ اور اس کا مفصل پتا لگانا فائدہ اور لطف سے خالی نہ
ہوگا ۔

۱۱- مقبول عام تحریکیں نئے الفاظ وجود میں لاتی ہیں

جہاں کوئی تحریک قبولیت عام لیے ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے دل اور دماغ
اس میں منہمک ہو رہتے ہیں۔ اس کے متعلق نئے الفاظ عوام الناس کے
دل سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کا ظہور کسی ایک آدمی سے
منسوب کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ سب کے دل سے نکلتے ہیں۔ اور
سب کی ملکیت ہوتے ہیں۔ لیکن جہاں تحریک بالخصوص دائرہ
دینیات تک محدود ہو یا فلسفہ وطبیعیات کے ایسے شعبوں کے متعلق ہو
جن میں چند افراد ہی دیدبانوں یا رہنماؤں کی حیثیت سے حصہ لے سکتے
ہیں۔ وہاں زبان کی توسیع میں وہ آزادی۔ اور وہ شوخی نہ ہوگی جو
پہلی صورت میں ہونی ضروری ہے۔ ان الفاظ میں زیادہ بناوٹ اور
کمتر آزادی ہوگی۔ یہاں بھی ایک فرد قوم کی ذہانت طبع جیسا کہ وہاں
قوم کی مجموعی طاقت۔ لبسا اوقات اپنا نشان لگا دیتی ہے۔ اور فرداً
فرداً کئی ایک الفاظ ہوں گے۔ جو بڑے غور وفکر۔ یا طبیعت رسا
کے فوری عمل یا ہر دو کے نیک اجتماع کا نتیجہ ہیں۔ الفاظ جو

ایک وسیع دائرہ میں۔ قبل ازیں تار و تاریک دائرہ شمع کی طرح۔ روشنی
پھیلا رہے ہیں اور ممکن ہے کہ اس کی لو کہیں دُور کی نامعلوم فضا
میں بھی لگی ہوئی ہو۔ الفاظ جو زمانہ گذشتہ کے ایک خاص حصہ
کے جُملہ محاصل جمع کیے ہوئے ہیں اور ان میں دماغ انسانی کو غیر مفتوحہ
علاقوں میں اپنے مقبوضات بڑھانے کا ایک زبردست جولانگاہ مل جاتا ہے:

۱۲- ممتاز افراد نئے الفاظ بناتے ہیں

مولانا آزاد فرماتے ہیں:-

ہر زبان کے فصحا کا قاعدہ ہے کہ اپنی زبان میں
تصرفات لطیف سے کچھ ایجاد کر کے نئے الفاظ اور اصلاحیں پیدا
کرتے ہیں۔ ہماری اردو بھی اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہی۔ ان
اصطلاحوں کی بنیاد اگرچہ اتفاقی پڑتی ہے۔ مگر ان لوگوں کی طبیعت
سے ہوتی ہے جو علم کے ساتھ فکرِ عالی۔ طبیعت براق۔ ذہن پر ایجاد
اور ایجاد دلپذیر رکھتے ہیں۔ انہی کے کلام کو خاص و عام کے دلوں میں
بھی اثر ہوتا ہے کہ بات سب کے دلوں کو بھلی لگتی ہے۔ اور اسے اختیار
کر لیتے ہیں۔ مثلاً گھوڑے کا رنگ جسے ہندوستان میں اسے سرنگ
اور پنجابی میں چنیا یا ککا کہتے ہیں۔ فارسی میں اسے کرنگ کہتے ہیں چونکہ
بھاشا میں ک۔ علامت بدی۔ اور س۔ علامت خوبی ہے۔ اس لیے
اکبر نے اس کا نام سرنگ رکھا۔ گھوڑے کی اندھیری کا نام اُجیالی
رکھا کہ نیک شگون ہے۔ خاک روب کو حلال خور کا خطاب بھی اسی
ذرہ نواز بادشاہ کا بخشا ہوا ہے۔ جہانگیر کی رنگیلی طبیعت نے

شراب کا نام رام رنگی رکھا۔ اور اس کو زمانہ سی کے شعرا نے اشعار میں بھی باندھا ؏

طالب آملی سے

نہ ایم منکر صہبا ولیک میگویم ۔ کہ رام رنگیٔ ما نشۂ دگر دارد

سنگترہ کو اس کی خوش رنگی کے سبب سے محمد شاہ نے رنگترہ کہا۔ بلبل ہندوستان کا گلدم نام رکھا۔ بار کے لفظ کو بدشگون سمجھ کر پھلمال کہلوایا۔ شاہ عالم نے سرخاب کو بھی گلسرہ کہا۔ مگر اس نے رواج نہ پایا۔ نواب سعادت علی خاں مرحوم نے ملائی کا نام بالائی رکھا۔ کہ لکھنؤ میں عام اور دلی میں کم رائج ہے۔ مذاق سلیم دونوں کے لطف میں امتیاز کر سکتا ہے"

مسلم۔ آجکل ایک عام لفظ ہر ایک کلمہ گو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے اطلاق میں ہرگز ہرگز اس امر کی تمیز یا پرواہ نہیں ہوتی کہ لفظ مسلم کی حقیقت کیا ہے۔ کون لوگ اس نام سے پکارے جانے کے قابل ہیں۔ یہ لفظ کس طرح وجود میں آیا۔ اوّل ہی اوّل کس نے اور کسے اس نام سے موسوم کیا اور کیا اسباب جس شخص کے لیے ہم اس لفظ کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس قابل بھی ہے یا نہیں کہ اس جماعت میں جس کا مسلم اوّل ایک فرد تھا۔ شمار کیا جا سکے۔ نام۔ نامزد کرنے والا۔ اور مسلم اوّل۔ اس اعلیٰ رتبہ اور پایہ کے ہیں کہ انکشاف حقیقت پر تمھیں معلوم ہو جائے گا

کہ لفظ مسلم کی شان اس امر کی متقاضی ہے کہ اس کا موسوم کسی حالت میں بھی نام کو بٹا نہ لگائے۔

اوّل ہی اول فرقان حمید نے اُس مذہب کو جس کی اشاعت کا وہ خود کفیل ہے اسلام کے نام سے یاد کیا۔ اور اسی کلام پاک میں ہی رسول خدا کو اوّل المسلمین کا لقب عطا ہوا۔ کلام اللہ شاہد ہے کہ رسول کریم نے فرمان الہٰی کے مطابق اپنے آپ کو اوّل المسلمین فرمایا اور بعد آپؐ کے شیدائیوں نے اسی ہدایت ربانی کے بموجب مسلم اوّل کی بیعت میں مسلم شاندار نام اختیار کیا۔

ولی عہد کا لفظ بھی اس موقعہ پر قابل غور ہے۔ خلفائے بنو امیہ اس لفظ کے رواج کے ذمہ دار ہیں۔ جب امیر معاویہؓ نے سلطنت اسلامی اپنے قبضہ میں لی اور سیاسی حالات نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ سلطنت اب ان کے خاندان میں رہے۔ تو انھوں نے اُس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اسلامیوں کے مشہور ایفائے عہد کے وصف سے فائدہ اُٹھانے کی ٹھانی۔ مسلمانوں سے عہد لیا کہ ان کے بعد وہ ان کے بیٹے کو خلیفہ بنائیں گے۔ اور اس عہد کی پختگی بیٹے کے ہاتھ پر باضابطہ بیعت کرانے سے کر لی۔ اس طرح اُس بیعت کے عہد کا ولی یعنی مالک۔ حکمران خلیفہ کی زندگی میں ولی عہد کے نام سے موسوم ہو گیا ہے اور اب رفتہ رفتہ وارث تاج و تخت بلا لحاظ کسی

بیعت یا عہد کے اسی نام سے پکارا جاتا ہے

۱۳۔ الفاظ بنانے میں شاعر کا حصہ

افراد کے غور و فکر کے بعد الفاظ بنانے اور عوام الناس کے منہ سے الفاظ کے خود بخود پیدا ہونے کے درمیان ایک شخص بھی ہے جو الفاظ بنانے میں سب سے زیادہ ممد و معاون ہے اور یہ شخص بلاشبہ شاعر ہے۔ اس کی نازک خیالی۔ بلند پروازی اور خیال آفرینی اس میدان میں بھی اس چستی اور ہنر سے کام کرتی ہے جو شاعر کا خاصہ ہے۔ وسعت نظری اور حسن کے ساتھ ساتھ ہی وہ زبان کی بھی توسیع کر رہا ہوتا ہے۔ اس کی بار آور طبیعت کے نوزائیدگان نئے نئے خیالات۔ نئے نئے حسیات۔ اور ان کے لیے نئے نئے لفظی لباس۔ زبان کی دولت و حشمت میں دن رات بیش بہا ایزادی کرتے ہیں۔ اور اس دولت و حشمت کی مقدار شاعر کی بلند خیالی کے اندازہ سے ہو گی۔ کیونکہ اسی بلند خیالی کے وقت کے جذبات۔ روحانی طبیعت کے زور میں بیان کی وہ جدت آفرینیاں کریں گے کہ وہ خود بھی اپنے معمولی حالات میں ان کی جرأت نہ کرتا یا اگر جرأت بھی کرتا تو لوگوں کو بلند خیالی کی اس چاشنی کے بغیر۔ جو صراحتاً ان حالات میں معدوم ہو گی۔ اپنے ہمراہ لے جانے سے یقیناً قاصر رہتا۔ صرف یہی نہیں کہ پرانے اور دیرآشنا الفاظ ہی شاعر کی زبان پر نئی صورتیں اور نئے مذاق پیدا کر لیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ الفاظ جو آج تک لوگوں کی زبان پر جاری ہے

یا کسی مقامی بولی تک ہی محدود تھے۔ شاعر کی مہرِ قبولیت سے
انھیں نئے رنگ میں شہرتِ عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ اپنی
مادری زبان کو الفاظ سے جنھیں پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جن کا
وجود بھی نہ تھا۔ معمور کر دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ زبان کے
تاریخی زمانہ میں کوئی شخص اس امر کا مجاز نہیں کہ وہ سوائے موجودہ
مفردات پر عمل کرنے کے اور کچھ دخل دے۔ اور شاعر کو بھی اس
سے زیادہ حق نہیں۔ وہ بھی ان مفردات کے مضمر خاص کو نشوونما
دیتا ہے۔ مختلف اجزاء کو یکجا کر کے ملاتا ہے۔ اور بھولے بھٹکوں
کو راہ پر لے آتا ہے۔ اور اسی عمل کو ہم نے عدم سے عالم وجود میں
لانے سے تعبیر کیا ہے۔

۱۴- الفاظ کی ترویج غور و فکر سے

بغور و فکر الفاظ بنانے کے مضمون کی طرف ہم پھر عود کرتے ہیں۔ زمانہ حال کی نئی ضرورتوں
نے پچھلے چند سالوں میں ہی زبان میں کئی ایک نئے الفاظ پیدا کر
دیئے ہیں۔ سیاسی تحریک کی رو نے ایک سرے سے لے کر دوسرے
سرے تک ایشیائی ممالک کو تہ و بالا کر دیا ہے۔ اور اہم تغیرات سیاسی
اور نظامی جو وقوع میں آئے ہیں۔ انھوں نے نئے الفاظ ہر ایک ایسی
مملکت کی زبان کو دیئے ہیں۔ اور چونکہ ہندوستان کی زبان ان
ممالک کی زبانوں سے ایک واسطہ رکھتی ہے۔ یہاں بھی اسی تحریک
کی رو کے دور دراز اور لہذا اکثر ورلڈوں نے ان نئے الفاظ میں سے

چند ایک ادھر بھی پھینک دیتے ہیں جو بخوشی چن لیے گئے ہیں۔

مثال کے طور پر مجلس ملیہ۔ مبعوثین ۔ نمائندے۔ حریت ۔ حزب الاحرار اور استبداد کافی ہوں گے ۔

خود ہندوستان میں عدم تعاون ۔ نال ورتن اور ستیاگرہ۔ مہاتما گاندھی کی سیاسی تحریک کے مرہون منت ہیں۔ اور سوراج ۔ سوراج سبھا۔ اور رضاکار بھی اسی تحریک کے آوردہ اور پروردہ ہیں دنیا کے اس خونریز ترین جنگ نے بھی ہر ایک زبان پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ آب دوز کشتی اور طیارہ یعنے ہوائی جہاز اسی اثر کے نشانات ہیں۔ لفظ معرب بھی اسی قبیل میں سے ہے۔ عرب والوں نے جب دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنی زبان میں لینا چاہا اور عربی ان الفاظ کو ان کی موجودہ صورت میں قبول کرنے سے قاصر نظر آئی۔ تو اُنھوں نے الفاظ مذکورہ کو عربی لباس پہنا کر شامل کر لیا۔ اور اس تبدیلی لباس کا نام تعریب رکھا اور ان الفاظ کو معرب کہنے لگے۔ گیس سے غاز۔ بیٹری آرک سے بطریق ۔ اسی عمل تعرب کے شاہد ہیں۔

۱۵۱۔ زبان میں ہمنوائی کے اثرات زبان میں ایک بڑے پیمانہ پر جو ہم نوائی کی تحریک جاری ہے اس سے آلہ ہائے صوت بعض الفاظ کے کسی حرف کو دوسرے مناسب حرف سے جو لفظ میں پہلے ہی سے آگے یا پیچھے موجود ہے تبدیل کرنے میں آسانی اور سہولیت پاتے ہیں

بدتر سے بتر۔ دال اگر تحریر میں بھی آدے تو بولی نہیں جاتی۔ اور شب پر رچمگاڈرم سے شپّرہ مثالیں اس تبدیلی کی ہیں ۔ یہ تبدیلی ضروری نہیں کہ ہمیشہ حرف موجودہ کی صورت اختیار کرے۔ بعض اوقات محض اس کی رعایت مخرج سے ہی تبدیلی عمل میں آتی ہے۔ اور نیا حرف اسی رعایت سے اختیار کیا جاتا ہے ۔ ہڑتال ۔ ہٹ تالا کا مرکب ہے ۔ ٹ اور ت کا اتصال کرخت ہے ۔ اور ڑ اسی آواز کو نرم طور پر۔ اور ت کے مناسب حال ادا کرتی ہے ۔ ہٹ تالا سے ہٹ تال اور پھر ہڑتال کی صورت عیاں ہے ۔ اسی سلسلہ میں لفظ زیور بھی قابل توجہ ہے ۔ اس کی اصلیت زیب ور نظر آرہی ہے ۔ لیکن بولنے میں ب اور د کے اجتماع نے سہولیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ب کو د میں تبدیل کر کے گرا دیا ہے ۔ اسی تحریک کے دوش بدوش ایک متقابل تحریک بھی اپنا کام کرتی ہوئی دکھائی دے گی ۔ اور یہ اُس حالت میں جب کہ ایک لفظ میں کوئی حرف بار بار آکر آواز میں کراہت یا بولنے میں درشتی پیدا کرتا ہے ۔ دیکھو ہولدری کی اصلیت کیا ہے ۔ ہول دلی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے ۔ لیکن اسی تحریک نے دلی کی لام ۔ رمیں تبدیل کر دی ہے ۔ مولسری رپھول کا نام ا بھی اسی ذیل میں ہے ۔ دراصل مور کی مشابہت سے مورسری نام تھا ۔ لیکن اصول متذکرہ بالا کی وجہ سے مولسری ہو گیا ۔ انب سے آم ۔ اور انبالہ ۔ امبالہ

صوت یا آواز کے اعتبار سے تبدیلیاں ہیں جو نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی دنبالہ بھی ملاحظہ طلب ہے۔ ایک طرف تو سہولیت صوتی نے نب کی جگہ الف کے بعد میں میم کو دی ہے اور دوسری طرف الف کے قبل میں میم کی بجائے نب کو اختیار کیا ہے۔ ناامید کی بجائے نومید بھی تم نے کئی بار سنا اور دیکھا ہوگا۔

۱۶۔ نئی معاشرتی ضرورتیں نئے الفاظ پیدا کرتی ہیں

نئی ضرورتیں اور نشو و نمائے سوسائٹی جو معاشرت کے شاخ در شاخ راہیں نکالتی ہے۔ نئے نئے الفاظ بھی پیدا کر دیتی ہے۔ ان کا ظہور ضرورت وقتی سے عمل میں آتا ہے۔ زمانہ گذشتہ میں نہ ان کی ضرورت تھی اور اس لیے نہ ہی ان کا وجود تھا۔ الفاظ تہذیب و تعلیم یافتہ اردو زبان میں زمانہ حال ہی سوسائٹی کے ایک خاص گروہ اور ان کی حالات و عادات کے آوردہ اور مدح سرا ہیں۔ اخبار اور روزنامہ بھی اسی اصول کے تحت میں نمودار ہوتے ہیں۔

۱۷۔ پرانی چیزوں کے لیے نئے ناموں ضرورت

صرف نئے چیزیں ہی نئے ناموں کی متقاضی نہیں ہوتیں۔ بسا اوقات منکشف ہوتا ہے کہ پرانی چیزوں کا کوئی نام ہی نہیں۔ یا اگر ہے بھی تو وہ کسی دوسری چیز کے ساتھ مشترک ہے۔ اور اس طرح بار بار مغالطہ میں ڈالنے کا باعث ہوتا ہے۔ بالعموم لوگوں کو اس کمی کا یوں پتہ چلتا

ہے۔ کہ اپنی زبان کا دوسری زبان سے مقابلہ کرتے ہوئے۔ جو زیادہ
وسیع ہوتی ہے۔ اور جس کے خزانے وہ اپنی زبان میں منتقل کرنے
کے لیے مقابلہ پر مجبور ہوتے ہیں۔ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ زبان
انسان کیسے کیسے موتی۔ اور صاف و شفاف موتی۔ کس خوش اسلوبی
سے پرو سکتی اور پروتی ہے۔ دوسری زبان میں یہ موتی وہ دیکھتے ہیں
اور اپنی زبان میں انھیں کہیں نظر نہیں آتے اور اس پر وہ اپنی زبان
کی اس ناداری کو کم و بیش ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طریق
کے سوا اور کوئی راہ نہیں جس سے ہوشیار سے ہوشیار آدمی بھی
زبان کی کمی یا ناداری کو محسوس کر سکے۔ کیونکہ زبان تصوّرات کو اس
حد تک احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور انسان کو الفاظ کے وسیلہ
اور ذریعہ کے بغیر تصوّر کرنے اور سوچنے کی ایسی عادت بھی نہیں
اور فی الحقیقت قابلیت بھی نہیں رہی۔ کہ الفاظ کی عدم موجودگی
لابدی طور پر اس عدم موجودگی کے احساس کو بھی وجود میں
نہیں آنے دیتی۔

اپنی زبان کے سوا دوسری زبانوں سے واقفیّت حاصل کرنے
اور اگر اس واقفیّت سے مستفیض ہونا بھی ہم نے سیکھا ہے تو
زبانوں کے مقابلہ سے جو ایسی واقفیت کا ضروری نتیجہ ہوگا۔ ہم پر
روشن ہو جائے گا کہ کثیر التعداد اشیاء۔ حالات۔ احساسات اور
اعتبارات کے لیے اگرچہ وہ ایک لفظ میں بیان کیے جا سکتے ہیں۔

کوئی نام ہی نہیں۔ اور اس طرح لفظ تو بلاشبہ بے شمار ہیں۔ لیکن حقائق جو نامزد کی جا سکتی ہیں۔ بغیر کسی نام کے موجود ہیں ؛

جو اصحاب کسی زبان میں سے اس زبان کی علوم و فنون کو اپنی زبان میں لانا چاہیں۔ ان پر فی الفور یہ حقیقت حال منکشف ہو جائے گی۔ انھیں معلوم ہو جائے گا کہ ان علوم و فنون کی بہت سی اصطلاحوں کے لیے ان کی اپنی زبان میں کوئی لفظ نہیں۔ اور اس کے لیے انھیں اپنی زبان کی امکانی قوتوں کو عمل میں لا کر مقابل کے الفاظ ایجاد کرنے پڑیں گے۔ اس سلسلہ میں تعزیرات ہند میں جو الفاظ انگریزی اصطلاحوں کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ بیّن مثال ہیں۔ قتل مستلزم السزا۔ اور ما بہ الاحتفاظ چند نمونے اس قبیل کی الفاظ آفرینی کے ہیں۔

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لفظوں کو رائج کرنے میں سند سلطانی کوئی خاص امتیاز نہیں رکھتی۔ قبولیت عامہ ہی اس کی کفیل ہو سکتی ہے۔ شہنشاہ جہانگیر کی رام رنگی۔ اور محمد شاہ بادشاہ کا گلسرہ تو مقبول نہیں ہوئے۔ البتہ نواب سعادت علی خاں کی بالائی ملائی کی صورت میں بھی۔ اور اکبر کا حلال خور رائج ہو گئے ہیں

۱۸- کسی لفظ کا رواج اس کے رائج کرنے والے کے رتبہ پر منحصر نہیں کسی پر ہنڈی کرنا تو سہل ہے لیکن اس کے سکارے جانے کا انتظام ایسا آسان نہیں

ان مثالوں سے جو ہم نے ابھی بیان کی ہیں ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ہر ایک لفظ جو کوئی شخص۔ خواہ کسی رتبہ۔ قابلیت یا جماعت کا ہو۔ بناتا

ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ رواج پائے یا قبولیت عام حاصل کرے۔ لفظ آفرینی خطرہ سے خالی نہیں اور اس کا زردار ہونا موہوم۔ اگر لفظ مقبول ہوگیا تو تحسین محض رسمی ہوگی۔ اور اگر رد ہوگیا تو ملامت و نفرین یقینی ہے۔ بہر حال اگر چند الفاظ ہی رواج پا جائیں تو ان کے موجد کو اس امر کی پرواہ نہ ہونا چاہیے کہ دیگر الفاظ جو اس نے رائج کرنے کی کوشش کی تھی۔ مسترد ہو گئے ہیں۔ مؤخر الذکر الفاظ بھی موجد کے ملکہ علمی۔ جودت طبع۔ اور قوت متخیلہ کے قابل احترام شاہد ہیں ؏

۱۹۔ جامع الفاظ اور ان کے فوائد

ہم نے اوپر کسی جگہ ایسے جامع الفاظ کا ذکر کیا تھا جو اکیلے اس قدر مضمون کے کفیل ہوتے ہیں کہ ان سے پہلے کئی ایک الفاظ کا اجتماع اس کے بیان کے واسطے ضروری تھا۔ ایسے الفاظ بلا ریب بیش بہا ہیں۔ ایسے الفاظ دور دراز فقرہ بندیاں اور پریشان کرنے والی پیچ در پیچ ترکیبیں کاٹ چھانٹ کر ذہنی عملیات میں سہولتیں پیدا کر دیتے ہیں۔ جو ان کے بغیر قریباً قریباً ناممکن الوقوع ہوتیں۔ اور جن لوگوں نے ایسے الفاظ بنائے یا رائج کیے وہ مربیان علم کے اعلیٰ درجوں میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ دنیا کے روزمرہ کے کاروبار کے لیے اگر ہمارے معاملات میں ایک نہایت ہی تنگ دائرہ میں محدود رہیں۔ تو ہم اپنے جیب میں تانبے کی بجائے چاندی رکھنا پسند کریں گے۔ اور اگر ہمارا کاروبار کسی وسیع پیمانہ پر ہے تو چاندی پر سونے کو ترجیح دیں گے۔ اور جب کسی ملیے اور زیادہ

اخراجات برداشت کرنے والے سفر کی تیاری ہوگی تو سونے کی بجائے ہنڈی اور نوٹ پاس رکھنا مناسب خیال کیا جائے گا۔
اسی طرح خیال کرو کہ کس قدر ایسے الفاظ ہیں جو ہمارے لفظی مقبوضات میں ہنڈی اور نوٹ کا کام دے رہے ہیں۔ جیسے ہنڈی اور نوٹ میں بے شمار پیسے۔ کثیر التعداد روپے۔ اور ایک معقول تعداد مہروں کی ہوتی ہے۔ ایسے ہی ایک لفظ میں بلا تعداد اور ذہنی عملیات نے یکے بعد دیگرے نتائج پیدا کر کے ان کا مجموعہ ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اس کی مثال ایک بڑے دریا کی ہے جو سمندر میں پہنچنے سے پہلے کئی ایک نہروں۔ نالوں۔ اور امدادی دریاؤں سے پانی لیتا ہے۔ نہریں۔ نالے اور دریا اس میں داخل ہوتے ہی اپنا نام و نشان کھو بیٹھتے ہیں۔ اور سب کے سب اسی ایک نام سے پکارے جاتے ہیں۔

۲۰۔ ایسے الفاظ بالخصوص سائنس کی ضرورت کے لیے مفید ہیں

الفاظ جو یکہ و تنہا کئی ایک فقرات کے معنوں کے مجموعہ کا حاصل ہوتے ہیں۔ سائنس کے لیے زیادہ تر مفید ہیں۔ برق آبی زمانہ حال کی ایجاد ہے۔ لیکن اس نام میں کس قدر مضمون بھر دیا گیا ہے۔ قدم۔ زیچ۔ اصطرلاب کے بیان کرنے میں فقرات کیا۔ صفحوں کے صفحے درکار ہوں گے۔ لیکن یہ الفاظ ان صفحات کے مضمون کو جامع بر اپنے نام سے وابستہ کیے

ہوئے ہیں۔ اور لفظ کے مُنہ سے نکلتے ہی وہ سارا مضمون سننے
والوں کے سامنے آن کی آن میں پھر جاتا ہے۔ اور وہ اس کے ماحصل
کو اس ایک لفظ سے بخوبی سمجھ جاتے ہیں۔ دائرہ اور قوس ہی لو۔ اور
دیکھو کہ یہ الفاظ ہمیں کیا کچھ سکھاتے ہیں۔ ذرا سوچو کہ اگر یہ الفاظ نہ
ہوتے تو ریاضیات میں کچھ پیچیدہ اور مشکل سوال کے حل کرتے ہوئے
جب ہمیں دائرہ اور قوس کی اشکال کا حوالہ دینا پڑتا ہے تو سوائے
اس کے اور کیا چارہ تھا کہ ہم ان کی تعریفات کے ہر ایک جزد کو
درج کرتے اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ ان تعریفات میں ہر ایک جزدی
اصطلاح کی تعریف بھی جو اس میں آتی۔ دینی پڑتی۔ یہ بات کوئی ایسی
سہل نہیں معلوم ہوتی۔ حق تو یوں ہے کہ ذہن میں بھی اس عمل کو پورا
کرنا ناممکنات سے ہے۔ اسی طرح چند اور الفاظ علم ریاضی کی لغات
سے خارج شدہ تصوّر کرو۔ اور غور کرو کہ پھر ریاضیات میں ترقی
کا دروازہ مطلقاً بند ہو جاتا ہے یا نہیں۔ اگر بند نہیں ہوتا۔ تو اس
میں کلام نہیں کہ اس میں رکاوٹیں جو قدم قدم پہ اپنا اثر دکھائیں
گی ضرور پیدا ہو جائیں گی۔ اور رکاوٹیں بعینہٖ ایسی ہی ہوں گی۔
جیسے کہ تجارت کے کاروبار میں صرف لوہے یا تانبے کے ذریعہ
تبادلہ ہونے سے پیدا ہو جاتی ضروری ہیں۔ جہاں کہیں سائنس
ترقی پا رہا ہے یا پانے والا ہے۔ اس کی اصطلاحات
ترقی پائیں گی۔ الفاظ اشیا کے دوش بدوش بڑھیں گے۔ اور

طوعاً وکرہاً کم وبیش زمانہ گذشتہ کی محنتوں کا بار لیے ہوئے زمانہ مستقبل کی کوششوں اور تکالیف کے کم کرنے اور امداد دینے میں سرگرم ہوں گے۔ ان کی مثال صناع کے اوزار کی ہو گی جو خود کاریگر کی محنت اور ہنر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی صنعت کی دیگر اور مزید مفتوحات میں معاون ومددگار ہوتا ہے۔ مفتوحات بھی ایسے جن کا حاصل ہونا بعض اوقات اس کی امداد کے بغیر تو ناممکن ہوتا ہے۔

۲۱۔ نئی چیزوں سے آشنائی نئے الفاظ پیدا کرے گی | صرف انسان کے افق ذہنی کی توسیع ہی جو نئے خیالات کو اپنی حد نگاہ میں لاتی ہے۔ نئے الفاظ ایجاد کرنے پر مجبور نہیں ہوتی۔ بلکہ جوں جوں اس عالم ظاہری کے طبقات نامعلوم منکشف ہوتے جائیں گے ان طبقات کی نئی نئی دلچسپ اشیاء نام کی متقاضی ہوں گی۔ اور صرف علوم وفنون کی اصطلاحوں ہی میں ہی نام کی خواہشمند نہ ہوں گی۔ بلکہ عامہ خلائق کے روبرو ہوتے ہی مقبول عام نام چاہیں گی۔ جب کوئی نئی چیز۔ پودا۔ پھل۔ جانور یا جو کچھ بھی ہو کسی غیر ملک سے لایا جاتا ہے۔ یا اس طرح لوگوں کے دائرہ واقفیت میں آجاتا ہے کہ اس کا نام رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے تو مختلف طریق پر اس کی نامزدگی عمل میں آتی ہے۔ اوّلاً اور عام طریق یہی ہے کہ چیز اور اس کا نام اکٹھے ہی آتے ہیں۔ پہلے نام کو ہو بہو یا تھوڑی سی تبدیلی سے زبان میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ بینک۔ تمباکو اور

کیتلی - دراز - زمانہ حال ہی کی مثالیں ہیں ؂

لباس میں فرغل - لبادہ - کرتا - قبا - چوغہ - آستین - گریبان پائجامہ - ازار - عمامہ - رومال - شال - دوشالہ - تکیہ - گاؤتکیہ برقع - پوستین وغیرہ - کھانے کی ذیل میں دسترخوان - چپاتی - شیرمال - باقرخوانی - پلاؤ - زردہ متنجن - فرنی - ہریسہ - مربہ اچار - فالودہ - گلاب - بیدمشک - رکابی - طشتری - کفگیر - چمچہ - سینی - کشتی وغیرہ - اور متفرقات میں - حمام - کیسہ - صابون - شیشہ - شمع - شمعدان - تنور - حقہ - پنچہ - تختہ - نرد - گنجفہ - اور اُس کی اصطلاحیں یہ سب چیزیں اپنے نام ساتھ لے کر آئیں ؂

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ نئی چیز کسی پُرانی چیز سے جو ملک میں پہلے سے ہے مشابہت رکھتی ہے اور وہی پہلا نام بلالحاظ اس امر کے مختلف اشیاء ایک ہی نام سے پُکارے جانے سے دقتیں ہوں گی - اس نئی چیز کو دیدیا جاتا ہے - آلو اسی قبیل کی مثال ہے اور اس طرح بھی ہوا ہے کہ وہی پہلا نام دیتے ہوئے پہلی چیز سے تمیز کرنے کے لیے کوئی ایزادی کردی گئی ہے - جیسے کشتی دخانی - ہوا جہاز - سیب زمین - اس جگہ پر اتنا بیان کردینا ضروری ہے - کہ سیب زمین بھی فی الحقیقت آلو کے فرانسیسی اور جرمنی ناموں کی نقل ہے - کشتی دخانی - اور ہوائی جہاز بھی انگریزی

سے ترجمہ ہی کیا گیا ہے ؛

۲۲۔ نئے نام کے متعلق چند روزہ دو دلی

کبھی کبھی ایسا ہی ہوا ہے۔ کہ زبان کو نئی چیز کا نیا نام رکھنے میں ایک مدت تک دو دلی سے رہی ہے۔ چند سے دو نام دوش بدوش رائج رہے ہیں۔ اور کچھ وقت گذرنے پر ایک دوسرے پر غالب آگیا ہے ؛

۲۳۔ بعض اوقات نام درمیانی زبان سے لیا جاتا ہے

کسی درمیانی زبان سے جس کے ذریعہ ہم اوّل ہی اوّل اس چیز کے واقف ہوئے جو نام کی طلب گار ہے نام ہی لے لیا جاتا ہے۔ دیکھو۔ آکا۔ چچی۔ قلاپخ۔ تغار ترکی ہیں اور فارسی کے ذریعہ سے ہمارے پاس آئے ہیں ؛

۲۴۔ بدی اور بدطینتی اور بدکرداری کے پیدا کردہ الفاظ

الفاظ کی پیدائش کے متذکرہ بالا اسباب سے ادنیٰ اور اسفل اسباب بھی ان کے وجود میں لانے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور ان سے ان کے زمانہ پیدائش کی اخلاقی حالت کا نقشہ بدنما داغوں سے مکردہ صورت میں نظر آتا ہے۔ ٹکٹکی۔ سولی۔ اور پھانسی۔ جلاد، سنگسار اور چارمیخ سزا کے یہ مختلف اقسام انسانی سنگدلی کی گواہی دے رہے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں مکہ والوں کا رسول کریمؐ اور ان کے تابعین سے تشدد جو ان کے مکہ مدینہ منورہ کو چلے جانے کا باعث ہوا۔ الفاظ ہجرت اور مہاجرین کا مبدا اور سبب ہے۔ نادر گردی

اور سکھا شاہی اپنے اپنے زمانہ کے تاریخی حالات کو بربادی و ویرانی اور جبر و تعدّی کے نمونے اور ضرب المثل بنائے ہیں۔

لفظ حشیشین پرانے زمانہ کی یادگار ہے اور ایک خوفناک جماعت اور اس کے خوفناک کارناموں کا نام لیوا ہے۔ حسن بن صباح کا نام بھولنے والا نہیں۔ اس زبردست اور مقناطیسی اثر نے وسط ایشیا کے گھر گھر میں ایک نئی تحریک کے ہیبت ناک جلوے دکھانے شروع کیے۔ گدا سے لے کر بادشاہ تک حسن بن صباح اور اس کے مریدوں کی نامعلوم موجودگی کے احساس سے گھبراتا اور ان کے نام سے تھرّاتا تھا۔ حصول مقصد میں خنجر اور حشیش ان کے کبھی خطا نہ کرنے والے آلے تھے۔ اور غالباً حشیش زیادہ مستعمل اور کارآمد ہوتا تھا۔ جماعت کا نام حشیشین پڑ گیا۔ اور یہی لفظ اب تک انگریزی میں اساسن کی مہیب صورت میں جلوہ نما ہے۔

۲۵۔ تمسخر اور تضحیک کے الفاظ۔ اردو انشا پردازوں نے جب دیکھا کہ فارسی والوں نے اپنی قادر سخنی کے زور یا ظرافت طبع کے شور سے عربی ترکیبوں کا استعمال کیا ہے تو انھوں نے بھی اپنے پیارے ملک کی زبان کو اس نمک سے بے لطف نہ چھوڑا۔ سودا فرماتے ہیں ع

جیسے کہتا ہے کوئی ہو ترا صفاً صفا

سیّد رضی خاں رضی مرحوم نے خوب کہا ہے ع

"تری وہ مثل ہے کہ اے رضی نہ الیٰ لذی نہ اولیٰ الذی"

۲۶ - زبان بھی حیوانوں کی طرح اصول حیات و ممات کی پابند ہے

کسی زبان کی دولت بڑھانے کے یہ چند ذرائع ہیں - یہ چند طریقے ہیں۔ جن سے کہ اس کی لغات میں ایزادی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ بھی گذرے ہیں اور ہیں جو زبان کی حقیقت اور اس کے اصولوں سے محض نابلد ہونے کی وجہ سے جبراً اس کی ترقی کے مانع ہونے کے درپے ہوئے اور ہو جاتے ہیں۔ انھیں خیال ہوتا ہے کہ اس کی نشو و نما کافی ہو گئی ہے یا ضروری نہیں اور اب زیادہ ترقی نہ تو درکار ہے اور نہ ہونی چاہیے۔ لیکن انھیں معلوم نہیں کہ زبان میں بھی زندگی کے ویسے ہی اجزا ہیں جیسے کہ انسان میں یا درخت میں انسان کی طرح اس کا نشو و نما مکمل ہوگا۔ ہاں اگر کوئی بیرونی اسباب زبردستی سے اس کی زندگی کا پیش از وقت خاتمہ کر دیں تو اور بات ہے۔ اور انسان کی طرح ہی اس کی زندگی اصول زوال کے تحت میں بھی ہے۔ جنگل کے درخت کی طرح جب تک اس میں نشو و نما کی طاقت ہے یہ ہر ایک کمزور رکاوٹ کو جو اس کے پھیلاؤ میں حارج ہوگی بے اعتنائی کی نظر سے دیکھے گی۔ اور درخت کی طرح ہی پرانے پتے جھاڑے گی اور نئے پتے نکالتی رہے گی۔ اس طرح کی سب کوششیں زبان کو ایک حد پر محدود کر دینے کی ناکامیاب رہی ہیں۔

ایسے حالات میں بھی جو کامیابی کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہو سکتے تھے زبان کی نشو و نما کی آبیاری عوام کے منہ میں ہے۔ فیشن کا خاص لوگوں سے عوام میں آنا تو درست۔ لیکن الفاظ۔ وہ الفاظ جو زبان کے خزانے میں حقیقی ایزادی دولت کا باعث ہیں۔ عوام سے خاص میں جاتے اور پھیلتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر۔ کوتاہ اندیش ادیب ان کی خواہ کتنی ہی مخالفت کرے یا انھیں جب تک چاہے نظر انداز کرے۔ زبان میں اپنی جگہ باصرار لیں گے۔ اور اس پر قائم رہیں گے۔ اور وہاں سے انھیں نکالنا یا ہٹانا ناممکن ہے۔ دنیا کے ادیب۔ علما فضلا بے شک اپنا زور لگا کر دیکھ لیں۔ دنیا برابر آگے کو جا رہی ہے اور زبان کو بھی اس کے ساتھ ساتھ جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ؟

۲۷ - نوواردوں کی ہمیشہ سے مخالفت ہوتی آئی ہے

جو لوگ نئے الفاظ کی آمد کو روکنے کے خواہاں ہیں وہ بھول گئے ہیں کہ یہی زبان جس کی توسیع کی کوششیں انھیں آج اس قدر بری معلوم ہوتی ہیں۔ خود انھی ذرائع اور طریقوں سے پھلی اور پھولی ہے۔ ہم فرض کر بیٹھتے ہیں کہ الفاظ جو ہمیشہ سے ہمارے آشنا رہے ہیں اور جن کی حق موجودگی پر اعتراض کرنا اب کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ ابتدائے زمانہ یا زبان سے ہی زبان کا جزو تھے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہو گا کہ ان میں سے اکثر زمانہ حال ہی کے

شامل ہونے والوں میں سے ہیں اور ابتدائے شمولیت میں ان کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔

۲۸۔ الفاظ کی آمد کے حالات

جہاں کوئی لفظ بے انتہا مفید ثابت ہوا ہے۔ اس کی ابتدا پر نظر ڈالنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ شروع شروع میں ڈرتا ڈرتا مید ان میں آتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ قبولیت عام میں اسے کیا رتبہ ملے گا۔ اور یہ دلچسپی اور بھی زیادہ ہو گی۔ اگر اس کی ابتدا کسی خاص موقعہ پر کسی خاص آدمی کے زبان سے ہوئی ہو۔

لفظ دیوان اوّل ہی اوّل نوشیرواں نے استعمال کیا اور بعد میں حضرت عمرؓ نے اسی اصول کے مطابق فوج اور خزانہ کا دفتر الگ مرتب کیا اور اس کا نام بھی دیوان ہی رکھا۔ حکیم فیثا غورث کا لفظ فلاسفر۔ فلسفی بھی اسی قبیل سے ہے۔ حکیم مذکور کے ہمعصر ہمیشہ اپنے آپ کو حکیم یا عاقل جیسے ناموں سے یاد کرتے تھے یا پکارا جانا پسند کرتے تھے۔ فیثا غورث نے فلسفی عقل کا دلدادہ یا دوست۔ ایک ایسا سادہ اور دلکش نام اپنے لیے تجویز کیا۔

۲۹۔ پرانے الفاظ اور ان کی حقیقت

بعض الفاظ کی موجودگی کی مدت کا قلیل ہونا ہمیں متعجب کرتا ہے۔ لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ ان کی عرصہ دراز سے موجودگی معلوم کر کے ہم زیادہ حیران و متعجب ہوں گے۔

جزیہ۔ اسلامیوں کی بیجا رواداری کی ایجاد بیان کی جاتی ہے۔ حالانکہ لفظ مذکورہ اسلام اور اسلامیوں سے پہلے۔ سرزمین ایران اور نوشیرواں عادل کے زمانہ کا پرورش یافتہ ہے۔ اس کی صورت فارسی میں گزیت تھی۔ اور اس صورت میں یہ ایرانی محاصل کا جزو اعظم تھا۔

حنفی۔ امام ابو حنیفہؒ کی نسبت سے ایسا کہلاتے ہیں۔ لیکن ابو حنیفہؒ کی کنیت کا مدار اور حنیفہ کی اصلیت۔ اسلام سے پہلے موجود ہے۔ خود کلام مجید میں ہی ملت ابراہیمؑ حنیف کا ذکر صاف اور صریح الفاظ میں کیا گیا ہے۔

۱۴۰۔ غیر زبان الفاظ رابطہ قائم کرنے کی قوت

غیر زبان کے الفاظ لے کر انھیں پورا رواج دینا اور ان سے رابطہ اتحاد قائم کر لینے کے مختلف زبانوں کی قوت اختلاط میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ بلکہ ایک ہی زبان اپنی عمر کے مختلف زمانوں میں اس قوت کے مختلف درجے رکھتی ہے۔ ایسی زبانیں بھی ہیں جن کی خواہش اور قوت ہاضمہ محفوظ کرنے اور ہونے کی طاقت۔ بعض اوقات بیحد ہوتی ہے۔ کوئی چیز ان کے لیے سخت اور درشت نہیں۔ وہ ہر ایک چیز کو اپنے لیے مفید بنا سکتی ہیں اور جو کچھ انھیں پیش کیا جائے وہ اپنے استعمال اور عادات کے مطابق اسے ڈھال لیں گی۔ مگر یہ سب کچھ ان کے شباب کے زمانہ کی باتیں ہیں۔ جوں جوں عمر بڑھتی ہے۔ طاقتیں بالخصوص

انضمام کی طاقتیں سلب ہوتی جاتی ہیں۔ الفاظ لیے تو جاتے ہیں۔
کیونکہ یہ عمل تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ لیکن کیمیاوی ترکیب بننے اور پرانے
کی رک جاتی ہے۔ کبھی کبھی یہ ممکن بھی ہوتی ہے اور وہ بھی جزو تو
نودارد زبان کی سطح پر پھر گرداں ہوتے ہیں۔ ان کے نوکدار کونے
میل جول اور اختلاط سے گھس کر گول نہیں بنتے۔ ان کی شکل وصورت
سے ہی اجنبیت نمایاں ہے۔ غیریت کا پردہ اُٹھا دینے کا موقعہ ہاتھ
سے کھو بیٹھے ہیں اور اب اخیر تک اس حالت میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔
الفاظ کو اس طرح اور ان حالات میں شامل کرنے والے بھی۔ انھیں
از سرِ نو جاری کرنے کی طاقت کا احساس خود اپنے آپ میں کمزور
پاتے ہیں۔ بڑی احتیاط سے انھیں اسی شکل وصورت میں رہنے دیتے
ہیں۔ جس میں کہ انھیں لیا گیا تھا۔ اور مطلقاً اس نئی جماعت کے
قواعد وضوابط کی پابندی سے جس میں وہ داخل ہوتے ہیں انھیں
آزاد رکھا جاتا ہے۔ کوئی امر اس سے زیادہ ہمارے بیان کی وضاحت
نہیں کر سکتا۔ کہ ہم ایک ہی گھرانے کے چند ایسے الفاظ لے کر ان کا
باہمی مقابلہ کریں۔ جو مختلف اوقات میں ہماری زبان میں آ گئے ہیں۔
مزدور جس کی اصل مزد۔ فردہ ہے۔ خالص اردو کا لفظ بن گیا ہے۔
لیکن مزد اور مژدہ فارسی کے لفظ ہیں۔ جو اس یگانگت اور اتحاد کے
حقدار نہیں جو مزدور کو حاصل ہے۔ افواہ۔ فم (منہ) کی جمع ہے
افواہ اُردو ہے۔ لیکن فم جب کبھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی ہے اور

اسی لباس میں اُردو میں دکھائی دیتا ہے۔ اسی سلسلہ میں انگریزی لفظ راسبیری۔ رس بھری کی شکل میں۔ اور عربی ولی۔ بیلی کی صورت میں زبان کی قوّت ہاضمہ کی بین اور زبردست مثالیں ہیں ؛

۲۱۔ نئے الفاظ کی اصلیت معلوم کرنے کی دقتیں اس کے عام خلائق کے دل سے پیدا ہونے کا ثبوت ہیں

نئے الفاظ کے متعلق بڑی بات جو ہمیں نظر آئے گی اور جو عام خلائق کے دل سے ان کی ابتدا کا مسلّمہ ثبوت ہے۔ ان کی اصلیت معلوم کرنے کی دقتیں ہیں۔ جو اکثر اوقات اس کوشش میں ہمیں پیش آتی ہیں جب اسباب عامیہ کی تلاش ہوتی ہے محض شوقیہ طور پر نہیں بلکہ اصلیت معلوم کرنے کی غرض سے۔ کیونکہ حقیقی اسباب اکثر اوقات انہی سے وابستہ ہیں۔ تو یہ اسباب ہر وقت ہماری کوشش کی دسترس سے گریز کرتے نظر آئیں گے۔ اور یہ حالت صرف انہی الفاظ کی نہیں جن کی طرف ایک مدت مدید تک رائج رہنے کے بعد ہماری توجہ منعطف ہوئی اور ہمیں ان کی اصلیت اور ماخذ معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ایسے الفاظ کا بیشک قیاسات اور غلط قیاسات کے تختۂ مشق ہونے کا احتمال ہے۔ اور اگر یہ اپنی اصلیت کا سربستہ راز ہم پر ظاہر ہونے دیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ الفاظ جو حال ہی میں عالم وجود میں آئے ہوں ان کی اصلیت معلوم کرنے میں بھی کم مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ان کی ابتدا پردۂ ظلمی میں مخفی ہوتی ہے۔ اور ہر ایک عالم وجود

میں آنے۔ اسے فعل کی طرح تاریکی میں مستور ہوتی ہے۔ وہ نمودار ہوتے ہی ہر ایک کے زبان زد ہو جاتے ہیں۔ لیکن کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کہاں سے آئے۔ انھیں آئے بھی دو چار دن ہی گذرے ہیں۔ لیکن اس پھرتی سے انھوں نے اپنی پیدائش اور آمد کی کیفیت کے نشانات محو کر دیے ہیں کہ عقل انسانی اس کے حل کرنے میں قاصر ہے۔

۳۲- نشانات پیدائش محو کر دینے میں عجلت پولٹیکل یا مذہبی فرقوں کے ناموں میں

پولٹیکل یا مذہبی فرقوں کے ناموں میں اور سب سے بڑھ کر ہتک اور حقارت آمیز ناموں میں یہ پھرتی صاف نظر آتی ہے۔ صوفی مشہور فرقہ ہے۔ اور دنیائے اسلام میں اس کی موجودگی کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس فرقہ کے نامور ارکان کا نام بچّہ بچّہ کی زبان پر ہے لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ تحقیق معلوم نہیں ہوا کہ یہ نام اس فرقہ کا کب۔ کس بنا پر اور کس نے رکھا۔ مختلف لوگوں نے مختلف اسباب اس نام کے بیان کیے ہیں۔ اور ہم ایک سبب کو دوسرے پر ترجیح بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن اسی طرح فرقہ مرجیہ کے نام کی اصلیت بھی یقینی طور پر تحقیق نہیں۔

۳۳- صرف ایسے ناموں میں ہی نہیں بلکہ اور جگہ بھی یہی اصول عمل میں آتا ہے

صرف مذہبی ناموں تک ہی محدود نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ افغان یا پٹھان ان ناموں سے کس طرح موسوم ہوئے۔ میز کی اصلیت کا پتا لگانا سہل نہیں۔

۳۴ - الفاظ جو اپنی اصلیت کا راز نہیں چھپاتے مگر آسانی سے چھپا سکتے ہیں۔

اب ایسے ایک یا دو لفظ اور ان پر غور کرو جنھوں نے اپنی اصلیت کا راز چھپا نہیں رکھا۔ اور دیکھو کہ کس آسانی سے وہ اپنی اصلیت چھپا سکتے تھے۔ اور اگر ایک دفعہ چھپا لیتے تو پھر اس راز کا انکشاف ناممکن ہو جاتا ہے۔

مقیش۔ اصل میں سنسکرت کا لفظ ہے۔ میکش کیش۔ اس میں میکش سورج کی کرن ہے اور کیش بال۔ دونوں مل کر موٹے شعاعی ہو گئے۔ نبجے منڈل۔ بدیع منزل کا مخفف و مبدّل ہے۔ دلی کے باہر شاہان قدیم کی تعمیرات سے ایک مشہور عمارت ہے۔ بلاّ۔ انگریزی بیچ سے بگڑا ہوا ہے۔

۳۵ - ہر ایک لفظ کا ماخذ ہے

جو الفاظ ہم نے اوپر بیان کئے ہیں چند مثالیں اس طریقے کی ہیں جس پر الفاظ اپنی پیدائش کے حالات یا تو فراموش کر دیتے ہیں۔ یا حالات تا بیدی میں فراموش کرنے پہ بلا روک ٹوک آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ذرا بھان متی کو ہی دیکھنا کس طرح اپنی اصلیت چھپا رہا ہے۔ غور کرو تو بھانت متی کی صورت میں ربھانت بھانت (طرح طرح کے مت) طریقے یا کرتب دیکھ کر ہمیں محض دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کبھی نہیں اگر ہمیں اس امر کا یقین ہوتا کہ الفاظ محض کسی شخص واحد کی بے اصولی خود رائی کے ایجاد ہیں۔ اور کسی شئے سے وابستہ نہیں۔ تو ان کی

اصلیت کا پتا لگانے میں قاصر رہنا کوئی ایسی بڑی حیرانی کی بات نہ تھی۔ فی الحقیقت ایسی صورت میں جب کہ اکثر کی ولدیت نامشخص ہوتی۔ ان کی ولدیت کا پتا لینا تضییع اوقات ہوتا۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں۔ کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا مبداو ماخذ نہ ہو۔ سب کے سب کسی احساس۔ خیال۔ یا امر واقعہ کے کم و بیش مجسمے ہیں ؛ اور اگر کہیں ان کی پیدائش بلا واسطہ ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے تو بھی انھوں نے کسی نہ کسی موقعہ پر موجودہ عالم الفاظ اور اشیاء میں اپنے آپ کو جگہ دے رکھی اور قائم کر رکھا ہے اور اس کے ساتھ اپنے نقطہ اتصال اور انفصال کو جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ہر وقت ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ مگر ہر دم اسی حالت میں چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح جب کوئی لفظ ہمیں اپنی اصلیت سے آگاہی دینے میں کوتاہی کرے یا اس سے انکار کر دے۔ تو ہمیں سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک معمّا ہے۔ جس کے حل کرنے میں کبھی کوئی کامیاب نہیں ہوا۔ ایک قفل ہے جس کی کلید کسی شخص کو نہیں مل سکی۔ لیکن معمّا ایسا نہیں جو حل ہی نہ ہو سکے۔ یا قفل ایسا نہیں جس کی کلید تھی نہیں۔ اگرچہ اب وہ کلید گم ہو گئی ہے اور کبھی دستیاب نہ ہو گی اور یہ دقت بسا اوقات ناممکنات کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ زمانہ حال کے پیدا شدہ الفاظ کی حسب و نسب اور اصلیت دریافت کرنے میں جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے ایک زبردست دلیل اس امر کی ہے کہ افضل ترین

الفاظ کا نشو و نما لوگوں کے دل اور زبان سے ہوتا ہے۔ اگر وہ اوّل ہی اوّل کسی کتاب میں نمودار ہوتے تو سیاق و سباق عبارت غالباً کل کیفیت بتا دیتا۔ اگر علماء کی مجلس سے الفاظ جاری یا رائج کیا جاتا تو یہ کبھی اس پر اپنی امتیازی مہر اور نشان لگائے بغیر نہ چھوڑتے؛

۳۶۔ الفاظ کی ترکیب لفظی معلوم لیکن معنے کا سراغ مفقود

ایک اور صورت بھی ہے جس میں کسی نئے لفظ یا کسی ایسے لفظ کی ابتداء پر جو نئے معنوں میں استعمال کیا گیا ہو تاریکی چھائی ہوئی ہو۔ ممکن ہے کہ یہ اپنی اصلیت ظاہر کر دے۔ لفظ یا الفاظ جس سے یہ مرکب ہے۔ بغیر کسی اشتباہ کے کھلم کھلا سامنے نظر آتے ہوں اور پھر بھی اس کا مقصد اور اس کی مراد ہماری آنکھوں سے اس طرح پوشیدہ ہو کہ کبھی اس کے منکشف ہونے کی اُمید بھی نہ کی جا سکتی ہو۔ سراغ جو ایک دفعہ گم ہو گیا پھر ملنا مشکل ہو جاتا ہے؛

۳۷۔ الفاظ سب کا مشترکہ سرمایہ ہے

اب ہمیں اس بحث کو ختم کرنا چاہیے۔ اس باب میں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ضرورت سے زیادہ مضمون کو طول دیا ہے اور بعض اوقات طلباء کے دائرہ تعلیم و مطالعہ سے باہر سلسلہ تحریر کو لے جانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن سچ تو یوں ہے کہ کوئی ایسے الفاظ نہیں جن کی نسبت کہا جا سکے۔ کہ ہمارا ان سے واسطہ نہیں۔ وہ ہمارے تعلیم کے احاطہ سے باہر ہیں اور آئندہ ان کی تعلیم و تعلّم میں ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔ یا یہ کہ فتوحات زبان میں

کچھ ایسی بھی ہیں جن سے معدودے چند متاثر ہوں گے اور صرف وہی
ان سے راہ رسم رکھ سکتے ہیں اور باقی کل اشخاص کا ضابطہ ان سے
بے تعلقی ہے اور بس ۔

یہاں بھی تو وہی مثال ہے جو اکثر علوم و فنون کی ایجادات
اور معاشرت کے سامان آسائش و عشرت کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔
ابتدا میں یہ سب کچھ دولتمندوں اور اعلیٰ رتبہ کے لوگوں کے لیے
مخصوص ہوتے ہیں اور بتدریج سوسائٹی کے ادنےٰ طبقوں میں رواج
پاتے ہیں۔ اور آخرکار یہ آرام و آسائش کا سامان جو کبھی معدودے چند
کا حق بلا شرکت غیرے تھا، ہر کہ و مہ کے لیے مناسب اور قریب
قریب ضروریات میں داخل ہو جاتا ہے۔ الفاظ کا یہی حال ہے کہ کسی
فلسفی یا کسی راز دار دین کے منہ سے یا اپنے زمانہ کے کسی نکتہ سنج یا
لفظوں کی اصلیت و ماہیت میں دلچسپی لینے والے کی زبان سے نکل کر
یہ درجہ بدرجہ عوام میں پھیلتے ہیں۔ لیکن اس مقبولیت عامہ کے حصول میں
وہ اپنے آپ کو ذلت و خواری کا نشانہ نہیں بناتے۔ بلکہ روز افزوں تعداد
اشخاص کو اپنے منشاد و مراد سے واقفیت تامہ دیتے ہیں۔ یہاں تک
کہ ایک دن ایسا آتا ہے کہ وہ قوم کے مشترکہ سرمایہ اور ذخیرہ کا ضروری
اور حقیقی جزو بن جاتے ہیں۔ اور ہر ایک گھر میں ان کا دخل ہوتا ہے۔
اور انھیں ہر ایک شخص بے تکلفی سے ان کے اصلی اور صحیح معنوں میں
استعمال کرتا ہے ؎

۳۸۔ زبان کی حقیقت | ہم اس فصل کو ایک فصیح و بلیغ عبارت کے یہاں نقل کرنے کے بغیر ختم نہیں کر سکتے اس عبارت میں جملہ حقائق جس کی طرف توجہ دلانے کی ہم نے کوشش کی ہے۔ اس خوبی اور خوش اسلوبی سے بیان کیے گئے ہیں اور ان کی اہمیت اس وضاحت سے جتائی گئی ہے کہ اس کا جواب کہیں اور ملنا مشکل ہے۔

زبان کو آلہ اظہار خیالات و فکر بیان کیا گیا ہے لیکن یہ خیالات و فکر کی ذریعہ پرورش بھی ہے۔ بلکہ یوں کہنا صحیح ہوگا کہ خیالات و فکر کی حیات اس ہوا سے ہے۔ یہ ہمارے فکر کی روحانی کا ضروری وسیلہ ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ اس کا عمل نظر نہیں آتا اور محسوس نہیں ہوتا اور اپنے صفات۔ خواص اور تبدیلیوں سے قوسے کی جو اس سے پرورش پاتے ہیں نشو و نما اور رنگ و روغن میں حسب ضرورت تغیرات کرتی رہتی ہے۔

اس طرح سے سابقہ انکشافات کا اثر بعد کے انکشافات پر۔ گذشتہ کا مستقبل پر عام اور سرایت کرنے والا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کا سراغ نکالنا یا پتا لگانا آسان نہیں۔ روزمرہ کے الفاظ اور فقرات۔ گذشتگان اور قدیم زمانہ کی انکشافات اور استدلال کے ساتھ نامعلوم رابطہ سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ان کا علم ہمارے علم کا جزو لاینفک ہے اور موجودہ نسل زمانہ گذشتہ کی علمی دولت کی وارث ہو کر اسے استعمال کرتی ہے۔ اور یہ نصیبا صرف ذہنی دنیا کے امرا اور بڑے آدمیوں کا نہیں

صرف انہی لوگوں کا نہیں جو پُرانے ذخیروں کی کنجیوں کے حامل ہیں۔ اور جنھوں نے اپنے خزانے بھی بھر لیے ہیں۔ بلکہ عاجز ترین مستفسر جب وہ اپنی استدلال کو لفظی لباس پہناتا ہے۔ افضل ترین اشخاص کی محنتوں کے پھل سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ جب وہ اپنی قلیل اندوختہ گنتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں ایسے سکّے ہیں جن پر قدیم اور حال کے ذہنی حکمرانوں کی صورت اور حروف منقوش ہیں اور ان منقوضات کی وجہ سے اس کی طاقت حصول بہت زیادہ ہے اور علمیت کی پختگی اس کے دسترس میں ہے جو کسی کو کبھی حاصل نہ ہوتی اگر در حقیقت جو کان سے ایک دفعہ نکالا گیا ہے۔ لوگوں میں عام طور پر ہمیشہ در پیش رائج نہ کیا جاتا ؂

؂ ؂ ؂

مترادف الفاظ

۱ - مترادف الفاظ کیا ہیں ؟

اس باب میں مترادف الفاظ - اور مترادف الفاظ کے مطالعہ سے جو فرق باہمی ان کے معنوں میں غور کرنے پر پایا جاتا ہے اور اس طریق مطالعہ سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ان سب پر بحث کریں گے۔ لیکن پیشتر اس کے ہم آگے بڑھیں اب پوچھ سکتے ہیں کہ بعض الفاظ کو ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے ہم جو انھیں مترادف کہتے ہیں۔ اس سے کیا مُراد ہے۔ ہمارا منشا اس لفظ کے استعمال سے یہ ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں سچ مچ کی مشابہت معنوی کے ساتھ ہی ان کے معنوں میں تھوڑا سا ضمنی اور جزوی فرق ہوتا ہے۔ یہ فرق یا تو ابتدا میں ہی اور ان کے مادّہ میں ہی ان کے ساتھ پیدا ہوا تھا۔ یا استعمال اور رواج نے پیدا کر دیا ہے۔ صورت میں کلیتہً یا قریباً ناپیدا ہوتا ہے۔ لیکن قابل اور ہوشیار اہل زبان کے استعمال میں نظر آنے لگتا ہے ؛

بنابریں مترادف الفاظ بالعموم مشابہت معنوی رکھتے ہیں، اور وسعت اصلاحی میں ایک مشترک حصہ احاطہ پر حاوی ہوتے ہیں لیکن اپنی اپنی ایک خصوصیت ذاتی رکھتے ہیں۔ جس میں ایک کا دوسرے سے کسی قسم کا دخل نہیں ۰

۲۔ مرادف یا مترادف — اگرچہ مرادف اور مترادف ایک ہی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے لیکن مرادف اپنے اصلی معنوں میں ہمارا مذکورہ بالا منشا پورا کرنے کے لیے غالباً صحیح نہ ہوگا۔ مرادف کے معنوں میں مشابہت کلی پائی جاتی ہے۔ اور الفاظ جن کا ہم ذکر کریں گے وہ اس قبیل کے نہیں۔ ہمارا مقصد صرف مترادف زیادہ صحت اور وضاحت سے بیان کرنا ہے۔ عربی جاننے والے اصحاب اس راز سے بے خبر نہیں کہ تفاعل کا وزن ہمارے منشاء کو بخوبی پورا کر سکتا ہے۔ اور مترادف۔ مرادف کی نسبت ہمیں زیادہ کارآمد ہے ۰

۳۔ متحد المعانی الفاظ نادر ہیں — ایسے اصحاب بھی موجود ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان کے الفاظ سے کلیتاً کبھی متحد المعانی نہیں ہو سکتے۔ اور مقابلہ پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ کچھ نہ کچھ کمی یا بیشی یا اختلاف ضرور ہے۔ جو ایک کو دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ اور ہماری رائے میں بھی سوائے ان الفاظ کے جن کے موضوع میں۔ کمی۔ بیشی۔ یا اختلاف کی طبعاً یا قدرتاً کوئی

گنجائش ہی نہیں۔ اس دعوے کے مستثنیات شاذو نادر ہی نظر آئیں گے۔ کل زبانوں میں اخلاقی یا سیاسی الفاظ جن میں بلا حیل و حجت چند پیچیدہ خیالات کا اجتماع کر دیا گیا ہے بمشکل مقابلہ میں ایک ہی خیالات کا مجموعہ دکھائی دیں گے۔ اور اس کی وجہ معلوم کرنی کوئی دقت طلب امر نہیں۔ آخر لفظ کی حقیقت کیا ہے ۔

عالم خیالات۔ جذبات یا واقعات کو وسیع طبقات کے کسی ایک حصہ۔ فراخ یا تنگ۔ کے احاطہ کو جو انسان کے استعمال کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس طرح اس کی جولانیوں کے لیے وقف ہو گیا ہے۔ لفظ کہتے ہیں۔ اور جب یہ صورت ہو تو اس امر کا امکان کہاں کہ دو قومیں جو ایک دوسرے سے الگ تھلگ اس احاطہ کی حد بندی کر رہی ہوں ہر ایک موقعہ پا کر یا اکثر مواقع پر ایک ہی طرف عین ہی حد مقرر کریں۔ اور حد بھی ایسی کہ کسی ایک کونا پر۔ کسی ایک نقطہ پر ادھر سے اُدھر یا اُدھر سے اِدھر نہ ہو۔ نہ کسی جگہ اندر گھس آئی ہو۔ نہ کہیں باہر نکل گئی ہو۔ غالب تو یہ ہے کہ بسا اوقات حدود مطابق نہ ہوں گی۔ اور یہی اس صورت میں بھی ہو گا۔ جب کہ حدود کے قائم کرنے میں کوئی اخلاقی طاقتیں دخل نہ دے رہی ہوں ۔

۴ - مترجموں کے لیے تنبیہ

اس صداقت سے جو ہم نے بیان کی ہے کس قدر وسیع اور شگفتہ خیابان زبانوں کے باہمی مقابلہ کا ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اگرچہ ایک مترجم جو اپنے کام کو

بلند نظری کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ ہماری اس صداقت سے مایوسیوں کے غبار میں دل شکستہ سا ہو جائے گا۔ اس میں کلام نہیں کہ کسی اعلیٰ درجہ کے مضمون کو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے دوران میں نقصانات عظیم ہو جاتے ہیں۔ جو محنت۔ ہنر۔ قابلیت ایک یا دونوں زبانوں میں کلی مہارت۔ کسی صورت میں بھی نہیں روک سکتیں۔ مترجم چاہے کتنی ہی قابلیت سے اپنا فرض ادا کرے۔ لفظوں کے انتخاب میں کتنی ہی احتیاط۔ موزونیت۔ اور مہارت کام میں لائے۔ ترجمہ میں نقصانات ہوں۔ پھر بھی ہوں۔ مصنّف کے خیالات اس کی زبان سے دوسری زبان میں لے جاتے ہوئے خیانت اور بے وفائی کے الزام سے بچنا ناممکن ہے۔

۵۔ بالخصوص کتاب مقدسہ کے ترجموں کے لیے

کلام مجید کے ترجمہ میں کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ بالخصوص جب ہم دیکھتے ہیں کہ ترجمہ کی زبان میں کلام الہٰی کا ایک مہتم بالشان لفظ دویا تین الفاظ میں سے کسی ایک سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے ہماری پریشانی بڑھتی ہے کہ ان میں سے کونسا لفظ انتخاب کریں۔ ہماری پریشانی کثرت کی وجہ سے نہیں بلکہ قلت کی وجہ سے ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے فوائد یا خوبیاں رکھتا ہو۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ہر ایک میں کمی اور نقص بھی ہے۔ خواہ کچھ ہی ہو۔ مشکلات میں سے ایک صورت اختیار کرنی ہے اور کوئی صورت دیدہ پیدا

جائے گا کہ منشاء ربی کا خزانہ مٹی کے برتن میں رکھ دیا گیا ہے اور کبھی نہ کبھی۔ کہیں نہ کہیں اس برتن کی خاک اُڑتی نظر آئے گی۔ ان حالات میں کس قدر ضروری ہے۔ اور دُور اندیشی متقاضی ہے کہ اس موقعہ پر انتخاب الفاظ میں بہترین یعنی قریب ترین معنوں کا لفظ پسند کیا جائے ؛

۶۔ مشنری مترجم کو زیادہ احتیاط لازم ہے

اگر مشنری مترجم کو اس امر کا ذرا بھی احساس ہو کہ ترجمہ کا کام جو اس نے ہاتھ میں لیا ہے کتنا خطرناک ہے جس قوم کی زبان میں وہ کلام ربانی ترجمہ کرنے لگا ہے۔ اس سے ان کی روحانی زندگی میں کس قدر اہم تغیر پیدا ہونے والا ہے۔ ضرور ہے کہ وہ مشنری اس احساس پر کانپ اُٹھے اور ڈرے کہ کہیں اس کا قلم یا زبان جو وہ استعمال کرنے لگا ہے منشاء الٰہی کے ادا کرنے میں ایک کام کا لفظ چھوڑ کسی ناکارہ لفظ کے استعمال سے ایک قوم کی روحانی زندگی کے مدامی اختلاط یا پریشانی کا باعث نہ ہو۔ مشکل تو یہ ہے کہ انتخاب کرنا سہل نہیں۔ وہ کام کا لفظ بھی اس کی خواہش اور اس حقیقت سے جو بصورت انتخاب اس کے سپرد ہونی چاہیے کہیں دور اور نیچے گرا ہوا ہے ؛

۷۔ ایک ہی زبان کے مترادف الفاظ کا مقابلہ

یہاں تک تو ایک زبان کے الفاظ کا بمقابلہ دوسری زبان کے ذکر تھا۔ اور اس مسئلہ کے متعلق جو سوالات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعداد اتنی کثیر اور ان کا

دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کتاب میں اس پر بحث کرنا غیر متعلق ہوگا۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے کہ آپ آنکھیں کھول کر دیکھیں اور کان کھول کر سُنیں۔ یہ سوالات عموماً فائدہ سے خالی نہیں ہوتے۔ اور اگر چشم بینا اور گوش شنوا رکھتے ہو تو ان سے کچھ سبق بھی حاصل کروگے۔ اب ہمیں اس مضمون کو یہیں چھوڑ دینا چاہیے اور مختلف زبانوں کے نہیں بلکہ ایک ہی زبان کے الفاظ کا باہمی مقابلہ کرنا چاہیے ۔

۸ - مترادف اور اس کا مفہوم

مترادف الفاظ جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے اور جیسا کہ ہم یہاں استعمال کریں گے ایک ہی زبان کے وہ ہم معنی الفاظ ہیں۔ جن کے معانی یا منشاء میں قدرے اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف یا تو پہلے ہی قرار دیا جا چکا ہے یا ان میں مرکوز ہے وہ بالکل متحد المعانی نہیں۔ کیونکہ ایسے الفاظ جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔ تمیز کی گنجائش نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی وہ ایسے الفاظ ہیں کہ اُن کی دُور کی مشابہت ہو۔ کیونکہ اس صورت میں ان کا فرق بیّن ہوگا۔ اور ایسا ظاہر و باہر ہوگا کہ اس کا بیان کرنا بعینہ سورج کو شمع دکھانے کی مثال ہوگی۔ سرخ اور قرمزی کا فرق دکھانا شاید نامناسب نہ ہو۔ کیونکہ ان میں مغالطہ ایک عام بات ہے۔ لیکن ایسا کون ہے جو سرخ اور سبز میں فرق جتانے کا خیال بھی دل میں لائے ۔

ایسا ہی لالچ اور حرص کا فرق تو ہوگا ہی۔ لیکن حرص اور غرور میں فرق بیان کرنا محض تضیع اوقات ہوگی۔ الفاظ ایسے ہونے چاہییں

جن میں کم و بیش مغالطہ کا اندیشہ ہو۔ لیکن جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے ان میں مغالطہ نہیں ہونا چاہیے۔ ایسے الفاظ جن کے معانی میں اصلیت کی بنا پر ہی فرق ہے یا ایسے کہ ابتدا میں تو وہ بالکل ایک ہی معنے رکھتے تھے مگر آہستہ آہستہ بڑے بڑے مصنفین کی تحریروں اور بڑے بڑے مقررین کی تقریروں میں ان کے استعمال کا فرق نمایاں ہوتا گیا۔ اور اب بالاتفاق مسلم ہے ؁

۹ - لفظ جو اختلاف مادہ کی وجہ سے نہیں بلکہ محض استعمال سے مختلف المعانی ہوتے رہیں اور اس اختلاف کے اسباب

اس جگہ پر ایک دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے یہ دوسری قسم کے مترادف الفاظ کس طرح بن جاتے ہیں۔ ان کی اصلیت میں تو کوئی فرق نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی اور وجہ موجود ہوتی ہے۔ محض استعمال اور رواج ہی اس میں یہ فرق پیدا کر دیتا ہے۔ بلاشبہ اگر زبان کسی معاہدہ کے مطابق بنائی گئی ہوتی تو ایسے مترادف الفاظ کے لیے اس میں کوئی جگہ نہ ہوتی۔ کیونکہ جب ایک دفعہ ایک لفظ کسی خاص خیال یا واقعہ کا حقیقی نمائندہ ہو گیا تو کسی دوسرے کی تلاش کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن زبان کسی اور طرح ہی بنتی ہے اور اس کے بننے میں کسی ایسے ضابطہ یا قواعد کی پابندی نہیں ہوتی ؁

الف - اختلاف قبائل

مختلف قبائل - ہر ایک اپنی بولی کے ساتھ جو ایک ہی برادری میں سے ہوتی ہے۔ مگر بہت سے امور میں مختلف ہوتی

ہے مل کر ایک قوم بن جاتے ہیں۔ اور اپنی اپنی بولیوں کا مجموعہ ایک
ہی جگہ اکٹھا کر دیتے ہیں۔ فارسی اور اُردو میں کئی ایک مترادف الفاظ
ایک ہی چیز کے لیے غالباً مختلف قبائل سے لیے ہوئے موجود ہیں
مثلاً آفتاب۔ خورشید۔ مہر۔ شہریار۔ بادشاہ۔ تخت۔ دیہیم۔
راجہ۔ راؤ۔ اور رائے۔ بعض اوقات ایک ہی قوم کے مختلف
قبیلوں میں ہی ایک لفظ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی صورتیں الگ
الگ ہوتی ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے۔ پور۔
پسر اس قبیل کی مثال ہے۔

۱۶۱۔ فاتح اور مفتوح قوموں کا ملاپ

یہ بھی ہوتا ہے کہ فاتح قوم مفتوحین کے
ملک میں آباد ہو جاتی ہے۔ اپنی حکومت تو
قائم رکھتی ہے لیکن اپنی زبان جاری نہیں کر سکتی۔ بلکہ فاتحین چونکہ
تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں طوعاً و کرہاً مفتوحین کی زبان اختیار
کرتے ہیں۔ کلیتاً تو نہیں۔ لیکن دونوں زبانوں میں ایک قسم کی درمیانی راہ
نکالی جاتی ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ ایک طرف کا پلہ بھاری رہتا
ہے۔ مگر شرط یہ ہوتی ہے۔ کہ یہ زبان دوسری زبان کے الفاظ کی
ایک معقول تعداد اپنے حلقہ میں داخل کر لے گی۔ اور انھیں
جملہ حقوق خویشی دے گی۔ بعض صورتوں میں تو نئے الفاظ پرانے
لفظوں کو بیدخل کر دیتے ہیں۔ مگر بسا اوقات ایک دوسرے کے
ساتھ ساتھ مترادف حالت میں رہتے ہیں۔

۱۰۔ مزید اسباب | مترادف الفاظ کے وجود کے یہ بواعث ہیں جو کسی قوم یا زبان کے ابتدا میں نظر آتے ہیں۔ لیکن بعد میں اور اسباب بھی اپنا کام کرتے ہیں۔

۱۱۔ ادبیات | جب کسی زبان کا علم ادب تیار ہوتا ہے مصنفین جو مختلف غیر زبانوں سے واقف ہوتے ہیں ان زبانوں کے الفاظ لے لیتے ہیں۔ اگرچہ ان الفاظ کی ایسی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور یہ استعمال بسا اوقات شوکت و شان یا اپنی علمیت دکھانے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ اظہار خیالات کے واسطے۔ بعض دفعہ اپنی زبان میں کافی وافی لفظ کے ہوتے ہوئے بھی وہ نئے اور اپنے خیال کے مطابق ایک عمدہ اور نفیس لفظ کی تلاش میں دوسری زبانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ شخص۔ قیمت۔ سودا۔ نرخ۔ بازار۔ دکان۔ محل۔ پیغام۔ بادشاہ۔ سلطان وغیرہ وغیرہ

ان اُمیدواران داخلہ میں سے بعض تو ناکام رہتے ہیں۔ اور کم و بیش مدت آزمائش کے بعد بیدخل ہو جاتے ہیں۔ اور یوں بھی ہوا ہے۔ کہ سوائے مجوز کے اور کبھی کسی نے انھیں قبول تک نہیں کیا۔ ایسے بھی بہت ہیں جو قبولیت عامہ کی مہر حاصل کر کے کچھ مدت کے لیے تو گڑبڑ مچا دیتے ہیں۔ مگر آہستہ آہستہ پرانے رہنے والوں سے ان کا سمجھوتا ہو جاتا ہے۔ اور انھیں بھی وہی حقوق مل جاتے ہیں۔ جو زبان کے اپنے بچوں کے تھے۔

مختلف زبانوں نے اردو کے بنانے میں مدد دی ہے۔ اور اس کی تائید میں ایک چھوٹی سی مثال خالی از فائدہ اور لطف نہیں ذرا دیکھو تو سہی۔

پنڈت۔ معلّم۔ مولوی۔ استاد۔ آتالیق۔ ماسٹر۔ پروفیسر۔ کہاں کہاں سے آئے ہیں۔ کیا بتانے کی ضرورت ہے۔ کہ پنڈت سنسکرت سے۔ معلّم۔ مولوی۔ عربی سے۔ اُستاد۔ فارسی سے۔ آتالیق ترکی سے اور ماسٹر انگریزی سے آئے ہیں۔

۱۲۔ تفریق و تمیزِ معانی

رفتہ رفتہ جب کسی زبان کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور سوسائٹی بھی سادگی کی حالت سے تمدّن کی پیچ در پیچ راہوں میں جا نکلتی ہے۔ کثیر التعداد اشیاء نامزد کرنی ہوتی ہیں۔ روز بروز بڑھنے والے اور ترقی کے خیالات کا اظہار ضروری ہوتا ہے۔ اور کئی امور میں امتیاز اور فرق جتانا لازمی ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں ایک ہی چیز کو دو یا زیادہ ناموں سے پُکارنا سوائے تضیع وسائل کوئی اور نتیجہ مترتّب نہیں کرتا۔ لوگ احساس کرنے لگتے ہیں۔ اور ان کا احساس بجا ہوتا ہے کہ جس حالت میں بلے انتہا دنیا ان کے ارد گرد آباد ہے۔ اور اس کے متفرق اور مختلف اجزا کو مشخص کرنا اور ان کا نام رکھنا مطلوب ہے۔ اور یہ اجزا کبھی ان کی زندگی کا حصّہ اور ان کی ملکیّت نہیں ہو سکتے ہیں۔ جب تک وہ انھیں اپنے خیالات اور اپنے احساسات کے مطابق موسوم نہ کریں۔ تو ان

حالات میں اس سے زیادہ بے تمیزی اور فضولی کیا ہو سکتی ہے۔ کہ ہم ایسی اشیاء کو جو ایک ہی نام سے بخوبی پہچانی جا سکتی ہیں۔ دو یا دو سے زیادہ ناموں سے یاد کریں۔ اور یہ فضولی یقیناً دوسری طرف کمی اور تنگی کی وجہ سے پریشانی کا باعث ہو گی۔ ایک خیال۔ جذبہ یا واقعہ کو کوئی لفظ نہ ملے گا۔ اور یہ صرف اس لیے کہ ایک دوسرے خیال۔ جذبہ یا واقعہ کے لیے دو الفاظ ہیں۔ یہاں مترادف الفاظ کی تفریق کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ اور جو الفاظ تا حال بالکل ہم معنے سمجھے جاتے تھے اور اس لیے بلا تمیز استعمال کیے جاتے تھے۔ ان کے استعمال میں تمیز اور تفریق شروع ہو جاتی ہے کسی زبان کی دولتمندی کی یقینی اور قطعی دلیل اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ یہ سلسلہ مکمل ہو جائے۔ اور جب کبھی دو یا دو سے زیادہ الفاظ جو پہلے بلا تمیز و تفریق استعمال ہوتے رہے ہیں اپنا اپنا موضوع علیحدہ علیحدہ لے کر متداول ہوں۔ اور کسی دوسرے کے موضوع کی حدود میں دست اندازی کرنے کا موقع نہ ڈھونڈیں اور نہ ہی کوئی اور ان کی حدود میں دست اندازی کرے۔ ظاہری طور پر شاید یہ پرانے مقبوضات کی حد بندی کی صحت ہی دکھائی دے۔ لیکن عمل کارروائی کے لیے یہ نئے مقبوضات سمجھنے چاہئیں۔

۱۳ - اس کا طریق عمل | یہ سلسلہ کسی باقاعدہ تجویز یا قرارداد سے شروع یا جاری نہیں جاتا اور نہ ہی اس کی تکمیل میں کوئی ضابطہ قرارداد کام

دیتی ہے۔ زبان کی عملی قوت خود ہی اپنا مقصد اور مدعا پورا کرتی ہے۔ ان مترادف الفاظ کو چپکے چپکے ایک دوسرے سے ہٹائے جاتی ہے۔ اور انھیں الگ الگ ایک مخصوص معانی کا متحمل اور ذمہ دار بنا دیتی ہے۔ سوائے علوم و فنون کی اصطلاحات کے کوئی ایک مصنف اس سے زیادہ نہیں کر سکتا کہ عوام کے موجودہ رجحان طبیعت میں مدد دے اور اکثر اہل زبان کے ذہن میں جو ایک دھندلی سی تفریق پیدا ہو رہی تھی۔ اسے وضاحت سے سب کے سامنے دکھلائے۔ اور اس طرح اس علٰحدگی کی کارروائی کو فوری عملی صورت بخشے اور مستحکم بنیاد پر الفاظ کے فرق باہمی کو قائم کر دے تاکہ اس کے بعد اسے کوئی بھولے نہیں یا اس پر اعتراض نہ ہو۔ چند الفاظ جن میں پہلے کوئی فرق نہ تھا اور اب سمجھا جاتا ہے حسب ذیل ہیں:۔

لڑکی۔ لونڈی۔ چھوکری۔ چاؤ۔ چاہ۔ تماشبین تماشائی۔

۱۴۔ توسیع عمل کی ضرورت | ایک کثیر تعداد الفاظ اردو زبان میں اس تشخیص و تفریق کی منتظر ہے۔ ان میں سے اکثر وقت پر منزل مقصود کو پہنچ جائیں گے۔ اور ان کی اس کامیابی سے زبان کے خزانوں میں اتنی دولت اور جائیداد بڑھے گی اور اس حد تک وہ مالا مال ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ ایک امر واقعہ یا کسی فرق کے بیان کرنے کے لیے جسے زبان کا کوئی لفظ بھی پہلے مکمل اور واضح طور پر بیان نہیں کر سکتا

تھا۔ ایک نیا لفظ جو پیش کیا گیا ہو استعمال کرنے والے کے دماغ کے واسطے ایک تازہ آلہ غور و فکر کا ہے۔ تو ہم اس بات کے اندازہ کرنے یا سمجھنے میں کسی قسم کی غلطی نہیں کر رہے کہ یہ منتظر تشخیص و تفریق ہماری زبان کی دولت بازگشت ہے۔

مثلاً کس قدر حقیقی اور اخلاقی فائدہ ہو اور حضرت انسان کے خیالات و اعمال میں کس قدر صفائی آ جائے۔ اگر ہم واضح طور پر قرار دے لیں کہ الفاظ سزا اور بدلہ میں سے جو بھی اپنے اپنے دائرہ اثر کی حد بندی کر رہے ہیں۔ سوائے اُس صورت کے ہم کسی شخص کے گناہوں یا کسی مجرم کے جرم کی پاداش کا ذکر کر رہے ہوں کسی اور جگہ سزا کا لفظ استعمال نہ کیا جائے۔ سزا دینا۔ خداوند کریم یا حاکم وقت پر جو اللہ کی طرف سے اس کی حقانی فیصلجات کا تعمیل کنندہ ہے۔ چھوڑا جائے۔ اور انتقام جس کی محرک کوئی نیت نیک یا الٰہی نہیں بلکہ انسان کے حیوانی جذبات اس کی محرک ہیں۔ اس کا نام بدلہ رکھا جائے۔ اگر یہ فرق نہ کیا جائے تو اخلاقی بیزاری جو بدلہ سے بجا طور پر ہونی چاہیے۔ بعض اوقات سزا سے بھی اضطراری طور پر ظاہر ہو جاتی ہے اور حالت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو شرارت اور بدکاری سے بھرپور ہے۔ سزا کے بغیر حق کا بول بالا ہونا یا اخلاقی حکومت کا قیام ناممکن ہے۔

۱۵۔ مختلف زبانوں سے آئے ہوئے مترادف الفاظ | ان وجوہات کے سبب

جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ اردو زبان کا ڈھانچا تو بے شک ہندی ہے۔ لیکن اس کا گوشت و پوست فارسی اور عربی سے آئے ہیں۔ اور بعد میں انگریزی نے بھی اس کی ترکیب میں ایک معتد بہ حصّہ لیا ہے۔ اور یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر اردو میں مترادف اسم ہندی اور فارسی یا عربی کے ملے جلے بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اٹکل — تخمینہ
بولی — زبان
بہانہ — حیلہ
بھرم — عزّت
دھوکا — فریب
جتھّا — گروہ
اُبال — جوش
چٹکلا — مذاق
داتا — سخی
دوہائی — فریاد
چاپلوسی — خوشامد
ڈینگ — لاف
دھڑکا — خوف

نوکر - چاکر

چین - راحت

بعض اوقات مذہب اور علوم کے واسطے فارسی اور عربی دونوں زبانوں سے امداد طلب کی ہے۔ اور انھوں نے اس میں فیاضی سے کام لیا ہے۔ دونوں نے جہاں تک ان سے ہو سکا ہر ایک خیال کے لیے الگ الگ لفظ دیئے۔

اللہ - خدا

رسول - پیغمبر

صلوٰۃ - نماز

عبادت - پرستش

صوم - روزہ

صاف - پاکیزہ

زاویہ - گوشہ

شرع - آئین

تہذیب و شائستگی

اس کے سوا مترادف افعال بھی فارسی یا عربی سے بکثرت لیے ہیں۔

اعتبار - بھروسہ کرنا

تقسیم - بانٹنا

تمنا - چاہنا

فارسی سے حاصل مصدر کی صورت میں۔۔۔

کشش - کھینچنا

داد ودہش - دینا

اور پھر اسم صفت بھی اسی طرح جمع ہو گئے ہیں۔

غریب - کنگال

فقیر - منگتا

چالاک - چالیا

بخیل - کنجوس

خوفناک - ڈراؤنا

کہیں کہیں یہ بھی ہوا ہے کہ اُردو نے فارسی سے ایک اسم لیا ہے۔ اور اسم صفت فارسی اور عربی سے لے لیا ہے اور عربی کے اسم کو چھوڑ دیا ہے۔

بازار۔ بازاری۔ سوقیانہ۔ سوق کا لفظ استعمال میں نہیں۔

یہاں صرف چند مثالیں دی گئی ہیں۔ اور یوں تو ان کی تعداد کثیر ہے۔ ان فہرستوں کے الفاظ ایزاد کرنے میں آپ کو خوشی اور فائدہ دونوں ہوں گے۔ اور جہاں تک ممکن ہو انھیں مکمل بنا لو۔

۱۶ - ان کے معانی میں تفریق اور تمیز | اگر ہم غور سے ان الفاظ کو ملاحظ کریں جو پہلو بہ پہلو اپنا قدم جمائے کھڑے ہیں۔ اور کوئی ایک دوسرے

سے پیچھے ہٹنے والا نظر نہیں آتا۔ ہم دیکھیں گے کہ قریباً ہر ایک مثال میں الفاظ نے اپنا اپنا علیحدہ حلقہ معنے قائم کرنے کی کوشش کی ہے اور استعمال میں کم و بیش ممیز ہو گئے ہیں۔

اٹکل۔ اگرچہ ابتدا میں قیاس اور رائے کرنا ہی تھا۔ لیکن اب اس قیاس اور رائے کی وقعت اٹکل پچو کی ترکیب میں ظاہر ہوتی معلوم دیتی ہے۔

تخمینہ۔ بھی وہی قیاس ہے لیکن قیمت لگانے اور قریب قریب اندازہ کرنا مفہوم ہوتا ہے۔

بولی میں زبان کی شستگی نہیں پائی جاتی اور حقیقت میں اس کی جگہ زبان کے ابتدائی اور محدود مدارج میں ہے۔ بولی کو زبان کا رتبہ ملنے کے لیے اس میں نشو و نما اور وسعت درکار ہیں۔

بہانہ۔ صرف عذر ہے۔ حیلہ میں فریب اور دھوکا جزو شامل ہے۔

بھرم۔ غیروں کی نگاہ میں تمھاری منزلت اور اعتبار۔ ان کا تم پر بھروسا کرتا ہے۔ جب تجربہ سے لوگ تم پر اعتبار کرنے لگتے ہیں تو پھر تمھارا بھرم ان کی آنکھوں میں قائم ہو جاتا ہے۔

دھوکا۔ صورت ظاہری سے غلطی کھانے کو کہتے ہیں اور فریب اپنی طرف کھینچنا۔ اپنے دام میں پھنسانا۔ اور اپنا دلدادہ کر لینا شرط ہے۔

جیتقا۔ دھڑا بندی کا خیال لیے ہوئے ہے جو گروہ میں نہیں اُبال اور جوش گرم پانی سے نکل کر ایک تو عنفد کے جذبہ تک اور دوسرا عام تیزی اور دوسرا عام تیزی اور سرگرمی سے بھی پرے تک پہنچ گیا ہے۔

دھڑکا۔ دل دھڑکنے اور اُس وقت کی حالت کا نام ہے جو خوف اور بیم و امید کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ چاکر اصل میں نوکر کے ماتحت کام کرنے والا ہے۔

۱۷۔ متحد المثل الفاظ میں بھی تفریق معانی ہو جاتی ہے | یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ پہلے معنوی جدائی کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کا واسطہ مختلف نسلوں سے تھا۔ اور اس واسطہ کے اختلاف نے زیادہ تر اس جُدائی میں مدد دی ہو گی۔ یہ تو صحیح مگر یہی حالت۔ یہی سلسلہ ان الفاظ میں بھی جاری ہے جہاں اختلاف نسل کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

انتظام اور اہتمام ہر دو عربی نسل سے ہیں۔ لیکن انتظام۔ نظم لڑی میں پرونے سے ہے۔ اور بکھری ہوئی اجزا کو قاعدہ اور ضابطہ میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔

اہتمام۔ ہم۔ فکر سے ہے۔ اور انتظام کے افکار۔ محنت۔ اور نگرانی پر دال ہے۔ اسی طرح حجت اور دلیل بھی عربی ہیں۔ لیکن اب حجت میں معقولیت ناپید ہوتی جاتی ہے۔

کسوف و خسوف ہر دو عربی النسل ہیں۔ اور گرہن کے

معنوں میں آتے ہیں۔ کسوف سورج گرہن ہے اور خسوف چاند گرہن ہے۔

داستان و فسانہ دونوں فارسی ہیں۔ دونوں کہانی کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن داستان میں اصلیت اور سچائی کا عنصر غالب اور فسانہ میں بالکل غائب ہے۔

سودائی۔ سودادی بھی عربی الاصل ہیں۔ ایک ہی مخرج سے لیے گئے ہیں۔ معنوں میں فرق دیکھو۔ سودائی تو یقیناً پاگل ہی ہوتا ہے۔ سودادی۔ مزاج کے لحاظ سے تو اسی قبیل سے ہے۔ مگر اس درجہ کو نہیں پہنچتا۔

عیسائی حضرت عیسیٰ کا پیرو۔ عیسوی۔ منسوب بہ عیسیٰ جیسے سنہ عیسوی۔ آہنی۔ لوہے کا بنا ہوا۔ آہنیں۔ لوہے کی طرح۔

۱۸ - اختلاف مادّہ اور اختلاف معانی | اب چند ایسے الفاظ لو جنھیں صرف رواج نے آپس میں ممیز نہیں کردیا بلکہ ان میں اصولی اور مادی فرق ہے۔ مگر وہ فرق ایسا ہے کہ اس کا تاڑنا سہل نہیں اور بالخصوص جب تک ہمیں الفاظ کی صورت پر ہی اعتبار ہوگا کوئی فرق ظاہر ہونا مشکل ہے۔ آؤ فرق نکالیں اور پھر دیکھیں کہ اس سے کہاں تک فائدہ ہوتا ہے۔

مرتبہ - درجہ - اور پایہ ہم ایک ہی معنوں میں ہر روز استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم ان کے مادہ پر غور کریں۔ اور ان میں جو امتیازی حد

ان کی اصلیت نے قائم کی ہوئی ہے وہاں تک پہنچیں۔ تو ہم بلاشبہ خوش ہوں گے کہ ان الفاظ کی بدولت بجائے ایک غیر معین خیال کے ہم تین الگ الگ واضح اور مستقل مجموعہ خیالات کے مالک ہیں۔

مرتبہ۔ اصل میں ترتیب دینے سے پیدا ہوا۔ اور اس ترتیب میں استقلال حاصل کر کے ادبیت کا سہرا باندھ بیٹھا ہے۔ ترتیب میں تو مختلف رُتبے قائم ہو گئے اور چھوٹے بڑے ایک ہی نام سے موسوم ہیں۔ لیکن مرتبہ کا اطلاق اب بغیر کسی صفت کے اعلیٰ رتبہ ہونے لگا ہے۔

درجہ۔ آہستہ آہستہ ترقی کا نتیجہ ہے۔ اور کسی درجہ پر پہنچنا ظاہر کرتا ہے کہ پہنچنے والے نے اپنی محنت۔ لیاقت اور قابلیت سے اور خدا جانے کن وسائل سے مختلف مدارج طے کر کے کوئی درجہ حاصل کیا ہے۔

پایہ۔ پاؤں۔ بنیاد پر مبنی ہے۔ اس کی اصلیت میں ہی استحکام اور مضبوطی ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کی ابتدا میں ہی بزرگی تھی۔ اس کی بنیاد ہی اچھی ہے۔ اس میں چھوٹے درجہ سے بڑے درجہ تک پہنچنے کا خیال ضروری جزو نہیں۔

اسی طرح تحقیقات۔ تجسّس۔ اور تفتیش اور تفحص کے مخرج بھی مفید طلب ہیں۔

تحقیقات۔ حق جوئی ہے۔

تجسّس کے مادّہ میں خبر کی تلاش اور وہ بھی بدی کے لیے مرکوز ہے۔

جاسوس۔ اسی مادّہ سے نکلا ہے اور اس کا کام مشہور ہے۔

تفتیش۔ کریدنا اور کرید کرید کر کسی بات کا نکالنا ہے۔ تفحص میں بھی کریدنے کا جزو شامل ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے عیب جوئی و راز جوئی بھی ہے۔

تفتیش میں کسی قسم کی بدنیتی کا دخل نہیں۔ اصل میں یہ تحقیقات یعنی حقیقت امر دریافت کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔

تجسّس و تفحص میں نیت اور ارادہ نیک نہیں ہوتے۔ ان میں فرق صرف یہ ہے کہ تجسّس میں نتیجہ کا علم حاصل کر کے اس سے کوئی بدی کرنے کا منشا ہوتا ہے تفحص میں بدنیتی محض حصول علم کے متعلق ہی ہے۔ اس سے بڑھ کر نہیں کہ کوئی عیب یا راز معلوم کیا جائے۔ یہ کہ اس علم سے کیا فائدہ اٹھایا جائے گا۔ تفحص کا جزو نہیں۔

بیزاری۔ نفرت اور حقارت میں فرق بیّن ہے۔ جب ہمیں کسی سے نفرت ہو جاتی ہے تو ہم اس سے بھاگنا چاہتے ہیں اور جب ہم ناخوش ہوتے ہیں۔ اپنی خواہش۔ اپنی پسندیدگی کے مطابق کسی کو نہیں پاتے تو ہم اس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہمیں کسی سے حقارت ہوتی ہے تو سوائے اس کے اور کچھ

نہیں کہ ہم اسے چھوٹا اور ذلیل سمجھتے ہیں۔

۱۹۔ غیر مترادف الفاظ بعض اوقات ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں

بعض اوقات الفاظ مترادف نہیں ہوتے مگر دوسرے کی جگہ کئی بار استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس بیجا استعمال کے سبب ضروری ہے کہ ہم انھیں ایک دوسرے سے تمیز کرنے کے لیے ان کے مخارج کا خیال رکھیں۔

مثلاً جعلی اور فرضی کا فرق قابل غور ہے۔ جعلی کے لیے ضروری ہے کہ جس کی اصلیت کچھ نہ ہو۔ جعل۔ ایک اصلی چیز کی نقل بنا کر اصلی کے لیے پیش کرنا ہے۔ فرضی کے واسطے کوئی اصلیت ضروری نہیں۔ بلکہ فرضی تو وہی ہے کہ جس کی اصلیت کچھ نہ ہو۔ جعلی صرف اشیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ فرضی اشیاء اور انسان دونوں کے لیے آتا ہے۔ جعلی دستاویز یا جعلی سکّہ لوگ بنا لیتے ہیں۔ اور فرضی بات یا فرضی آدمی پیش کر کے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۰۔ الفاظ اپنی اصلیت سے بہر حال وابستگی رکھتے ہیں

آپ نے دیکھا ہو گا کہ اکثر الفاظ میں جو ہم نے بیان کیے ہیں ان کا استعمال ان کے مخرج کے حوالے سے ظاہر کیا گیا ہے اور مادّہ کی رہنمائی سے ان کی حدِ امتیاز قائم کی گئی ہے۔ مترادف الفاظ کی ایک کتاب میں یہ بحث اُٹھائی گئی ہے۔ کہ ایسی کتاب کا موضوع صرف الفاظ کی

موجودہ اضافی حیثیت ہی ہو سکتی ہے۔ اور ان کی اصلیت اور مخارج
سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اگر مادّہ اور اصلیت کی طرف
رجوع کیا جائے تو معنوں میں بجائے وضاحت کے ابہام اور ایہام
کی صورت نظر آنے لگے گی۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ بسا اوقات الفاظ
اپنی اصلیت میں قائم رہنے میں بہت تساہل کرتے ہیں۔ اور
استعمال اور رواج کی لہروں میں ادھر کے اُدھر اور اُدھر کے
ادھر پھیر رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ان حالات میں بھی اصلیت سے
ضرور وابستہ ہوتے ہیں۔ قطع تعلق کی مثالیں شاذ ہیں۔

مشعلچی۔ مشعل اٹھانے والا ہے۔ اور اگرچہ اب باورچی خانہ
کے برتن صاف کرنے والا بھی اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ شعلہ کی
نسبت دور نہیں ہوئی۔

غریب۔ اجنبی۔ غیر وطن تھا۔ جیسا کہ غریب الوطن میں ابھی
تک موجود ہے۔ اب نادار اور بیکس ہے۔ لیکن دیکھ لو اجنبت اور
وطن سے دور ہونے کی حالت نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ خصم عربی میں دشمن
تھا یہاں مالک ہوا اور پھر اُردو میں خاوند ہو گیا۔ چیرہ دستی کا خیال مشترک ہے

۱۲۔ اگر ظاہر نہیں تو اس میں اصلیت کی جھلک تو ضرور رہتی ہے

جو الفاظ اپنی اصلیت کا تعلق ایسی وضاحت
سے بیان نہیں کر رہے ہوتے۔ ان میں بھی اس
کا اثر خاموشی سے اپنی جھلک دکھا دیتا ہے۔
اور بسا اوقات خیال تک نہیں ہوتا اور یہ اپنی موجودگی سے آگاہ ہی

دے دیتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ مدت مدید کے بعد جس میں معلوم ہوتا تھا کہ ایک لفظ اپنی اصلیت بالکل بھول گیا ہے۔ ادھر اُدھر بھٹک کر وہ اپنے ماخذ کی طرف پھر رجوع کر لیتا ہے۔ اور کسی زبان کے اُستاد اور ماہرین جو اپنی مادری زبان کی طاقتوں کو حالت قوہ سے فعل میں لانا چاہتے ہیں۔ بالعموم الفاظ کے استعمال کو ان کے مادّہ سے دوبارہ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور الفاظ چاہے کتنی ہی سرکشی کریں وہ انھیں ان زنجیروں سے باندھ دیتے ہیں۔ خواہ کچھ ہی ہو۔ کسی لفظ کی گذشتہ تاریخ۔ اور یہ تاریخ یقیناً اس کے مادّہ سے ہی شروع ہوتی ہے۔ خواہ جلد نسیاً منسیا ہو جائے۔ لیکن جب کبھی ہمیں اس لفظ کی موجودہ حیثیت دریافت کرنی ہوگی۔ اس کی تاریخ کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکیں گے۔ یہ درست ہے۔ کہ الفاظ کے لغوی یا ابتدائی معنوں کا علم ان کے موجودہ معنے کا فیصل کُن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ استعمال انھیں مخرج سے کہیں دور لے جاتا ہے۔ لیکن معنوں کے تعیّن میں ہم الفاظ کی ابتدا اور مخرج کو نہیں بھول سکتے۔ آج ایک انسان کی حالت کل سے بالکل مختلف ہو تو ہو۔ اس کی موجودہ حالت کا اندازہ کرنے کے لیے اس کی سابقہ زندگی اور گذشتہ حالات معلوم کرنا غیر ضروری نہیں کہا جا سکتا۔ اور یہی بات الفاظ کی ہے:-

۲۲ - مترادف الفاظ کا اخلاقی فائدہ | بعض اوقات مترادف الفاظ کا

استعمال اخلاقی فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہمارے دل میں ہوتا ہے وہی ہم زبان سے نکالتے ہیں اور اس طرح ان مترادف الفاظ کی مدد سے ہم اپنے اظہار خیالات میں منافقت کے گناہ سے بچ جاتے ہیں۔ کسی امر کی تائید کرتے ہوئے ضروری نہیں کہ ہم دل سے اس کی راستی کے قائل ہوں اور نہ ہی ہم تائید میں کوئی ایسا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کسی امر کی تصدیق کر رہے ہوں گے تو ہم صاف صاف بتا رہے ہوں گے کہ ہم خود دل سے اس کے قائل ہیں اور دل سے موید۔

تلطف و مدارا۔ تلطف میں مہربانی۔ شفقت پائی جاتی ہے اور مدارت۔ صرف خوش اخلاقی سے پیش آنا ہے۔ تلطف کا دل سے واسطہ ہے۔ مدارت۔ محض ظاہری طریق عمل ہے۔ دل سے کوئی تعلق نہیں۔ ع

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

اس تمیز کا شاہد ہے

نمائش اور نمود۔ دونوں دکھاوے کے لیے۔ لیکن نمائش میں صرف دکھاوا ہی ہے۔ اور نمود میں عزت ملحوظ ہے۔

۲۳۔ مترادف الفاظ میں تفریق کی اہمیت چند دیگر مثالوں میں ہے | مترادف الفاظ کے معانی میں تمیز کرنے کے لیے ایک اور مثال قابل غور ہے۔ ابداع۔ اختراع و ایجاد میں گو بظاہر اور روز مرہ

سکے استعمال میں ایسا فرق بیّن نہ ہو۔ مگر اختراع میں اجزا کا وجود موہوم ہوتا ہے۔ حقیقت اور اصلیت تھوڑی ہوتی ہے اور ایجاد میں مختلف اجزاء موجودہ کو یکجا کرکے نئی شکل دی جاتی ہے۔ اور نئی چیز تیار کی جاتی ہے۔

کسی شخص کی من گھڑت بات کو اس کی اپنی اختراع کے نام سے پکارتے ہیں اور نام موزون ہے۔ لیکن انجن ایک ایجاد ہے جو بھاپ کی طاقت دریافت ہونے پر تیار کیا گیا ہے۔ ایک موجودہ۔ مگر نامعلوم چیز کو دریافت اور منکشف کیا جاتا ہے۔ معلوم یا دریافت شدہ اجزاء کو مجتمع کرنے سے ایک نئی چیز ایجاد کی جاتی ہے۔ اختراع محض ڈھکوسلا ہے۔ اگرچہ بسا اوقات ایجاد کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مرتد اور کافر کے الفاظ بھی بار بار سنے ہوں گے۔ اور بولنے والوں نے بہت ہی کم اس امر کو مدنظر رکھا ہوگا کہ لفظ جو وہ استعمال کر رہے ہیں فی الحقیقت موزون ہے یا نہیں۔ مرتد کی اصلی معنوں میں ارتداد ضروری جزو ہے اور اسلام سے ارتداد مرتد بنا دیتا ہے۔ اس طرح مرتد کے لیے پہلے مسلم ہونا شرط ہے۔ کافر کے لیے کوئی ایسی شرط نہیں۔ آپ تعجب کریں گے۔ اگر آپ کو یہ بتایا جائے کہ مترادف الفاظ میں امتیاز کرنے سے بعض اوقات بڑے فسادات اور خونریزیاں روک دی گئی ہیں۔ اس موقعہ پر ہم

مولانا شبلی کی سیرۃ النعمان سے ایک واقعہ نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ضحاک خارجی نے جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا۔ کوفہ پہنچ کر قتل عام حکم دیا۔ امام ابو حنیفہؒ کو خبر ہوئی۔ دوڑے گئے اور پوچھا کہ آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے۔ اس نے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا "پہلے ان لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جس کو انھوں نے چھوڑ دیا، یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے۔ جواب رکھتے ہیں؟" ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا۔ امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا۔ ضحاک نے کہا۔ بیشک میری خطا تھی۔ اسی وقت حکم دیا کہ تلواریں نیام میں کر لی جائیں۔

متقابل اور متضاد میں تمیز کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا مقابلہ اور ضد میں فرق نمایاں ہے۔ متقابل اشیاء ایک دوسرے کی ترتیب و تکمیل میں ممد و معاون ہو سکتی ہیں۔ لیکن متضاد اشیاء باہم منافی ہیں۔

اخلاقی اور ذہنی خاصیتیں جو ایک دوسرے کے متقابل ہیں ایک ہی آدمی میں پائی جا سکتی ہیں۔ مگر متضاد خاصیتوں کا اس طرح مجتمع ہونا ہے۔ مثلاً ایک سپاہی دور اندیش اور دلیر ہو سکتا ہے۔ لیکن دور اندیشی اور ناعاقبت اندیش تندی متضاد

ہیں اور ایک جا نہیں ہو سکتیں۔ ہم ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص کو محبت اور خوف سے دیکھ سکتے ہیں۔ خدائے جل وعلا کی محبت اور ڈر ہمارے دل میں ہونا ہماری عین سعادت سمجھی گئی ہے البتہ محبت اور نفرت ایک ہی وقت میں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی دور اندیشی اور دلیری محبت اور ڈر ایک دوسرے کے متقابل ہیں متضاد نہیں اور اس واسطے ایک ہی جگہ ایک ہی وقت میں اکھٹے ہو سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے دور اندیشی اور تندی یا تیزی جسے ہم نے اس کی صفت ناعاقبت اندیشی سے زیادہ ممیز کر دیا ہے۔ اور محبت اور نفرت متضاد صفتیں جن کا اجتماع ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے سفیدی اور سیاہی۔ گرمی اور سردی کا ایک ہی وقت میں ایک جگہ پر ہونا۔

شیرینی اور ترشی بھی متقابل ہیں۔ لیکن شیرینی اور تلخی متضاد ہیں۔

اوپر کی مثالوں سے واضح ہو گیا ہو گا کہ متقابل اشیاء میں ایک قسم کا تعلق ہے۔ متقابل اشیاء ایک ہی جڑ سے مختلف شاخوں میں برقیات کے اثباتی اور منفی طاقتوں کی طرح پھیلتی ہیں۔ اور اپنے اس تقابل میں ہی ایک دوسرے کا سہارا اور باعث قیام ہوتی ہے۔

لیکن متضاد اشیاء مختلف مواقع سے ایک دوسرے کی مقابل

اور مانع ہوتی ہیں۔ اور ایک کی موجودگی کا سلسلہ دوسری کی نابودگی سے وابستہ ہے۔

متقابل اور متضاد کا یہ فرق اخلاقی اور دیگر شعبوں میں مدنظر رکھنے سے بیحد مفید ہوگا۔

۲۴۔ دو الفاظ کو بلا وجہ متحد المعانی تصور کر لینا اور اس کے نتائج

فی الحقیقت اس سے زیادہ کوئی منبع پریشانی اور نقصان نہیں کہ دو الفاظ بلا حیل و حجت ہم معنے فرض کر لیے جاتے ہیں۔ اور اس لیے ایک دوسرے کی بجائے ان کا مستعمل کرنا جائز سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی تصور کر لیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک کا منشا جو حقیقت میں صحیح ہوتا ہے دوسرے پر بھی جو اسی منشاء سے اجنبی ہے حاوی ہے۔ مثال کے طور پر تعلیم گاہ۔ مکتب۔ مدرسہ اور دبستان قابل توجہ ہیں۔

موجودہ طریق تعلیم کے خیال سے تعلیم گاہ ایک ایسا لفظ ہے جو واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتا ہے۔ یہاں علوم مروجہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس تعلیم کی مختلف شاخوں سے بچے جو ناآشنائے محض ہوتے ہیں۔ انھیں متعدد مدارج میں ان شعبوں کی ضروریات سے آگاہی کرائی جاتی ہے اور اس طرح چند امور کی ناواقفیت کے درجہ سے نکال کر ان سے واقفیت حاصل کرانا۔ موجودہ تعلیم کا مقصد اور ماحصل ہے۔ مکتب کا لفظ محدود ہے اور وہ محض

کتابت تک ہی محدود کر دیا گیا ہے۔ موجودہ تعلیم میں لکھانا پڑھانا
دونوں شامل ہیں۔ اور مکتب لکھانے کے سوا اور کسی امر کا کفیل نہیں۔
مدرسہ۔ درس گاہ ہے۔ درس میں مشاق مضمر ہے۔ مدرسہ
تعلیم گاہ اور مکتب سے یقیناً اعلیٰ رُتبہ کی چیز ہے۔

موجودہ تعلیم کے نقائص۔ اور مسلمہ نقائص کا اعتراف اس
سے زیادہ وضاحت سے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہماری زبان سنے
دبستان کے لفظ کو وہ مقبولیت نہیں دی جو اس کا حق تھی۔ اور
سچی بات تو یہ ہے کہ مقبولیت اسے مل بھی نہ سکتی تھی۔ زمانہ حال
کی تعلیم گاہوں کو دبستان کے لفظ سے یاد کرنا محض افترا ہوتا۔ دبستان
تو ادبستان ہے اور آج کل ادب آداب تو ہماری تعلیم گاہوں میں
کہاں۔ ان کا مقصد اور منشاء تو جیسا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ چند امور
سے معرفی کرانا ہے اور بس۔ دبستان کا منشاء اولے ادب آموزی
تھی جو یہاں مفقود ہے۔

۲۵۔ مترادف الفاظ میں تمیز کرنا اور اس کے فوائد

آخر میں مترادف الفاظ کے باہمی تمیز کرنے میں جو کثیر فوائد مضمر ہیں ان میں
سے چند میں آپ کے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں۔ ہمیں مان
لینا چاہیے کہ فوائد کثیر ہیں خواہ ہم خود وہ سب کے سب دیکھ
نہیں سکتے۔ کیونکہ بسا اوقات بڑے بڑے زبان دانوں کو مختلف
الفاظ استعمال کرتے ہوتے ہوئے ان کے معنوں کی تمیز اور تفریق

پر غور کرنے کے لیے ٹھہرنا پڑا ہے۔ انھوں نے بیحد فکر و محنت اور بلے انتہا نازک خیالی کو اس کام پر لگانے سے مشکور پایا ہے اور مسلمہ طور پر وہ اس کی اہمیت کے قائل ہیں۔ ان کی تصنیفات بھی۔ مصنفین کے اس خاص ارادہ اور مقصد کے بغیر ہی۔ امر زیر بحث میں صفحہ صفحہ پر سبق آموز ہیں۔ زبان کا ماہر اپنی تحریر میں جو صحت لفظی و معنوی کو مد نظر رکھتے ہوئے لفظوں کو استعمال کرتا ہے ہمیں مترادف الفاظ کے ایک دوسرے سے تمیز کرنے میں لفظ لفظ پر مشق کراتا ہے۔ البتہ مترادف الفاظ پر غور کرنے کے فوائد کے لیے دوسروں پر اعتبار کرنا ضروری نہیں۔ الفاظ جو بظاہر ایک سے ہیں لیکن حقیقت میں نہیں ان میں تمیز کرنے کی قابلیت رکھنا علم و فضل کی دلیل ہے۔ دیکھو شہرت و تشہیر ایک ہی مادہ سے نکلے ہیں۔ شہرت میں نیک نامی کا خیال غالب ہے اور تشہیر میں بدنامی کا دھبا نمایاں ہے۔ مشتہر ہونے میں بھی بدنامی کا ساتھ نہیں چھوٹا۔ الفاظ میں ہر وقت ایسا ساز و سامان موجود ہے کہ ہم طبیعت کو اس پر لگانے سے ماہر بنا سکتے ہیں۔ اور ذہانت کی استمداد سے الفاظ میں تمیز کرنے کی عادت کے ذریعے ابہام و پریشانی کو دور کر کے وضاحت و صراحت پیدا کر سکتے ہیں۔ الفاظ میں اس طرح تمیز کرنا شخص ذہنی مشق کے خیال سے ہی مفید نہیں بلکہ اشیاء میں جو حقیقت میں مختلف ہیں تمیز اور

تفریق کرنے اور اس تمیز اور تفریق کو اپنے ذہن میں مستقل جگہ دے کر ہمیشہ کے لیے انھیں اپنا بنانے کا اس سے بہتر طریق اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم انھیں، مناسب ناموں اور مخصوص نشانات سے نامزد اور موسوم کر دیں اور اس سے ہمارے دماغی ذخیرہ علمی میں ترقی یقینی ہو گی۔

۲۶ - مترادف الفاظ کی حد بندی میں مفید مضامین کی تہ تک پہنچنے کا موقعہ ہوتا ہے

الفاظ اور ان کے معانی کے درمیان حد بندی کرنے کی کوشش میں رفتہ رفتہ ہم ایسے مضامین کے تہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ جو از حد مفید ہیں۔ اور کسی مضمون اور اس کی جملہ خصوصیات پر حاوی ہونے سے ہی یہ حدود صحت اور کامیابی سے قائم ہو سکتی ہیں۔

اسلامیوں کے اقتدار کے زمانہ میں ان کے سیاسی اور مذہبی خیالات کا صحیح صحیح اندازہ وہی شخص کر سکتا ہے جو امیر المومنین خلیفہ اور سلطان کے مختلف مدارج اسلامی تاریخ میں یکے بعد دیگرے بغور مطالعہ کر کے ان ہر سہ الفاظ کے منشا کو ذہن نشین کر لے۔ جو فرض ۔ سنت ۔ واجب اور مستحب میں کر سکے۔

۲۷ - مترادف الفاظ کی تفریق سلیس ۔ با محاورہ ۔ فصیح و بلیغ عبارت کے لکھنے پر مدد دیتے ہیں

اُردو زبان یا کسی دوسری زبان کے سلیس، با محاورہ اور فصاحت و بلاغت سے لکھنے کے لیے کس قدر ضروری

ہے کہ ہم بجائے اس کے چند الفاظ میں سے جو بظاہر ان میں سے ہر ایک ہمارے مطلب کے ادا کرنے کے لیے موزون معلوم ہوتا ہے. کوئی ایک منتخب کر لیں۔ ہم فی الفور دیکھ لیں کہ کونسا لفظ اور صرف وہی ہمیں منتخب کرنا چاہیے اور وہی لفظ ہمارے خیالات کے لیے موزوں تر لباس ہوگا. کسی خوش لباس آدمی کی اعلیٰ ترین خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کپڑے اس کے جسم کے ہر طرح سے مناسب اور موزوں ہوں۔ یہ نہ ہو کہ تنگ ہونے کے سبب ادھر سے کھچے تنے ہوں یا کھلے ہونے کی وجہ سے اُدھر سے پھیلا بنے ہوئے اور ڈھیلے ہوں اور یہی بڑی خوبی ایک عمدہ تحریر کی ہے۔ کہ الفاظ خیالات کے عین مناسب اور مطابق ہوں۔ یہ نہ ہو کہیں تو کسی دیوزاد کے کپڑوں کی طرح جو ایک بونے کو پہنائے گئے ہوں۔ سب طرف سے نیچے لٹک رہے ہوں اور کہیں ایک بچّے کے لباس کی مانند جس میں کسی جوان آدمی کو بڑی تکلیف اور مشکل سے دھکیل دیا گیا ہو ناموزونیت کا ایک تماشہ بنائے ہوں۔ پڑھنے والا کہیں یہ محسوس نہ کرے کہ لکھنے والے کی مراد کچھ اور ہے لیکن اظہار خیالات میں وہ قاصر رہا ہے۔ اور کہیں یہ خیال نہ کرے کہ اپنے منشاء دلی سے زیادہ بیان کر رہا ہے۔ یہ بھی نہ ہو کہ لکھنے والے کو لکھنا کچھ تھا اور الفاظ کچھ اور بتا رہے ہیں۔ یا یہ کہ تحریر مطلقاً بے معنی اور کسی امر کے ظاہر اور بیان کرنے میں بھی کامیاب

نہیں ہوئی اور یہ سب کچھ محض اس لیے کہ زبان کے استعمال میں بے ہنری اور کم بضاعتی نظر آرہی ہے۔ اور لکھنے والا اپنے خیالات کے اظہار میں مناسب اور موزدن ترین الفاظ کے انتخاب کرنے کی قابلیت سے بے بہرہ ہے ۔

۲۸۔ غیر مستعمل الفاظ کی طرف توجہ درکار ہے

قریب قریب ہر ایک زبان میں کثیر التعداد الفاظ غیر مستعمل اور ناکارہ پڑے ہیں کس قدر الفاظ جو رائج ہوتے ہیں اور ہونے چاہییے چند ادبیات کے مشہور مصنفین کے کتابی خزانوں میں بند پڑے ہیں۔ یا لغات کی کتابوں کے سوا اور کہیں نظر نہیں آتے اور ہم ہیں کہ اس دولت کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو اپنی پسند اور مرضی سے ناداری کی دلدل میں پھنسائے ہوئے ہیں۔ بسا اوقات بڑے نازک اور اہم اُمور میں اور بلا شُبہ خیالات کو موزوں لباس پہنانا ایک نازک اور اہم امر ہے۔ ہم اپنے آپ کو ایسی مدد سے جو ہمارے اشارہ پر ہمیں مل سکتی بلا وجہ محروم کر دیتے ہیں۔ اور ہماری مثال بعینہٖ اس صناع کی سی ہو گی جیسے ایک مشکل اور اہم کام کے لیے درجن بھر مختلف اوزار مختلف مقاصد کے لیے دیے گئے ہوں اور وہ اپنی سستی اور شیخی کی وجہ سے صرف ایک ہی اوزار استعمال کرنے پر مصر ہو۔ اور جو کام بڑی عمدگی سے ہو سکتا تھا اسے بھدے پن سے سرانجام دے۔ یا کام کا وہ حصہ بالکل ہی چھوڑ دے جو وہ دوسرے اوزاروں

کی مدد سے بآسانی کر سکتا تھا۔ ایسا ہی دُنیا کے معاملات اور لوگوں کے باہمی میل جول میں اکثر ہوُا ہے۔ اور کتابوں میں بھی ایک محدود تعداد الفاظ کی جا و بے جا استعمال کی گئی ہے اور اس جا و بے جا استعمال سے ان الفاظ کا کچومر نکال دیا گیا ہے۔ اور سینکڑوں الفاظ بے کار پڑے ہیں۔ اور ان سے وہ خدمت نہیں لی جاتی جو وہ دوسروں کی نسبت بدرجہا بہتر سرانجام دے سکتے تھے۔ انھیں اس قدر فراموش کر دیا گیا ہے کہ آہستہ آہستہ وہ پیچھے جا پڑے ہیں اور اب متروک ہو گئے ہیں یا ہو چلے ہیں۔ بعد میں یہ بھی ہوگا کہ کبھی ان کی ضرورت پڑے گی اور ہماری ناواقفیت جو ہم نے خود اپنی زبان کے خزانوں سے۔ خزانے جو ہمارے نئے مطالبات پورے کرنے کے لیے کافی و وافی ہیں۔ ہمیں باہر غیر زبانوں سے استمداد کے لیے بھیجے گی تاکہ ان سے ہم الفاظ جو ہمارے اپنے ہاں بھی موجود ہیں اپنے مطالبات ادا کرنے کے لیے حاصل کریں ؛

۲۹- اظہار خیالات میں مناسب اور موزوں الفاظ کا استعمال اخلاقی پہلو رکھتا ہے

ہمیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مناسب اور موزوں الفاظ میں بلا کم و کاست اظہار خیالات کی قابلیت ایک ذہنی خوبی ہے اور بس۔ فی الحقیقت یہ ایک ذہنی خوبی ہے۔ اور شاید قویٰ دماغی کے تکمیل کے اس سے زیادہ اور کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت اس قابلیت کے اخلاقی پہلو کی

ہے۔ صراحتاً اس کا رابطہ صداقت اور راستی سے ہے اور اس لیے اس کا اخلاقی تعلق اظہر من الشمس ہے۔ جس کسی نے راستی اور صداقت کی کچھ بھی پرواہ کی ہے اور اس کی تلاش میں کچھ بھی وقت دیا ہے اسے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس دنیا میں جھوٹ اور فریب زیادہ تر الفاظ کے پردہ میں رائج ہے اور کثیر التعداد تنازعے اور جھگڑے الفاظ سے جو بلا امتیاز اور بددیانتی سے استعمال کیے جاتے ہیں پیدا ہوتے اور قائم رہتے ہیں۔ جب انسان کو اس کا حقیقی تجربہ ہو جائے اور اس کو نقصانات کا احساس ہو تو الفاظ سے اسے ایک قسم کی نفرت ہو جائے گی اور وہ انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے گا۔ لیکن ان سے قطع تعلق تو ناممکن ہے اور اس کی نفرت اور حقارت دُور ہو جانی چاہیے۔ جب اسے یہ پتا لگ جائے کہ الفاظ کی دروغ بیانی اور فریب دہی جو اس کی باعث نفرت ہے الفاظ کے صحیح استعمال کی نہیں بلکہ ان کے جائز اور مناسب استعمال کی کار پردازی ہے اسے معلوم ہو جائے گا کہ دروغ و کذب کی خدمات بجا لانے میں الفاظ کتنے ہی مستعد کیوں نہ ہوں وہ خود۔ بذات خود راستباز ہیں۔ زہر کے ساتھ ساتھ اس کا دارو بھی موجود ہے الفاظ اور ان کی دروغ بیانی پر طعن اور ملامت بھی تو الفاظ ہی کی مدد سے ہو سکتی ہے۔ خود انھی سے پوچھو ان کا منشا کیا ہے۔ ان کی مراد کیا ہے تاکہ تم الفاظ کی ستم پروری اور ستم شعاری سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اور

دوسروں کے پہچاننے میں بھی امداد کرسکو۔ الفاظ میں تمیز کرنا سیکھو۔ کیونکہ قدرت نے جو چیزیں الگ الگ کردی ہیں گفتگو میں انھیں ملا جُلا دینا کل غلطیوں کا منبع ہے۔ اگرچہ ہم اس بات کا وعدہ نہیں کرسکتے کہ مترادف الفاظ کا مطالعہ اور ان سے واقفیت۔ یا اصلیت اور مخارج الفاظ کا علم۔ یا کوئی اور شعبہ علم۔ ماسوائے افضل ترین علوم علوم یعنی علم دین ہمیں اس عطیہ الٰہی یا کسی دوسرے عطیہ کے ناجائز اور ناروا استعمال کے ترغیب و تحریص سے جو ہر وقت ہمارے پیش نظر ہوتی ہے۔ بچا سکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ مطالعہ الفاظ اگر مناسب طریق پر کیا جائے تو کلام کی طاقت جو ہمیں اللہ جلشانہٗ نے مرحمت کی ہے۔ اس کا رُعب ہمارے دل میں قائم رہے گا اور ہم اُس وہبی طاقت کو جو قادر مطلق نے ہمیں اعلیٰ اور پاکیزہ مقاصد کے لیے عطا کی ہے کسی غلط اور بے جا طریق پر استعمال کرنے کے خیال سے ہی کانپ اُٹھیں گے اور ہرگز جرأت نہ کریں گے کہ اسے کبھی بے جا استعمال کریں۔

* * *

فصل ہفتم

مدرس اور الفاظ

۱ - فن تعلیم میں ترقی

مدرسہ اور کالج کی تعلیم نے پچھلے چند سالوں میں ایسی شکل و صورت بدلی ہے۔ کہ انیسویں صدی کا طالب علم آج کل کے مدرسے میں جاکر محو حیرت ہو جاتا ہے۔ فن تعلیم کی ترقی نے سازو سامان تعلیم کثرت سے مہیا کر دیا ہے۔ جو امور پہلے سمجھنے اور یاد کرنے مشکل معلوم ہوتے تھے۔ انھیں ذہن نشین کرنے کے لیے حد سے زیادہ سہولتیں پیدا کر دی گئی ہیں۔ تعلیم و تعلم کی نئی راہیں کھول دی گئی ہیں۔ اور پرانے طریق میں جو دقتیں نظر آتی تھیں اس کا حل کر کے اُٹھا دی گئی ہیں۔ کہ طلبا کو منزل مقصود تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

کنڈر گارٹن۔ اسباق الاشیاء۔ نقشے۔ آلات۔ جدید طریق تعلیم وغیرہ وغیرہ تحصیل علم میں ممدو معاون ہیں۔ ان کی امداد بلا شبہ قابل قدر ہے۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ بمقابلہ اس کے

جو پہلے سے ہمیں ایک اور ذریعے سے مل رہی ہے۔ اگر ہم اس سے کبھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ ہیچ محض ہے۔ جس وقت ہمارے سامنے ایک بچہ بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی اور ہماری مشترکہ زبان کا ایک لفظ تعلیم و تعلّم کی راہ میں بے اندازہ اور قیمتی امداد پہنچاتا ہے۔ اور وہ ایسی امداد ہے جس کا مقابلہ کوئی بیرونی مدد چاہے وہ کتنے ہی وسیع پیمانے پر ہو۔ نہیں کر سکتی۔

جن لوگوں کو یہ بیرونی مدد میسّر نہیں۔ ان کے لیے یہ امر یقیناً باعث اطمینان اور مسرت ہوگا۔ اور جنھیں یہ میسّر ہے۔ انھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ اس بیرونی امداد پر کس قدر بھروسہ کر سکتے ہیں۔

۲۔ زبان میں تعلیمی ترقی کا ساز و سامان | زبان کے بنانے میں قوائے انسانی کی شبانہ روز کوششوں نے صریح اور مستقل نشانات قائم کیے ہوئے ہیں۔ اور ایک اہل زبان اس کی بدولت نازک خیالیوں اور دلاویز رنگ آمیزیوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے خزانوں کا مالک ہوتا ہے۔

تعلیم کی روز افزوں ترقی کے لیے بہت ساز و سامان غالباً کثیر المنفعت اور قدرے گراں قیمت بھی استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ لیکن کوئی ساز و سامان ایسا ضروری یا ایسا مفید نہیں۔ جیسا کہ ہماری سیدھی سادی کم خرچ زبان۔ یہی روزمرہ جو پیش پا افتادہ اور ہر ایک ضرورت اور خدمت کے لیے ہر وقت موجود ہے۔

آپ کسی بڑی تعلیمی نمائش کا اہتمام کریں۔ اور اس نمائش کے کامیاب بنانے میں خواہ کتنی ہی کوشش۔ کتنی ہی محنت اور کتنی ہی قابلیت دکھائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی اس نمائش کے مقابلہ میں ملک کی زبان تعلیمی مجربات اور علمی عملیات کے نتائج کا ذخیرہ بلاشبہ کہیں زیادہ پیش کر رہی ہو گی۔

اس امر کی صداقت میں کسی کو بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور اس ضمن میں ہم چند طریقے بیان کریں گے۔ جن سے آپ اس عجیب و غریب ساز و سامان کو اپنی زندگی کی مقصد پورا کرنے کے لیے مؤثر پیرایہ میں استعمال کر سکیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اس باب میں معلومات حاصل کرنے کی باتیں آپ خوشی سے سنیں۔ کیونکہ جو کچھ اس سلسلے میں آپ کے کان میں پڑے گا۔ ہمیں یقین واثق ہے۔ کہ آپ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے خیال سے محظوظ ہوں گے۔ اور اگر آپ نے اس سلسلے کو جاری رکھنے کا خیال نہ کیا۔ اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں تساہل اور کوتاہی سے کام لیا۔ تو اس بارہ میں آپ کی محنت خود غرضی پر مبنی ہونے کی وجہ سے آپ کے کسی کام نہ آئے گی۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ کہ حقیقی اہل علم وہی ہے جو تعلیم و تعلّم میں یکساں فرحت پاتا ہے۔ اور یہ الفاظ دل پر نقش کرنے کے قابل ہیں۔ ہمیں اپنے دل سے سچا وعدہ کر لینا چاہیے۔ کہ ہمارے اقوال میں ہمارے افعال ہیں۔ ہماری زندگی میں یہ اصول کبھی متروک

اور فراموش نہ ہوگا۔ اور ہمیشہ اور ہر جگہ پیش نظر رہے گا۔

۳- رہنماؤں کی شناخت میں احتیاط شرط ہے

پیشتر اس کے کہ ہم قدم آگے بڑھائیں ایک بات بیان کرنی ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ کہ زبان میں ہم کوئی نئی تحقیقات نہیں کر سکتے۔ لیکن رہنماؤں کے انتخاب میں احتیاط شرط ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ سیدھی راہ سے بھٹک کر کہیں اِدھر اُدھر سرگرداں نہ رہیں۔ شاید آپ کو اس بات کا علم نہ ہو۔ کہ دوسرے علوم کی نسبت علم زبان کے وسیع میدان میں۔ اس قدر غیر معتبر رہنما ملتے ہیں۔ کہ چپہ چپہ پر آنکھیں کھول کر چلنا لازمی ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ علم زبان کے دلدادہ تو بکثرت ملیں گے۔ لیکن اُنھوں نے اپنی دلی محبت کے جوش میں اسے خاص و عام کی نظروں میں غیر موقر اور سمجھ دار اور بے سمجھ ہر دو قسم کے لوگوں میں ہنسی اور مذاق کا نشانہ بنا دیا ہے۔ قدما کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب کبھی وہ علم زبان میں جدوجہد کرتے تھے تو ان کی اس کوشش میں ایسی سہل انگاری نمایاں ہوتی تھی۔ جو ناگفتہ بہ ہوتی۔ لیکن یہ الزام دوسروں پر بھی عائد ہوتا ہے۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان کے بعد ان کے جانشین ایسے نا اہل ثابت نہیں ہوئے بلکہ وہ بھی اپنے پیش رووں کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔

۴- اشتقاق الفاظ میں جلد بازی

اب بھی کیا ہوتا ہے۔ بالعموم علم

زبان کا مشتاق اصلیت الفاظ کی تلاش میں دائیں بائیں نظر دوڑاتا ہے۔ مختلف زبانیں۔ موجودہ یا گذشتہ جو اس کے احاطہ نگاہ میں آتی ہوں۔ ٹٹولتا ہے۔ اس کی سعی مشکور ہوتی ہے۔ اسے ایک لفظ مل جاتا ہے۔ اس بات کی پرواہ نہیں کہ کس زبان میں ہو کم و بیش اس لفظ سے مشابہت رکھتا نظر آتا ہے۔ بس اس نے سمجھ لیا۔ کہ مشکل حل ہو گئی۔ منشا پورا ہو گیا۔ اور اس خیالی دھوڑ دھوپ میں اس نے اپنا شکار مار لیا۔ بڑے بڑے ہوشیار آدمی فاش غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور لغات کے زبردست ماہرین جو لفظوں کے معنے۔ صحت اور فصاحت میں بلا کم و کاست بیان کرنے میں ید طولٰے رکھتے ہیں۔ ان کی اصلیت کا پتا لگانے میں بسا اوقات اور بہت بری طرح قاصر رہے ہیں۔ اور بعض حالات میں تو صاف ظاہر ہے کہ تھوڑی سی واقفیت بھی ایسی غلطیوں سے بچانے کے لیے کافی تھی۔

۵ - اس کے نتائج | بسا اوقات اس پیشے کی تحقیقات لفظ میں ایک زبان کا دوسری زبان کے لفظ سے مشتق سمجھا جاتا ہے۔ اور اس امر کا مطلقاً لحاظ نہیں کیا جاتا۔ کہ ان دونوں زبانوں میں کبھی کوئی تاریخی تعلق یا باہمی میل جول بالواسطہ یا بلاواسطہ نہیں ہوا۔ یہاں تک بھی تو پرواہ نہیں کی جاتی کہ اتنا معلوم کر لیا جائے کہ کسی صورت میں لفظ زیر بحث کا ایک زبان سے دوسری

زبان میں جانا حدِ امکان کے اندر بھی تھا یا نہیں۔ یا مشابہت محض سطحی اور دھوکا دینے والی ہی ہے۔ جو الفاظ کے زوائدات سے پاک کرنے پر نابود ہو جاتی ہے ؏

جو لوگ اس میں بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔ وہ اپنا علم نہیں بڑھاتے۔ بلکہ اپنی ناواقفیت کے دائرے کو وسیع کرتے ہیں۔ الفاظ کے اشتقاق کی ایسی چند مثالیں دیکھنے کے قابل ہیں ؏

۶۔ ظاہری مشابہت پر حکم لگانا خطرناک ہے

ظاہری مشابہت دیکھ کر اتحادِ اصلیت پر حکم لگانا کس قدر خطرناک ہے۔ ذیل کی عبارت سے جو ہم مولانا مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کی سخندانِ پارس سے لفظ بہ لفظ نقل کرتے ہیں۔ بخوبی واضح ہو جائے گا۔

" ایک دفعہ جوانِ ہمت اور شوقِ سیاحت مل کر مجھے ترکستان کے ملک میں لے گئے۔ بلخ سے چند میل آگے بڑھ کر ہمارا قافلہ اُترا۔ ان ملکوں کے لوگ کم علم۔ کم معلومات ہوتے ہیں۔ اپنی آرام طلبی اور راستوں کی دشواری انھیں ادھر کے سفر میں سدِ راہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے ملک کے آدمیوں کے ساتھ شوق سے ملتے ہیں۔ اور ذرا ذرا بات معلوم کر کے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ گاؤں کے لوگ آ کر قافلہ میں پھرنے لگے۔ دستور ہے کہ اہلِ آبادی روٹیاں۔ گھی۔ دودھ۔ دہی انڈے۔ گوشت۔ مرغیاں۔ قالین (اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے) لاتے ہیں۔ قافلہ والے قیمت کپڑا۔ سوئیاں۔ رانگ۔ پیتل کی انگوٹھیاں

جُگنیاں۔ کانچ اور شیشے کے دانے دے کر خریدتے ہیں۔
ایک ترک بچہ طالب علم میرے بستر کے پاس آبیٹھا۔ دو تنگے
میرے ہاتھ میں تھے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اس نے پُوچھا۔
در ملک شما ہمیں تنگ رواج دارد۔ ایک افغان کا بستر برابر تھا
وہ بولا۔ کہ در ہند روپیہ کلدار است۔ فرنگی بران تصویر خود را نقش
میکند۔ طالب علم نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ چہ طور ؟ میں نے کہا
راست مے گوید روپیہ ہند برابر سہ تنگ شما است۔ اس نے
پوچھا۔ تصویر چرا نقش مے کنند ؟ میں نے کہا۔ سکّہ سلطنت است۔
در دور دائرہ نام و میانہ اش تصویر شاہ است۔ آں ہم۔ تمام نیست۔
کلّہ اش را نقش مے کنند۔ ترک بچہ بولا۔ آرے۔ ہمیں سبب روپیہ
را کلہ دار نام کردہ باشد۔ کلدار کو کلہ دار کا مخفف سمجھا۔ خوب سمجھا
مگر غلط سمجھا۔ ایک دن میں کوکان میں چند اشخاص کے ساتھ بیٹھا
بیٹھا تھا۔ چائے کا دَور چل رہا تھا۔ ایک بڈھے فرتوت نے پوچھا
کہ در ملک فرنگی سلطنت مے کند ؟ میں نے کہا بلے۔ اُس نے
پوچھا۔ او چہ نام دارد۔ میں نے کہا۔ بادشاہ در ملک فرنگ بپایہ
تخت خود است۔ برائے ما نائبے فرستادہ است او حکم میر اند۔
بادشاہ ما ہما نست۔ پُوچھا۔ آخر او چہ نام دارد۔ میں نے کہا
بعد ہر چند سالے عوض مے شود البتہ باعتبار عہدہ و منصب
آنرالاٹ مے گویند۔ ایک بولا۔ گوبرناس باشد (یعنی گورنر)۔

ہیں نے کہا بلے۔ ہیچنیں۔ ایک اور ترک نے کہا۔ لات چہ شے دارد۔ میں نے تامل کیا کہ کیا کہوں۔ دوسرا بولا ہماں لات۔ منات است یتیسرا بولا۔ نے افرنگ بُت پرست نیست بڈھے ازبک نے کہا۔ آخر کافراست۔ کفر ہر جا یکیست۔ لات شاں ہماں لات ومنات باشد۔

اب تم غور سے خیال کرو۔ ہندوستان میں جو انگریزی روپیہ کے لیے کلدار کا لفظ پیدا ہوا۔ یہ بھی ایک عجیب اور اتفاقی ولادت تھی۔ پھر بھولے بھالے ترک نے جو اس کے لیے وجہ نکالی۔ یہ عجیب در عجیب اتفاق ہے۔

لاٹ کہ اور لارڈ کے معنوں کو دیکھو کہ ہندوستان میں اک لفظ میں کیا تغیر پیدا ہوا۔ اور معنے اس کے یہاں کیا خیال پیدا کرتے ہیں۔ پھر اس ازبک کو دیکھو کہ کیا سمجھا۔ اور دلیل کیا خوب پیدا کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلیت الفاظ کی تحقیق بہت نازک کام ہے۔ قیاس واندازہ ہمارا ہرگز قابل اطمینان نہیں۔ اندھیرے میں تیر پھینکتے ہیں۔ لگا ورنہ ہائے قسمت"۔

جملہ معترضہ۔ اسی سلسلہ میں ایک شعر بھی یاد آگیا جو خالی از لطف نہیں ؎

یار من در آب عزت ماندہ است   من غریبم در زمستان حصار

آب عزت سے مراد پانی پت اور زمستان حصار سیالکوٹ

مُراد ہے۔ شاعر کا تخیل اشتقاق قابل داد ہے۔

ایسی ایسی غلطیاں کسی مدرّس کے منہ سے چاہے کتنی بیہودہ معلوم ہوں۔ پھر بھی قابل معذرت ہو سکتی ہیں۔ لیکن الفاظ کے متعلق جو وہ استعمال کرتا ہے۔ اس کی غفلت شعاری۔ ان کی تاریخ۔ اصلیت۔ اور حقیقت معلوم کرنے سے بے اعتنائی۔ ناقابل۔ درگزر گناہ ہے۔ تلاش علم میں ٹھوکریں کھانا۔ ایسا بُرا نہیں۔ البتہ ٹھوکروں سے بچنے کے لیے تلاش ہی میں نہ نکلنا قابل ملامت ہے۔

۷۔ سطحی مشابہت اور ظاہری اختلافات کا اثر

اگرچہ ایسی غلطیاں جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ قابل معافی ہیں۔ لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ مختلف زبانوں میں مشابہت الفاظ اتحاد و اصلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اور اسی طرح آواز یا موجودہ صورت کا ظاہری اختلاف اتحاد کا منافی نہیں۔ اور جو لوگ اس اصول کو مدِّنظر نہیں رکھتے۔ وہ ہمیشہ غلطیاں کریں گے۔ اور دوسروں کی غلطیوں کے باعث ہوں گے۔ یہاں کا قاعدہ یہی ہے۔ کہ صورت پر نہ جاؤ۔

ایک حکیم نے جس کی دُوربین نظر مستقبل کے اکتشافات کو دیکھتی تھی۔ چند سال گذرے ہیں۔ کہا تھا۔ کہ بہت سے مادّے جو پہلے نگاہ غیر اغلب خیال کرتی ہے۔ صحیح ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی ایزاد کر سکتا تھا۔ کہ بہت سے غلط مادّے اغلب معلوم ہوتے

ہیں۔ ان حالات میں ہوشمندی تو اسی میں ہے۔ کہ ایک طرف تو سطحی مشابہت پر بھروسا نہ کریں۔ اور دوسری طرف ظاہری اختلافات سے پرے نہ ہٹ جائیں۔ جو لوگ حروف کی بنا پر اور بالخصوص حروف کی مطابقت اور تبدیلی کے مقررہ اور مشہور اصولوں کی بنا پر نہیں۔ بلکہ آواز کی بنا پر اصلیت الفاظ تلاش کرتے ہیں۔ ان پر اعتبار نہ کرو۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ اکثر اوقات جو غیر اغلب معلوم ہوتا ہے۔ وہی صحیح ہوتا ہے۔

گندش فارسی میں	گندبک۔ سنسکرت میں ہے
ہور۔ فارسی میں	سورج۔ سنسکرت میں ہے
گیسو۔ فارسی	کیش۔ سنسکرت میں ہے
گام۔ فارسی میں	گرام۔ سنسکرت میں ہے

گاڈں۔ ہندی میں۔ حیز۔ عربی۔ ہیز اور ہیجڑا ایک ہی ہے۔
بونگا اور بانکا۔ معنی کجرائے۔ بے محل بات کرنے والا۔
آدینہ۔ جمعہ آذینہ ہے۔ آذ بمعنی زیب و زینت۔ چونکہ جمعہ آرائش کا دن ہے۔ آذینہ سے آدینہ ہو گیا۔

دوسری طرف بھی قابل غور ہے

جاروب فارسی لفظ ہے۔ جارو اس کا مخفف بھی مستعمل ہے ہندی جھاڑو سے اسے کوئی لفظی مناسبت نہیں۔ البتہ دونوں ایک ہی کام کے لیے استعمال میں آتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے بعض

لوگ انھیں متحد الاصل کہتے ہیں ۔

انتقال ۔ عربی الاصل ہے نقل سے مشتق ہے ۔ اسے سنسکرت انتسا ۔ موت اور کال وقت سے ملانا بے جوڑ بات ہے ۔ اسی طرح انتہا بھی ہے ۔ سنسکرت میں ان ۔ تھاہ یعنی جس کی تہ نہ ملے بیان کرنا سراسر غلطی ہے ۔

۸ ۔ ظاہری صورت سے دھوکا نہ کھاؤ

بہر حال جو بات ذہن نشین کرنے والی ہے وہ یہ ہے ۔ کہ تحقیقات کی کامیابی کے لیے ظاہریت ۔ دھوکا دینے والے شکل و صورت سے پرہیز کرنا لازمی ہے ۔ ظاہری صورت کو بالائے طاق رکھ کر اصل چیز تک پہنچنا اور اسے قابو میں لانا ضروری ہے ۔ الفاظ کا بہروپ رنگ کا ہے اور اس کی ماہیت معلوم کرنے کے لیے مستحکم ارادہ اور استقلال طبیعت درکار ہے ۔ محنت اور تکلیف سے ہی الفاظ سے حسب منشا اور سچا جواب مل سکتا ہے ۔ ورنہ نہیں ۔ پوچھنے والا ادھر اُدھر کے جوابات سے نہیں ٹلے گا ۔ انہیں چھوڑنے کا نہیں ۔ مضبوط ہاتھ سے پکڑے رکھنے پر مصر ہو گا ۔ تاوقتیکہ اصل روپ میں نمودار نہ ہوں اور سوالات کا سیدھا جواب نہ دیں ۔

اس جگہ یہ کہہ دینا بھی بے فائدہ نہ ہو گا ۔ کہ جو شخص اس طرح ظاہری صورت پر اعتبار کرنے سے ڈرتا ہے ۔ اگر وہ اپنے دوسرے دائرہ تحقیقات و معاملات میں اسی عادت پر کاربند رہا ۔ تو اسے

بیحد منفعت پہنچنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔ ایسا شخص ہر ایک بات کی اصلیت و بنیاد پر پہنچنے کی کوشش کر کے اس پر قدم جمانا ہے اس کا اعتقاد ہے۔ کہ دروغ کو فروغ ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی دروغ دروغ ہی ہے۔ اور گو راستی سیدھی بدنما سی نظر آئے۔ اور اجنبیت کا لباس پہنے ہوئے غیر مانوس دکھائی دے۔ پھر بھی راستی راستی ہی ہے۔

۹۔ اصوات اور ہجا | ہم نفس مطلب سے دُور جا پڑے ہیں۔ اگرچہ نظر بحالات ضروری تھا۔ آپ نے دیکھ لیا ہے۔ کہ ہم الفاظ کے اشتقاق۔ ان کی اصلیت تک پہنچنے۔ ان کا مادّہ نکالنے کو کس درجہ تک مفید سمجھتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہوئے ہمارے ذہن میں کسی زبان کے خزانے جو مذاق عقل و خرد۔ نازک خیالی اور تاریخ سے بھرے پڑے ہیں۔ کلیتاً خالی کرنے کی اس سے بہتر اور کوئی تجویز نہیں ہو سکتی کہ ہجا کو اصوات کے ماتحت کر دیا جائے۔ الفاظ کو اصوات کے مطابق لکھنا۔ تحریر کو ہر ایک مرحلے پر تقریر کی زنجیر میں باندھ دینا ہے۔ جس کی کوئی وجہ یا ضرورت معلوم نہیں دیتی۔ حقیقت میں ہر ایک لفظ کے دو وجود ہیں۔ تحریری اور تقریری۔ اور ہمارا کوئی حق نہیں۔ کہ ایک کو دوسرے پر قربان کر دیں۔ یا ایک کو دوسری کی غلامی میں دے دیں۔ لفظ آنکھ اور کان دونوں کے لیے ہستی رکھتا ہے۔ اور سوسائٹی کے اعلیٰ مدارج ترقی میں جب پڑھنا ایسا ہی عام ہوتا ہے۔ جیسا کہ

بولنا۔ تو لفظ کی بہ ہستی کان اور آنکھ کے لیے برابر برابر ہو جاتی ہے
تحریر میں ہی زبان کا قیام اور استحکام ہے۔ اور ہجّے کا رگ و ریشہ
اس سے وابستہ ہے ۔

۱۰۔ نقصانات تجویز | طریق ہجا میں اس قسم کی تبدیلی سے فائدہ تو
جو کچھ ہوگا۔ سو معلوم۔ لیکن نقصانات بے شمار ہوں گے۔ فائدہ
اگر کچھ بھی ہو تو اس سے زیادہ نہیں۔ کہ ہجّے سیکھنے میں جو محنت برداشت
کرنی پڑتی ہے۔ اس میں کمی ہو جائے گی۔ لیکن اس محنت کے
اندازہ کرنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے۔ حامیان تجویز کا بیان ہے۔
کہ ہزارہا گھنٹے بچہ ہجّے سیکھنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ اور بڑے
بوڑھے بھی ہجے کی مشکلات کی وجہ سے کتاب لغات کی مدد بغیر
ایک خط بھی نہیں لکھ سکتے۔

لیکن یہ فائدہ بھی دیرپا معلوم نہیں دیتا۔ کیونکہ تلفّظ بھی تو ہر
وقت بدلتا رہتا ہے۔ اچھا بُرا جو کچھ ہو رواج فیصلہ کرتا ہے۔ کثیر
تعداد الفاظ آج اس لب و لہجہ سے بولے جا رہے ہیں۔ جو سو سال
ہوئے کہ نہ تھا بلکہ دس سال ہی ہوئے کہ مختلف تھا۔ پس چند سال
میں ہی صورت الفاظ اور ان کی اصوات میں پھر تفاوت ہو جائے گا
الآن حالات میں کہ صورت آواز کے ساتھ برابر بدلتی رہے۔ اور یہ
تبدیلی طوعاً کرہاً اصوات کے جملہ اضطراری اور وحشیانہ تغیرات
کے مطابق ہو۔ اس طرح تبدیلی صرف تلفظ میں ہی نہیں۔ بلکہ تحریر

الفاظ میں بھی ہوتی رہے گی۔ اور تحریر ایک سایہ ہوگا۔ جو غلامانہ حیثیت میں بولی کے تابع ہوگا۔ ان تبدیلیوں اور تغیرات کے جمع ہونے پر جو موجودہ موانعات کے اُٹھا دینے سے بکثرت پیدا ہو جائیں گے۔ زبان جو صورت اختیار کرے گی۔ بتانا کوئی سہل امر نہیں ؛

۱۱۔ تجویز پر اعتراضات | اس تجویز کے خلاف یہ ایک چھوٹا سا اعتراض ہے۔ کہ ان دقتوں کے دُور کرنے میں ہی جو اس کا خاص مقصد و منشاء ہے۔ ان کا اثر صفر ہوگا۔ لیکن اس سے زیادہ وزن دار اعتراض بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس تجویز کا معمولی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ بے شمار الفاظ میں ان کی اصلیت اور ماخذ کے نشانات مٹ جائیں گے۔ نشانات جو اب ان کی پیشانی پر ثبت ہیں یا ذرا سے استفسار پر سامنے آموجود ہوتے ہیں۔ اب الفاظ کا حسب و نسب معلوم ہے۔ اور الفاظ کا حسب و نسب لوگوں کے حسب و نسب کی طرح۔ ایک بیش بہا مقبوضات میں سے ہے اور انھیں اپنے بزرگوں کی طرح بڑے بڑے کارناموں کا اہل بناتا ہے۔ مگر یہ تجویز ان کے علو مرتبت کے نشانات کو ملیا میٹ کر کے انھیں عامیانہ حیثیت کے قعر مذلت کو میں پھینک دے گی۔

آج کل الفاظ ایک قوم کا تو تبہر رکھتے ہیں۔ اپنے اپنے قبیلے، اپنے اپنے گھرانے۔ چھوٹے یا بڑے میں منسلک ہیں۔ مجوزہ تبدیلی

بعینہ ایک مبتذل اور وحشیانہ گروہ بنانے کا حکم رکھے گی۔ بسا اوقات اب وہ اپنی اندرونی روشنی سے چمکتے رہتے ہیں اور پھر وہ چمک جاتی رہے گی۔ اب ان کا جسم وجان ہیں۔ اور جان ان کے جسم میں روح رواں ہے اور پھر جسم بہت دفعہ بغیر جان اور روح رواں کے رہ جائے گا۔

یہ اعتراضات مدت ہوئی۔ کہ بیکن نے کیے تھے۔ اس کی رائے میں یہ اصلاح کہ صورت بھی آواز کے تابع ہو۔ ناکارہ طباعی کا کرشمہ ہے۔ اور بالخصوص اس سے غیر زبانوں سے آئے ہوئے الفاظ کے ماخذ نابود ہو جائیں گے:

۱۲ - نقصانات کی چند مثالیں

ان زیاں کاریوں سے۔ جو وقتاً فوقتاً اس قبیل کی کوششوں سے ظہور میں آتی رہی ہیں۔ ہم ان نقصانات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ جو اس تجویز کی مکمل صورت میں عمل میں لانے سے پیدا ہوں گے:

حقیقت میں اس تجویز کا نتیجہ تو یہ ہوگا۔ کہ علماء و فضلاء بجائے اس کے جاہل اور ناخواندہ لوگوں کو اپنے برابر اٹھالیں۔ خود ارادتاً ان کی سی کم مائگی اختیار کر لیں گے:

۱۳ - تجویز کی عملدرآمد پر اختلافات پیدا ہوجائینگے

اسی ضمن میں ایک بات اور کہنی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ ہر قسم اور ہر طرح کی مشکلات کا جمگھٹا جو موجودہ حالت اور آئندہ صورت کے درمیانی

دَور اور یہ دَور یقیناً ایک معتدبہ زمانہ ہوگا۔ بھیڑ لگا دے گا۔ ہمارا قیاس ہے کہ حامیانِ اصوات کی نظروں میں نہیں آیا۔ یہ تو ابھی سے دکھائی دیتا ہے۔ کہ جونہی اصلاحِ ہجّے کوئی عملی صورت خواہ وہ کتنی ہی نامکمل کیوں نہ ہو۔ اختیار کرے گی۔ مصلحین جو تا ہنوز باقی دنیا سے جھگڑتے تھے۔ فوراً آپس میں جھگڑنے لگیں گے۔ اور فی الفور یہ سوال پیدا ہو جائے گا۔ کہ زبان کے اس نئے جسم یا نئے روپ کی تکالیف کا یک لخت سامنا ہو۔ یا تدریج سے قدرے ضروری تغیرات عمل میں لا کر امتدادِ زمانہ سے مدعا حاصل کیا جائے۔

مُدعا بیشک ایک ہوگا۔ لیکن مُدّعا کے حاصل کرنے کے لیے مختلف وسائل عمل میں لائے جائیں گے۔ اور ہر ایک مصلح اپنی اپنی جگہ پر حصولِ مُدّعا میں بہترین کوشش کر رہا ہوگا۔ مگر دوسرے کی سعی کو بے اعتباری کی نظر سے۔ منزلِ مقصود سے کہیں پرے لے جاتا ہوا دیکھے گا۔

۱۴- الفاظ کے باہمی رشتہ میں پردہ ہوتا ہے

اس بحث میں ہم کہیں کے کہیں جا پہنچے۔ اصل مطلب کی طرف آیئے۔ اب بھی الفاظ کا باہمی رشتہ جو ان کا حقیقی منشا دپانے اور معانی سمجھنے کے لیے ازبس ضروری ہے۔ برابر طاقِ نسیان پر ہی دھرا رہتا ہے اور ہلکا سا پردہ اُن کی اصلیّت اور گھرانے کو ہماری آنکھوں سے

چھپا رہا ہوتا ہے۔ مثلاً ہمارے کتنے اسم نکرہ فی الحقیقت اسم مصدر ہیں۔ اور ہمیں اس کا وہم تک نہیں۔ یا کسی اور نہج پر افعال سے رابطہ رکھتے ہیں۔ کبھی ان کا ایسا باہمی واسطہ ہمارے ذہن میں آیا تک نہیں۔ ہمیں اگر کسی طرح معلوم ہو جائے کہ الفاظ جن کی بابت ابھی تک باہمی اجنبیت کا خیال ہمارے دل میں سمایا ہوا ہے ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ یگانگت رکھتے ہیں۔ تو یقیناً ہماری خوشی کی کوئی حد نہ ہو گی۔ اور ایسی معلومات سے ہم بلاشبہ اپنی زبان پر حاوی ہو جائیں گے۔

مثلاً تافتہ - کپڑا۔ یہی تافتن مروڑنا سے ہے۔ لفظ واہیات پر ایک دو لمحہ کے لیے ٹھہر جاؤ۔ اس کی اصلیت کا پتا لینا چاہیے۔ تحقیقات خالی از دلچسپی نہیں - واہیات عربی الاصل ہے۔ جمع کا صیغہ اور واہی اس کا واحد ہے۔ واہی وہی سے ہے اور وہی کے معنی ٹوٹنا اور پھٹنا ہے اس طرح واہی ٹوٹی پھوٹی اور ناکارہ چیز ہوئی۔ اور باتوں کے متعلق لفظ واہیات کا اطلاق ہوا۔ تو اس کے معنی سوائے بیہودہ اور لغو اس کے اور کیا ہو سکتے تھے۔

رومال - منہ ملنے والا - منہ صاف کرنے والا۔ پیچک میں کاف مفعولیت ہے۔ اور پیچک پیچیدہ کے سوا اور کچھ نہیں۔

تعویذ - اعوذ پڑھنا۔ اس لیے محفوظ رکھنے کی چیز۔ قبر کا تعویذ قبر کو محفوظ رکھنے والا۔

بسمل۔ تھوڑے سے استفسار پر ایک پُر مضمون داستان بیان کرے گا۔ ذرا توجہ کیجیے۔ بسمل یہی بسم اللہ ہے۔ اور مرنے والے حقیقی تو ہوتے ہی۔ مجازی بھی۔ یہی اصطلاحی مرنے والے۔ معشوق پر مرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اللہ کے نام پر حلال ہونے والوں میں شمار کرنے لگ گئے ہیں۔

بھیڑ۔ اور بھیڑیا کی نسبت ملاحظہ ہو۔

اور پھر یہ بھی دیکھو کر بھیڑ چال کو بھی بھیڑیا چال کہہ دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔

سوتیلا۔ صاف بتا رہا ہے کہ محض سوت کی نسبت سے معرضِ وجود میں آیا ہے اور اسی نسبت سے زندہ ہے۔

۱۵۔ مختلف الفاظ کا باہمی تعلق اور مثالیں	الفاظ کو ایک دوسرے کا ساتھ ان کے اصلی تعلق اور واسطہ کے سلسلہ میں پہنچانے کی

مشق میں ایک قدم آگے بڑھانے سے اور بھی سربستہ راز کھل جائیں گے۔ ایک دو لفظ کی حقیقت کیا ہے۔ الفاظ کی جماعتوں کی جماعتیں جو بظاہر ایک دوسرے سے الگ تھلگ اور ناواقف دکھائی دیتی ہیں۔ اور کوئی رشتہ اخوت تسلیم کرتی نظر نہیں آتیں۔ تھوڑی سی کوشش پر ایک ہی ماں باپ کی اولاد اگر یہ نہیں تو ہم زادگی کی قرابت باہمی تو بہرحال ضرور بتا دیں گی۔ اس جگہ شاید زیادہ مثالیں درکار نہیں۔ دو یا تین ہی کافی ہوں گی۔

طلوع ۔ طلعت ۔ مطالعہ ۔ اطلاع ایک ہی اصل سے ہیں ۔

فرق ۔ فراق ۔ تفریق ۔ فرقت کا بھی یہی حال ہے ۔

جنون ۔ مجنون ۔ جنت ۔ جن ۔ جنین ۔ ایک ہی قبیلے سے ہیں ۔

عارض ۔ عارضہ ۔ عرضی ۔ عرض ۔ عریضہ اور عروض ایک ہی گھرانے کے ہیں ۔

اور اس طرح جدھر دیکھو ایسا ہی واسطہ اور ایسی ہی قرابت بکثرت نظر آئے گی ۔

۱۶ - ایک ہی لفظ کے مختلف معانی میں رابطہ

لیکن الفاظ کی جماعتوں کا اس طرح باہمی رشتۂ اخوت قائم کرنا ۔ اور ان مشترک اصلیت کا سراغ نکالنا علم اشتقاق کی زیادہ واقفیت اور کتب لغات کی بہت سی امداد چاہتا ہے ۔ اور یہ بات ہر ایک شخص کو ہر وقت میسر نہیں ۔ ایک اور طریق ہے ۔ اور غالباً آپ کے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی کم مفید نہ ہوگا ۔ اور ساتھ ہی اس کے سہل بھی ہے ۔

آپ کتابوں میں دیکھتے ہوں گے ۔ کہ بعض اوقات ایک ہی کتاب میں ۔ اور شاید اسی کتاب کے ایک صفحہ پر ایک ہی لفظ ایسے مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے ۔ کہ ان کے مختلف معانی میں

کوئی رابطہ معلوم نہیں ہوتا۔ جب کبھی ایسا لفظ ملے کوئی ۔ جو دو چار معنوں میں استعمال ہوتا ہو۔ تو ان مختلف معانی میں باہمی رشتہ تلاش کرو۔ رشتہ اور رابطہ ان میں ضرور ہے۔ مگر اس کا پتہ تب ہی چل سکتا ہے۔ جب ہم لفظ کا مادہ نکالیں۔ اس کی جڑ تک پہنچیں۔ جہاں سے پھیلنے پھولنے والے بیج کی طرح اس کی یہ سب شاخیں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس سارے سلسلے کی سب سے پہلی کڑی کو ڈھونڈ نکالیں۔ جس سے کہ ساری بعد کی کڑیاں بالواسطہ یا بلاواسطہ لٹک رہی ہیں۔ ہمیں یہ تحقیقات جاری رکھنی چاہیے۔ اور سمجھ لینا چاہیے۔ کہ ہم ضرور یہ پتہ لگا لیں گے۔ یا کم از کم ایسا پتا لگایا جا سکتا ہے۔ اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک لفظ کے معنیٰ ابتدا میں ایک ہی ہوتے ہیں۔ اور بعد کے معانی چاہے اصلی معنوں سے کتنے ہی علیحدہ اور دور ہو جائیں۔ اپنے رابطہ کو چھوڑتے نہیں۔ اور اپنے لغوی معنوں سے جو ہر وقت انھیں، پکڑے اور ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے رکھتے ہیں۔ بآسانی ملائے جا سکتے ہیں۔ اور ان کی مثال بعینہٖ نسل انسانی کی طرح ہے۔ ان کا بھی وہی حال ہے۔ جیسے کہ مختلف اقوام انسانی۔ کالے۔ گورے۔ پیلے اور لال۔ باوجود اپنے موجودہ اختلاف رنگ و عادات وصفات اور باوجود اقطاع عالم میں اِدھر اُدھر پھیلے ہونے کے اپنے اتحاد، اصلیت اور بنی آدم ہونے کی حیثیت سے کہیں گریز نہیں کر سکتے ۔

۱۷- مثالیں | آؤ ایک دو مثالیں دیکھیں ۔

لفظ وجہ کس قدر مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

چہرہ - طریق - سبب - دلائل - گذارہ - تنخواہ وغیرہ وغیرہ

خوبصورت وجہ کا وجیہ کہلاتا ہے ۔ بات کرنے کے لیے ایسی وجہ اختیار کرنی چاہیئے جو کسی کو بری نہ لگے ۔

بلاوجہ کسی سے جھگڑنا مناسب نہیں ۔

وجوہات اپیل - وجہ کافی - وجہ معاش

وجہ مقررہ ۔

کیا ان مختلف معانی میں کوئی بات مشترک نہیں ۔ اصلی اور ابتدائی معنے رُخ کے ہیں ۔ چہرہ تو خود رخ ہی ہے ۔ اور جب ہم کسی بات کے کرنے کی کوئی خاص وجہ اختیار کرتے ہیں ۔ تو یقیناً ہم اس کی صورت اور رخ کو جس میں اسے پیش کرنا ہو ۔ قرار دے لیتے ہیں ۔

جھگڑنے کے لیے کسی سبب کی تلاش ہو تو صاف ظاہر ہے کہ ہم اپنی اس حرکت کو لوگوں کے دکھانے کے لیے ایک صورت اور شکل دینا چاہتے ہیں ۔ تاکہ بغیر کسی وجہ کے ہم پہ بلاوجہ جھگڑنے کا الزام عائد نہ ہو ۔ وجوہات اپیل ۔ دلائل یعنی اپنی ناراضگی کے خیالات کو جو صورت یا شکل ہم دیتے ہیں ۔ وہی ہمارے وجوہات اپیل ہیں ۔

وجہ معاش | یا وجہ مقررہ | دیہی گذارہ کی صورت ہی ہے۔

اسی طرح لفظ اسامی اسم کی جمع الجمع ہے۔ اردو میں واحد کے صیغہ میں مستعمل ہے۔

اسامی۔ شخص۔ آدمی۔ لاکھوں کی اسامی۔

اسامی۔ گاہک۔ ہماری اسامی کو نہ بہکاؤ۔

اسامی۔ عہدہ۔ نوکری۔ کوئی اسامی خالی نہیں۔

اسامی۔ کرایہ دار۔ کاشتکار۔ موروثی اسامی ہے۔

اسامی۔ مدعا علیہ۔ ملزم۔ اسامی کو حاضر کرو۔

اسامی۔ امیر۔ یہ بھی ایک آسامی ہیں۔

ذرا سی توجہ پر معلوم ہو جائے گا۔ کہ ہر ایک معنی میں لفظ اسم کا دخل ہے۔ نام سے شخص۔ خریداروں کی فہرست ہی سے نام گاہک کا۔ اور پھر کام کرنے والے کے نام سے اس کا کام یا عہدہ۔ مالک اراضی کی فہرست۔ کاشتکاروں کے اسما سے کاشت کار۔ عدالت کی فہرست مقدمات کے ناموں میں سے مدعا علیہ یا ملزم اور بڑے آدمیوں کے ناموں میں سے دولتمند اور امیر آدمی مراد لیے گئے ہیں۔

اسی طرح آنچ۔ شعلہ اور پھر اس کی تپش سے تاؤ اور جوش اور جوش سے ماتا کے معنی نکلے ہیں۔ شعلہ کے اثرات زخم گھاؤ ہونے چاہئیں۔ اور اسی بنا پر تلوار کی آنچ بنی ہے۔ اور آنچ کے معنے مطلق

صدمے کے ہو گئے۔ ذرا آنچ نہ آنے دی۔ صاف بچا لیا۔ اور اس سے مصیبت اور بلا۔ لالچ اور طمع کے معنوں میں بھی آنچ کا استعمال ہونے لگ گیا۔

۱۸۔ صورت الفاظ یکساں لیکن مادہ مختلف | اس میں شک نہیں۔ کہ ایک لفظ کے مختلف معانی ایک ہی اصل کی طرف منسوب کیے جا سکتے ہیں۔ جس سے بالواسطہ یا بلا واسطہ ان میں سے ہر ایک پھلتا پھولتا ہے۔ اور کوئی ایسا لفظ نہیں۔ جو ابتدا میں ایک سے زیادہ معنی رکھتا ہو۔ لیکن اسی سلسلہ میں ہمیں یہ امر بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ کہ بعض اوقات دو یا دو سے زیادہ الفاظ ایسے بھی نظر آئیں گے۔ جو ہجا اور تلفظ میں یکساں۔ مگر مادہ اور ابتدائی معنوں میں مختلف ہوں گے۔ ایسے الفاظ میں کوئی رابطہ اتحاد اس مشابہت کی بنیاد پر تلاش کرنا محض بے سود ہے۔ اور اس امر واقعہ سے مختلف المعانی الفاظ کی نسبت ہمارا بیان مسترد نہیں ہو سکتا۔ اس دوسری صورت میں تو حروف کی مطابقت ہے۔ لیکن الفاظ مختلف ہیں۔ چند مثالیں ذیل میں ثبت ہیں:-

کالا { سیاہ۔
اسباب۔

مالی { مال سے۔ جیسے مالی حالت۔
مالی باغ کا۔

مور } چیونٹی۔ / مورنی کا مذکر۔

در } دروازہ۔ / قیمت۔ نرخ

جریب } عصا۔ / پیمائش کے لیے کڑیاں۔

تولیا } برتن۔ / کپڑا۔

بندر } جانور / بندرگار

بار } بوجھ۔ / مجلس میں بار پانا۔

الفاظ کی ایک ایسی فہرست مرتب کرنا خالی از فائدہ نہیں۔ اگر آپ الفاظ جن کا ظاہری لباس بالکل ایک سا ہی ہے۔ اور اصلیت، کلیتاً مختلف۔ سارے جمع کر سکیں۔ اور ان کی ایک مکمل فہرست بنا لیں۔ تو سبحان اللہ۔

کسی اور زبان میں بھی جو آپ سیکھ رہے ہوں۔ ایسی فہرست بنانا یقیناً مفید ہو گا۔ اور ہر ایک زبان میں اس قسم کی فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ ان الفاظ میں مشابہت صرف سطحی اور

صوتی ہوتی ہے۔ اور اس سے زیادہ اور کوئی تضیع اوقات کا مشغلہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ہم ان کے معنوی یگانگت کی تلاش کریں۔ جو فی الحقیقت ان میں اسی قدر مفقود ہے۔ جتنی کہ لفظی قرابت ؛

۱۹۔ اشتقاق الفاظ کی مزید مثالیں

الفاظ کی تحقیقات میں اور بھی دلچسپ پہلو ہیں۔ بعض تو ایسے الفاظ ہیں۔ جو ہماری تھوڑی سی توجہ پر ہی ہماری سعی کو مشکور کرنے کے لیے آمادہ ہیں۔ اور اپنی اصلیت کا راز سربستہ ہمارے سامنے فی الفور کھول کر رکھ دینے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ ایسے بھی ہیں۔ جو راز حقیقت کا پردہ اُٹھائے جانے میں سخت مانع ہیں۔ اور سوائے اس کے کہ ہم انھیں ان کے حال پر ہی رہنے دیں۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن ایک کثیر تعداد الفاظ کی کھلے بندوں۔ اپنے دل کے حالات من و عن بیان کرنے کے لیے ہر وقت اور ہر موقعہ پر مستعد ہے۔

دیباچہ۔ کتابوں کے آغاز میں خدا جانے آپ نے کتنی دفعہ دیکھا اور پڑھا ہو گا۔ لیکن اس کے اصل معنے بھی کبھی سوچے۔ غالباً کبھی نہیں۔ موجودہ مطلب اور منشاء سمجھا اور بس۔ ذرا اس کی اصلیت پر غور کرو۔ اور دیکھو۔ کیا کچھ بتاتا ہے۔ دیباچہ دیبا کا معرب بیان کیا جاتا ہے۔ دیبا۔ اصل میں دیو بافتہ ہے۔ کپڑے کی خوبصورتی اور خوبی کی بناء پر دیکھنے والوں نے اسے انسانی ہنر کی طاقت سے باہر خیال کیا۔ اور دیووں کا بنایا ہوا سمجھا۔ اور

پھر اسی دیبا کی نسبت سے کتاب کے سرورق نے اپنی بیش زرّیں جدول اور بیل کی خوبی اور خوبصورتی کو اسی نام سے تعبیر کرایا۔ مقدم مضمون۔ سرورق کی ہمسائگی میں اس کے روپ اور نام کا مستحق ہو گیا۔

نخاس۔ نخس سے ہے۔ نخس کے معنے ہانکنا۔ یا انگلیوں (سر انگشت فشردن) سے جا بچنے کے ہیں۔ مویشی کے خریدار انگلیوں سے مویشی کی فربہی وغیرہ کا اندازہ کرتے ہیں۔ ابتدا میں مال غنیمت مویشی یا غلاموں کے بیچنے والوں کو کہتے ہیں۔ اردو میں غلاموں کی خرید و فروخت کی منڈی۔ اور پھر گھوڑوں کی منڈی۔ اور مویشی کی منڈی پر اطلاق پانے لگا۔ بعض دیسی ریاستوں میں۔ گھوڑوں اور مویشی کی خرید و فروخت پر جو محصول لگایا جاتا ہے۔ وہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔

پاکھنڈ۔ لغوی معنی وید کے برخلاف بدعت۔ وہ عبادت جو دکھاوے کی ہو۔ حرامزدگی۔ بدذاتی۔ شرارت۔

مہوس۔ ہوس سے ہے۔ مہوس۔ خواہشات کا غلام۔ محبت کا مارا۔ اور جنونی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر اب کیمیا کا جن جس کے سر پر سوار ہو جائے۔ اور اس کی دوڑ دھوپ میں دیوانہ وار۔ سراسیمہ اور سرگرداں رہے۔ مہوس ہے۔

بغض للّٰہی۔ خدا واسطہ کا بیر۔ ناحق کی دشمنی۔ اصل میں حق الامر

یا حقوق الہٰی میں تجاوز کرنے والے شخص سے دشمنی رکھنے کو بغض للّٰہی کہتے ہیں۔ چونکہ اس عداوت میں کوئی ذاتی آرزو گی نہیں ہوتی۔ بلاوجہ دشمنی رکھنے کو بغض للّٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ معنی بر عکس ہیں۔

طومار۔ طمر لپیٹنا ہے۔ کاغذ وغیرہ جو لپیٹا ہوا ہو۔ کتاب حساب اور اب ایک لمبی داستان رطب و یابس سے بھری ہوئی دجہ ناگوار ہو جائے ا سے مراد ہے۔ اور تو وہ طوفان کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

رام کہانی۔ رام کا قصہ طوفانی کون نہیں جانتا۔ راجہ رامچندر کی دکھ درد بھری داستان سُن کر کس کا دل نہیں پسیجتا۔ اصل اسی کی وہی ہے۔ مگر اب کسی کی اپنی مصیبت بھری کہانی کو اس لمبی اور تکالیف سے پُر کہانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض وقت اس کو غلط اور زوایدات سے لبریز قصہ کا بھی مترادف سمجھا جاتا ہے۔

"غنیمت۔ ابتدائے زمانہ عرب میں چونکہ لوٹ میں زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھیں۔ اور بکری کو عربی میں غنم کہتے ہیں۔ اس لیے لوٹ کے مال کو عربی میں غنیمت کہنے لگے۔ اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا۔ رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم۔ عربی زبان۔ عربی تاریخ

کا سب سے زیادہ محبوب۔ سب سے زیادہ نمایاں۔ سب سے
زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا۔ آج بھی ایک سلطان۔ ایک رئیس
ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کرتے وقت رخصت
کرتا ہے تو کہتا ہے سالماً غانماً۔ یعنے سلامت آنا اور لوٹ کر لانا۔
ہماری زبان میں سب سے عزیز چیز کو "غنیمت" کہتے ہیں (مثلاً"
آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے اور عربی
زبان سے آیا ہے۔"

۲۰۔ استعارات ابتدا میں کسی حقیقت پر مبنی تھا

ایک بات تو کسی صورت میں بھی قابل فراموش نہیں۔ اور اُستاد اور شاگرد
دونوں کو اس کا خیال ہونا چاہیے۔ وہ کیا؟ کہ بے شمار الفاظ جو
اب استعارہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ابتدا میں ظاہری حالات
کے کسی ایک واقعہ پر مبنی تھے۔ اور ہمارے سامنے اس کی ایک
روشن تصویر پیش کرتے تھے۔ اور اب اس واقعہ کو انھوں نے اپنی
صورت میں مجتمع اور مجسّم کر دیا ہے۔

ذیل کی چند مثالیں ذہین طلبا کے لیے کافی مصالحہ دلچسپی کا پیش
کریں گی۔

طعنہ۔ طعن۔ نیزہ سے خستہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اب کسی
شخص کی عیب جوئی اور اسے بُرا بھلا کہنا ہو گیا۔

ہتک۔ اصل میں پھاڑنا۔ اور اب کسی کی بے عزتی کرنے

کے معنوں میں مستعمل ہے۔

پُستی۔ پُشت۔ پیٹھ سے ہے۔ اور چونکہ پُشت جسم انسانی کا سہارا ہے۔ اس لیے پُشتی مدد ہو گیا۔

تواضع۔ وضع رکھنے سے مشتق ہے۔ تواضع اپنے آپ کو کسی کے سامنے ڈال دینا۔ فروتنی سے مراد ہو گئی۔ فروتنی خود بھی اسی واقعہ اور اسی خیال کی مثال ہے۔

عداوت۔ دوڑ کر حملہ کرنے کو کہتے ہیں۔ اور یہی دشمن کا کام ہے۔

۲۱ - مطالعہ الفاظ اور وطن پرستی اور قوم پرستی

مطالعہ الفاظ میں تعلیم و تعلم کے خزانے دماغ انسانی کی لطافت۔ محنت۔ اور چھان بین کی قابل قدر یادگاریں ہیں۔ وطن اور قوم پرستوں کے لیے بھی الفاظ نے جا بجا نشان قائم کر دیے ہیں۔ کہ وہ اپنی محبت اور دلچسپی کے قیام کے لیے ان نشانات کو دیکھ کر ٹھہر جائیں۔ ان سے واقفیت پیدا کریں اور سہارا پائیں۔ زمانہ ماضی کے نقش کہیں بھی ایسے صاف اور صریح نظر نہیں آتے جتنے کہ الفاظ میں ہوتے ہیں۔ یہاں تھوڑی سی توجہ درکار ہے۔ اور بس۔ اور اگر توجہ نہیں۔ تو چاہے ہم سینکڑوں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں دفعہ اپنی عمر میں ان سے ملیں۔ انہیں شناخت کرنا مشکل ہوگا۔ دیکھو ذیل کے الفاظ ہمیں کیا کچھ کہتے ہیں :-

گڑھ ۔ نگر ہندی ہے ۔ پور بھی ہندی ہے ۔ آباد فارسی ہے ۔

اکال گڑھ ۔ رام نگر ۔ ہندی غلبہ اور رسول پور ۔ علی پور اسلامی تسلّط ہند کی کہانی بتا رہے ہیں ۔

اکبر آباد ۔ شاہجہان آباد ۔ اورنگ آباد ۔ مغلوں کی یادگاریں ہیں ۔ امرت سر پنجاب میں حکومت سنگھاں کا نام روشن کر رہا ہے ۔ اور لودھیانہ لودھیوں سے ۔ اور راجپوتانہ راجپوتوں سے منسوب ہے ۔

منٹگمری ۔ لائل پور ۔ لارنس پور کی صورت میں انگریزی حب الوطنی نے اپنے اقتدار ہند کو نمایاں کیا ہے ۔ ایک اور قسم کی مثال بھی قابل غور ہے ۔

ڈسکہ ۔ اصل میں دس کوہ ہے ۔ اور چونکہ یہ قصبہ سیالکوٹ سمبڑیال اور گوجرانوالہ سے دسّ دس کوس کے فاصلہ پر ہے اس کا نام دس کوہ ہو گیا ۔ اور رفتہ رفتہ ڈسکہ بن گیا ۔

۲۲ ۔ الفاظ اور مذہبی تعلیم | آؤ ذرا غور کریں ۔ کہ ہم مطالعہ الفاظ سے اپنے مدارس میں مذہبی تعلیم پر کہاں تک اثر ڈال سکتے ہیں ۔ اس طریق سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے ۔ کہ بسا اوقات الفاظ کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں ۔ جو حکومت سلطنت کے سکّہ ۔ چاندی اور سونے کے ساتھ کرتی ہے جب

سکہ دیر تک رائج رہتا ہے اور بکثرت ہاتھوں ہاتھ اور بعض اوقات بد دیانت ہاتھوں سے نقصان اُٹھا کر متداول ہونے سے چہرہ کی چمک اور نقش کی وضاحت اور صفائی کھو بیٹھتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو وزن اور قیمت ٹکسال سے لے کر نکلا تھا۔ اس میں بھی کمی ہو جاتی ہے۔ تو حکومت اسے واپس لے لیتی ہے۔ اور از سر نو پھر اسے جاری کرتی ہے۔ شاہی چہرہ پھر واضح اور صاف اس پر نقش کیا جاتا ہے۔ اور پہلے کی طرح پورا وزن اور پوری قیمت لے کر رواج پاتا ہے زبان کی ٹکسال کے حقیقی مالک بھی۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو یہ حق حاصل ہو سکتا ہے۔ بسا اوقات الفاظ کو جو وہ استعمال کرتے ہیں۔ دنیا میں رواج دیں گے۔ واپس لیں گے۔ اور پھر نئے سرے سے رواج دیں گے۔ جہاں استعمال اور رواج سوسائٹی نے ان کے معانی فرسودہ کر دیے ہیں۔ ہمیں بھی انہیں واپس لے کر پھر از سر نو رائج کرنا چاہیے۔ کتنے الفاظ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آ چکا ہے۔ مثال کے طور پر ایک نام تو لیا جا سکتا ہے۔

تلاوت۔ قرآن کا پڑھنا تو ہے۔ لیکن اب سوائے اس کے کہ قرآن مجید کھولا۔ اور الفاظ پر عبور کیا۔ اور کچھ بھی نہیں۔ اگر ہم تلاوت کا حق ادا کریں۔ تلاوت میں درپئے ہونے کی صفت پیدا کریں۔ اور جو کچھ پڑھیں۔ اس کی لفظ بہ لفظ پیروی کریں۔ تو ہمیں تھوڑے دنوں میں ہی پتا لگ جائے گا۔ کہ تلاوت کا اطلاق کلام الٰہی کے متعلق کن

رُوحانی منافع کو مدنظر رکھ کر کیا گیا تھا۔ اور اس کا مدعا و منشا کیا تھا۔

قرآن۔ لغوی معنوں میں پڑھنے کی کتاب ہے۔ لیکن یہ لفظ کتاب الٰہی سے مختص ہو گیا ہے۔ یہی ایک کتاب ہے جو خصوصیت سے پڑھنے والی ہے۔ اور کتابوں کا پڑھنا اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کتاب پڑھنے کو کلام الٰہی سے مخصوص کر دینا کن جذبات و خیالات کے اجتماع کی دلیل ہے۔

وید۔ علم ہے۔ اور کُل علوم کا منبع۔ کُل علوم کا خلاصہ وید ہے دیگر علوم۔ علم کے نام کے مستحق ہوں یا نہ ہوں۔ جملہ علوم کا علم اس مقدس کتاب میں مجتمع ہے۔

گرنتھ کے معنی بھی کتاب کے ہی ہیں۔ لیکن گرو گرنتھ صاحب کی عظمت کتابی حیثیت ارفع و اعلیٰ ہے۔

ہماری خواہش سادہ اور سلیس زبان کے بولنے کی چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ بڑے ادق الفاظ عربی اور سنسکرت کے جیسا کہ صورت ہو ہمیں استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ روز مرہ میں ان کا مترادف نہیں ملتا۔ ہماری مشکلات خواہ کتنی ہی ہوں۔ یہ الفاظ ان حقائق کو اپنے سینہ میں لیے پھرتے ہیں۔ جو ہماری زندگی کی روح رواں ہے۔ ان الفاظ کی تشریح میں بہتر طریقہ یہی ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو بالتزام مادہ سے شروع کرو۔ اور

حتی الامکان مادہ ہی پر ختم بھی کرد۔

معجزہ۔ کسی نبی کا اپنے مخالفین کو اپنی نبوّت کی نشانی دکھا کر عاجز کر دینا ہے۔

سنسکار۔ تکمیل ہے۔ اور انسان اپنے عمرِ طبعی کے فرائض پورا کر دینے سے تکمیل کی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ اور خود پورا ہو جاتا ہے۔

کفارہ۔ وہی اصل ہے۔ جو کفر کی ہے۔ کفر حق کو چھپانے ہوتا ہے۔ اور کفارہ گناہوں کو چھپانے والا ہے۔

قربانی کی ماہیت اس کی اصلیت سے ظاہر ہے۔ قرب قربانی کا مقصد اور مُدّعا بتاتا ہے۔ خدائی خوشنودی۔ اس کی رضا جوئی۔ اس کا قرب۔ قربانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ قربانی چاہے کسی صورت میں ہو۔ ہماری اپنی خواہشات و جذبات نفسانی کی قربانی بھی قرب کے واسطے درکار ہے جانور کی قربانی بھی انہی جذبات و خواہشات کی قربانی کا ایک جزو ہے۔ اور اسلامی قربانی ابتدا ابتدا اور تاریخ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے قصّہ کی صورت میں ہمارے ان معنوں کی شاہد ہے۔

ستی کی کہانی بھی اسی قبیل سے ہے۔ ستی۔ ست۔ حقیقت سے ماخوذ ہے۔ شیوجی کی زوجہ ستی نام کی تھیں۔ ان کے والد ایک بڑے راجہ تھے۔ راجہ نے ایک دفعہ جگ رچایا اور اپنی سب بیٹوں کو موقعہ پر بلایا۔ مگر ستی کو مدعا نہ کیا

ستی اس پر گھبرائیں ۔ شیوجی سے مشورہ کیا ۔ انھوں نے صلاح نہ دی کہ جائیں ۔ یہ مصر تھیں اور چاہتی تھیں کہ دوسری بہنوں کے ساتھ جگ میں شریک ہوں ۔ آخر شیوجی نے رضامندی دے دی اور یہ بن بلائے والد کے ہاں چلی گئیں ۔ والد پھر بھی بے اعتنائی سے پیش آئے اور ستی کو بے توجہی سے دل شکستہ کر دیا ۔ والد کی اس بے رُخی اور اپنی بے وقری سے بیزار ہو کر ستی ۔ جگ کے عین موقع پر آگ میں کود پڑیں اور بھسم ہو گئیں ۔ اب ستی ہونا ۔ حقیقت ۔ اصل ہستی کی طلب میں خود داری کی دیوی ستی کی پیروی کرنا ہے اور بس ۔

۲۳ ۔ خاتمہ اور لفظ بلا کی تحقیقات

لفظ تو بہت خیال میں ہیں ۔ لیکن ہم اب ایک لفظ پر ہی اکتفا کرتے ہیں ۔ دوسروں کے متعلق زیادہ طول دینے سے کیا فائدہ ۔ اپنی حالت پر ہی غور کرنا لازم ہے اور بس ۔ بلا ۔ کے معنے آزمائش کے ہیں ۔ چاہے نعمت سے ہو ۔ چاہے محنت سے ۔ یہ ایک لفظ کن حقائق سے بھرا ہوا ہے ۔ اور ہماری دنیاوی زندگی کے اصول کو کس خوش اسلوبی سے بیان کرتا ہے ۔ اگر ہم اس پر ایک لمحہ کے لیے بھی غور کریں ۔ تو ہماری زندگی موجودہ حالت سے بھی کہیں اعلیٰ اور ارفع ہو جائے ۔ دنیاوی برکتوں سے ہمارا سر پھر جاتا ہے ۔ دماغ کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا ۔ دولت ۔ اولاد اور رُتبہ ہمیں مغرور کر دیتے ہیں ۔ رعونیت ۔ فرعونیت ۔ ہماری ضعیف البنیانی

کے خیال کو ہمارے دماغ کے کسی دُور از کار کونے میں مردہ کر کے پھینک دیتی ہے۔ کوئی انسان نہیں جو ہماری آنکھوں میں سماے۔ انسان کی تو حقیقت ہی کیا ہے۔ خدا کو بھی بھُول جاتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں اس تین حروف کے چھوٹے سے لفظ پر ذرا غور کرنے کا موقع مل جائے تو ساری قلعی کھل جائے۔ اگر عقل سلیم مدد دے تو پتہ لگ جائے کہ یہ تو سب کچھ۔ سب نعمتیں۔ ہمارے امتحان کے سامان میں ہمارا حوصلہ۔ ہمارا ایمان آزمائش میں ہے "اگر بدولت برسی مست نگردی مردی" کی آواز ہمارے کان میں پڑ رہی ہے۔ معمولی آزمائش نہیں۔ بلا ہے۔ وہی بلا جس سے ہم دن رات ڈرتے رہتے ہیں۔ جس سے ہم اپنے خدائے عزوجل سے بھی پناہ مانگتے رہتے ہیں۔ اس وقت ثابت قدم رہنا۔ مردی ہے۔ اپنی کمزوری۔ اور اپنی ہیچ میرزی ہستی کی ناپائداری۔ خیال میں رکھنی چاہیئے۔ یہ جاہ و مال۔ اولاد۔ قرآنی الفاظ میں متاع غرور سے زیادہ نہیں۔ اور ان پر اترانا عقلمندی سے بعید ہے۔ دوسرا پہلو بھی ایسا ہی واضح ہے۔

تکالیف دنیاوی۔ رزق کی تنگی۔ اولاد کا نہ ہونا۔ بیماری اور جملہ مصائب و نوائب۔ بلائیں ہیں۔ جن سے ہماری جان جاتی ہے۔ اور جن سے ہم ہر وقت بچنا چاہتے۔ آخر ان سب بلاؤں کی حقیقت کیا ہے۔ بلا وہی آزمائش ہے۔ نعمت سے نہیں۔ محنت سے استقلال اور صبر۔ اور آزمائش جو ہمارے معبود حقیقی کی طرف سے ہم پر

آئی ہے ۔ اُس میں پورا اترنا ہی بہتری اور ہمارے بچاؤ کی صورت ہے ۔ بلا ۔ اس نظر سے کوئی ڈراؤنی اور دل توڑنے والی چیز نہیں ہونی چاہیئے۔ مرضی مولا از ہمہ اولیٰ پر کاربند رہنا ہمارے ایمان کا ایک جزو ہے ۔ اور اسی زرّین اصول کی نگہداشت اور پیروی اسی پہلو سے ہو سکتی ہے کہ بلا کو جو ہم پر آئے ۔ ہم اُسی قادر مطلق کی طرف سے سمجھیں۔ اور اپنی آزمائش سے زیادہ نہ سمجھیں ۔ پھر ہمیں صبر اور استقلال کی خداوند کریم کی درگاہ سے خود بخود توفیق ہو جائے گی۔ اور آزمائش کے دن ۔ امتحان کا زمانہ ، ہنستے کھیلتے گذر جائے گا۔ اور اس صبر و استقلال کی بدولت ہمیں آئندہ زندگی میں اس جہان میں بھی۔ اور اُس جہان میں بھی بارگاہ الٰہی سے انعام و اکرام کی نعمتیں بیحد و بے شمار عطا ہوں گی ❊

❊ ❊ ❊

فہرست الفاظ

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
ا		آتش زن	۶۲	اختراع	۲۲۰	ارجمند	۴۵
		آتش تر	۹۹	افسون	۷۳	ارجمندی	۱۱۶
آب آتشیں	۹۹	اُتو کرنا	۷۳	اجاڑو	۷۳	اردو	۱۲۰
آب حیات	۹۸	آٹا	۱۲۱	اجیالی	۱۶۶	اربع عناصر	۱۵۰
آبدوز کشتی	۱۷۱	اٹکل	۲۰۹	اجل	۱۶۶	آریہ سماج	۱۳۹
ابراہیم عادل	۳۶	احتشام	۱۲۲	اچار	۱۸۰	آزاد	۱۸۰
آبکاری	۷۳	احرار	۱۳۰	اُچکا	۷۳	اسامی	۲۵۴
آب طرب	۹۸	احدی	۱۵۲	ادبیات	۲۰۴	آستین	۱۸۰
آب عزت	۲۴۰	احدی	۱۴۰	آدینہ	۲۴۲	آسائش	۱۲۲
آب و آتش	۱۱۷	احسان	۱۰۷	آذینہ	۱۴۲	استاد	۲۰۵
ابن الوقت	۷۷	احمد آباد	۱۵۷	انڈو یوروپین	۱۲۷	استبداد	۱۳۰/۱۷۱
اتالیق	۲۰۵	اخبار	۱۶۳	آرام	۱۲۲	استعداد	

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
آستان	۱۱۷	افیون	۱۲۱	انار	۶۴	آواگون	۲۷
آسمان	۱۲۲	اکا	۱۸۱	انبالہ	۱۷۲	اوباش	۷۳
آسمان و زمین	۱۱۷	اکاس	۱۲۲	انبساط	۵۳	اوپریش	۱۲۶
اسلام	۱۰۳	اکال گڑھ	۲۶۲	انبہ	۳۳	اورنگ آباد	۲۶۲
اسیر	۱۴۷	اکبرآباد	۱۵۷/۲۶۲	انت کال	۲۷۳	اہتمام	۲۱۳
اشرفی	۱۴۲	آگ	۱۲۱	ان تھاہ	۲۴۳	اہل حدیث	۱۰۰/۱۳۸
اصطبل		اقبال	۳۳	انتقال	۶۷/۲۴۳	آہنی	۲۱۴
اصطرلاب	۱۷۸	اقنوم	۱۷۷	انتظام	۲۱۳	آہنیں	۲۱۴
اطاعت	۱۱۵/۱۲۲	الحاد	۷۳	آنچ	۲۵۴	آئین	۱۱۶/۲۱۰
اعتبار	۲۱۰	آلو	۱۸۰	اندھا		آئینہ	
اعتدال پسند	۱۴۰	اللہ	۱۶۲/۲۱۰	اندر کا اکھاڑا	۱۴۹	آیا	۱۲۶
اعیان و ارکان	۵۵	اللہ بیلی	۳۴	اندر گڑھ	۵۷	ایجاد	۲۲۰
آفتاب	۲۰۳	الہام	۱۰۶	اندر پرست	۵۷	ایمان	۱۵۷
آفتاب پرست	۶۰	ام الخبائث	۵۱	انتہا	۲۴۳		
افرتفری	۵۶	ام الصبیان	۳۸	انتہاپسند	۱۴۰	**ب**	
افغان	۱۸۹	امرت سر	۱۵۷/۲۶۲	انسانیت	۹۰	بار	۲۵۹
افغانستان	۱۵۷	امیر	۱۱۵/۱۳۲	انشا	۶۵	بازار	۲۰۴
افواہ	۱۸۷	امیر المومنین	۱۵۸/۲۲۷	انصار	۱۵۸	بازاری	۲۱۱

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
باقر	۴۵	برو برز	۱۱۷	بانٹنا	۲۱۰	بوزنہ	۶۱
باقرخانی	۱۸۰	برقع	۱۸۰	بنات النعش	۴۹	بونگا	۲۴۲
باب المندب	۵۷	برف	۱۲۳	بندر	۲۵۶	بے ایمانی	۱۰۳
باڑ	۱۱۶	برق آبی	۱۷۸	بندرابن	۱۴۵	بیڑا اٹھانا	۱۴۷
بادپا	۶۰	بریانی	۱۲۳	بھاٹی	۱۲۱	بیدانہ	۱۰
بارہ دری	۱۵۰	بزاخفش	۱۴۳	بھان متی	۱۹۰	بیت المال	۱۱۵
باپ	۱۲۱	بستان افروز	۵۸	بہار		بیطاری	۱۴۲
بادل	۱۲۱	بسمل	۲۵۰	بھرم	۲۰۹	بیراگی	۱۴۰
بادشاہ	۱۲۲ / ۲۰۴	بصیرہ	۸۷	بھروسہ	۲۱۰	بیلی	۱۸۸
بانکا	۲۴۲	بطریق		بھیڑ	۲۵۰	بنک	۱۷۹
بتر	۱۷۲	بغداد	۱۳۹ / ۱۵۷	بھیڑیا	۲۵۰	بیٹا	۱۲۱
بٹن		بغض للّٰہی	۲۵۸	بھیڑ چال	۲۵۰	بیٹی	۱۲۱
بخت	۹۳	بقائے اکمل	۲۷	بھیڑیا چال	۲۵۰	بیدمشک	۱۸۰
بخشش	۹۷	بگلا بھگت	۴۷	بھول بھلیاں			
بددیانتی	۱۰۳	بلبل	۱۲۳	بہن	۱۲۱	**پ**	
بدطالعی	۱۴۹	بلوچستان	۱۵۷	بوٹ	۱۲۵	پاداش	۷۸
بدلہ	۲۰۸	بلا	۱۹۰ / ۲۶۶	بوریا	۱۱۷	پادری	۱۲۶
برباد	۹	بالا		بورانی	۱۲۳ / ۱۴۲		

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
پاجامہ	۱۲۵ / ۱۸۰	پرپوش	۱۴۹	پیرکی	۱۲۶	تحصیلدار	۱۲۵
پاکبازی	۱۰۳	پشتی	۲۶۱	پیچک	۲۴۹	تحقیقات	۲۱۵
پاکھنڈ	۲۵۸	پسر	۱۱۷	پیغام	۲۰۴	تخت	۲۲۹ / ۱۲۳
پانی	۱۲۱	پگڑی	۱۲۱	پیغامبر ۸۱	۱۶۳ / ۲۱۰	تختہ نرد	۱۸۰
پاسے ترسا	۹۷	پلاؤ	۱۲۳ / ۱۸۰	پینس	۱۵۹	تخمینہ	۲۰۹
پایہ	۲۱۵	پور	۲۰۳	**ت**		تخیل	۲۳۸
پتلون	۱۲۵	پوستین	۱۸۰			ترازو	۱۲۳
پٹھان	۱۲۹	پنجاب	۱۵۷	تاج خروس	۵۸	ترشی	۲۲۳
پدر	۱۱۷ / ۱۲۷	پنچایتی	۹۷	تاجیک	۱۱۹	ترک	۱۱۹
پدمنی	۱۳۶	پنڈت	۲۰۵	تازہ	۱۲۳	ترکتازی	۱۳۱
پر	۱۲۳	پنڈت خانہ	۹۵	تازی	۱۱۸	ترکی	۱۰۸
پردہ	۱۲۳	پنڈارا	۱۰۸	تافتہ	۲۴۹	تسبیح	۱۵۷
پرتھوی	۱۲۲	پھانسی	۱۸۱	تائید	۲۲۰	تسلسل	۶۵
پرستان	۱۴۹	پھوڑا	۱۲۶	تبت یدا ابی لہب	۳۲	تشہیر	۲۲۶
پرستش	۲۱۰	پھلمال	۱۶۷	تثلیث	۱۵۷	تصدیق	۲۲۰
پروانہ	۶۱	پھلجھڑی	۶۴	تجسس	۲۱۵	تصنیف	۶۵
پروفیسر	۲۰۴	پھنسی	۱۲۶	تجویز		تعصب	۷۸
پری	۱۴۹	پیر مغاں	۱۱۸	تحریر	۱۴۶	تعلیمگاہ	۲۲۴

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
تعمق	۵۵	تناسخ	۲۷/۱۵۷	**ٹ**		جزبہ	۱۸۶
تعویذ	۲۴۹	تنخواہ	۱۲۳	ٹکٹکی	۷۵	جعلی	۲۱۷
تعیش	۱۱	تن زیب	۶۵	ٹوپی	۱۲۱	جگر گوشہ	۴۷
تغارہ	۱۸۱	تنقیح	۶۵	**ث**		جگنو میاں	۳۵
تفتیش	۶۶/۲۱۵	تنگ	۱۲۳	ثالث بالخیر	۹۷	جلاب	۱۲۳/۱۴۱
تفحص	۲۱۵	تنور	۱۸۰	ثروت	۱۲۲	جلاد	۱۲۳
تفوق	۲۵۱	تواضع	۲۶۲	**ج**		جنّ	۲۵۱
تقسیم	۲۱۰	توحید	۱۵۷	جاہ	۱۲۲	جنت	۲۵۱
تکبیر	۱۲۲/۱۸۰	توران	۱۵۷	جاروب	۲۴۲	جنون	۲۵۱
تلاوت	۲۶۳	توشک	۱۲۳	جبل الطارق	۱۵۷	جنین	۲۵۱
تلاطم	۵۳	تولیا	۲۵۶	جھنجھا	۲۰۹	جو	۱۱۸
تلخی	۲۲۳	تھانہ دار	۱۲۵	ججی	۱۲۵	جُوتا	۱۲۱
تلطف	۲۲۰	تہذیب ۵۰	۱۲۳/۲۱۰	جرح	۲۶	جوش	۲۰۹
تلیر	۶۲	تہ خانہ	۱۲۳	جریب	۲۵۶	جھاڑو	۲۴۲
تماشائی	۲۰۷	تہلیل	۱۵۷	جزیرۃ الخضرا	۵۸	جہانگیر	۳۹
تماش بین	۲۰۵	تیار	۵۳			جہنہ	۱۰۲
تمباکو	۱۴۱/۱۷۹	تیجا	۱۴۷			جھونپڑا	۱۲۱
تمنا	۲۱۱						

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
چ		چتّی	۱۲۶/۱۴۱	حجت	۹۲	حیلہ	۷۷/۲۰۹
		چقماق	۱۲۶	حرفت باز	۷۸	**خ**	
چاپلوسی	۲۰۹	چلمن	۱۲۶	حرفہ	۱۲۳		
چاچ	۱۴۱	چمن	۵۷	حرص	۲۰۱	خارجی	۱۳۸
چادر	۱۲۳	چمچہ	۱۸۰	حریصہ	۱۸۱	خانہ	۱۱۷
چارمغز	۷۵	چوغا	۱۸۰	حرّیت	۱۷۱	خاوند	۱۲۲
چاکر	۲۱۰	چونی	۴۵	حزب الاحرار	۱۷۱	ختّی	۱۴۱
چالاک	۲۱۱	چور	۱۲۶	حسد	۷۴	خدا	۲۱۰
چالیا	۲۱۱	چہرا	۱۲۳	حشر	۱۵۷	خداوندی	۱۸۳
چاند	۱۲۱	چھوکرا	۷۷	حشیش	۱۸۲	خدائی فوجدار	۸۸
چاہ	۲۰۷	چھوکری	۷۷/۲۱۰	حقارت	۲۱۶	خرابات	۱۱
چاہنا	۲۱۱	چھوئی موئی	۵۹	حقّہ	۱۸۰	خراج	۱۱۵
چپاتی	۱۸۰	چین	۲۱۰	حکومت	۱۱۵	خرمن ماہ	۴۹
چٹکلا	۲۰۹			حلال خور	۱۹۶	خسوف	۲۱۳
چراغ	۱۱۹	**ح**		حمام	۱۸۰	خسیس	۸۵
چرخ	۱۴۸	حاجب	۱۵۱/۱۱۵	حنفی	۱۸۶	خصم	۱۲۲
چڑھی ہوئی	۹۵	حاتم	۱۴۳	حواری	۱۵۷	خلیفہ	۲۲۷
چنگل	۱۲۶	حج	۸۱/۱۳۷	حیز	۲۴۲	خوابیدہ	۱۰

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
خوان	۱۱۷	دال بھات	۱۲۱	دنیا	۲۱۱	دینار	۱۱۹
خوجی	۱۴۴	دالان	۱۲۳	دوات	۱۲۳	دیو	۱۰۴/۱۴۹
خورشید	۲۰۳	دریتی	۱۴۱	دودھ	۱۲۱	دیوان	۱۸۵
خورشیدعالم	۴۵	دختر	۱۱۷/۱۲۷	دوراندیشی	۲۲۳	دیوانہ	۵۴
خوشامد	۸۷/۲۰۹	دختر آفتاب	۹۵	دوزخ	۱۵۷	دیہیم	۲۰۳
خوش طالعی	۱۰	دخت رز	۴۷/۹۵	دوشیزہ	۱۲۸	دیور	۱۵۰
خوض	۵۵	دراز	۱۸۰	دولت	۱۱۵	**ڈ**	
خوف	۲۰۹	در	۲۵۶	دہائی	۲۰۹		
خون سیاوشاں	۵۹	درجہ	۲۱۴	دہریہ	۱۳۹	ڈاکٹر	۱۳۶
خیرو	۵۸	درہ	۱۲۳	دھرم	۱۵۷	ڈالی	۹۷
د		درہم	۱۱۹	دھڑکا	۲۰۹	ڈپٹی کمشنر	۱۲۵
داتا	۲۰۹	دریافت	۲۲۱	دہش	۲۱۱	ڈر	۲۲۳
داد	۲۱۱	در یتیم	۶۳	دہقان	۱۱۷	ڈراؤنا	۲۱۱
دارالمکافات	۸۳	دکان	۲۰۴	دھوتی	۱۲۱	ڈسکہ	۲۶۲
داروغہ	۱۲۵	دلال	۷۹/۱۲۲	دھوکا	۲۰۹	ڈومنی	۶۰
داستان	۲۱۴	دلی	۱۵۷	دہی	۱۲۱	ڈینگ	۲۰۹
دائمی	۱۳۱	دلبری	۲۲۳	دیانت	۸۶		
داغ	۳۳	دن	۱۲۱	دیباچہ	۱۴۷/۲۵۷		

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
ذ		ردیف	۶۵	رومال	۱۸۰/۲۴۹	زیور	۱۶۲
		رس بھری	۱۸۸	ریش قاضی	۹۷	س	
ذمی	۱۳۱/۱۵۵	رستم	۱۴۴	ز			
ر		رستمی	۱۴۴			ساچق	۱۲۶
		رسد	۱۲۳	زاویہ	۲۱۰	سادہ	۹۱
رات	۱۲۱	رسول	۲۱۰	زبان	۲۰۹	سارنگی	۱۴۲
راجپوت	۱۳۱	رسول پور	۲۶۲	زر جعفری	۱۴۲	ساقی	۱۵۲
راجپوتانہ	۲۶۲	رشوت	۹۷	زردہ	۱۲۳/۱۸۰	سالار	۱۱۶
راجہ	۲۰۳	رضاکار	۱۷۱	زکواۃ	۱۵۷	سلامت روی	۸۶
راحت	۲۱۰	رضائی	۱۴۲	زمین	۱۲۲	ساون بھادوں	۶۴
راس	۹۳	رقعہ	۱۲۳	زن	۱۱۷	سبز	۲۰۱
رافضی	۳۸	رکاب	۱۲۳	زنجیر	۹۳	سبزک	۶۱
رام رنگی	۱۶۷	رکابی	۱۸۰	زلیخا	۴۵	سبزہ بیگانہ	۵۹
رام کہانی	۲۵۹	روئی	۱۲۱	زمستان حصار	۲۴۰	سپر نجم	۵۸
رام نگر	۲۶۲	روزنامہ	۱۷۳	زندیق	۱۳۰	ستار	۱۵۰
راؤ	۲۰۳	روستا	۱۱۷	زیب النسا	۳۳	ستارگان	۱۱۷
رائے	۲۰۳	روزہ ۸۲	۱۵۷/۲۱۰	زیچ	۱۷۸	ستیہ گرہ	۱۷۱
ربع مسکون	۱۵۰	روغن جوش	۱۲۳	زین	۱۲۳	سحر حلال	۴۷

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
سنجی	۲۰۹	سمرقند	۱۳۱	سوقیانہ	۲۱۱	شاہین	۶۰
سرادگی	۱۴۰	سناتن دھرم سبھا	۱۲۹	سولی	۷۵	شدیز	۶۰
سرخ	۲۰۱	سنت	۲۲۷	سونا	۱۲۱	شبنم	۶۵
سرخاب	۶۱	سنگترہ	۱۶۷	سیالکوٹ	۱۵۷	شترمرغ	۶۰
سرخوش	۹۵	سنسکار	۲۶۵	سیاہ کاری	۸۹	ششتری	۱۴۱
سروال	۱۱۹	سنگ دلی	۴۶	سیاہی	۱۲۳	شخص	۲۰۴
سزا	۷۸/۲۰۸	سنگسار	۷۵	سیبِ زمین	۱۸۰	شدنی	۸۲
ستی	۲۶۵	سنگ موسیٰ	۶۳	سیمرغ	۶۱	شرارت	۸۶
سفرہ	۱۱۷	سنگھ	۱۰۴/۱۵۷	سینی	۱۸۰	شراب	۹۸
سکہ	۱۱۹	سنگ یہود	۶۳	ش		شرع	۲۱۰
سکھ ۱۰۴	۱۳۸/۱۵۷	سوار	۹۵			شریعت	۸۲
سکھا شاہی	۱۸۲	سوراج	۱۷۱	شاطر	۷۶	شطرنج	۱۲۳
سکھ درشن	۵۹	سوتیلا	۲۵۰	شال	۱۸۰	شفیع	۸۱
سگ		سودا	۲۰۴	شائستگی	۲۱۰	شکل	۱۲۲
سلطان ۱۱۵	۱۲۲/۲۴۴	سودائی	۲۱۴	شاہ	۱۱۶	شکنجبین	۱۴۹
سلطنت	۱۱۵	سودادی	۲۱۴	شاہجہان	۳۹	شکنجہ	۷۵
سلیم	۸۷	سوڈان	۵۶	شاہجہان آباد	۱۵۷	شماتت	۷۴
سمنک	۱۳۶	سورج	۱۲۱/۲۴۲	شاہجہان آباد	۲۶۲	شمع	۱۸۰

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
شمعدان	۱۸۰	ص		طالعمند	۹۲	عبادت	۲۱۰
شومیٔ بخت	۱۰			طاؤس	۶۲	عجمی	۱۱۷
شوہر	۱۱۷	صابون	۱۸۰	طبیعت	۱۲۳	عداوت	۷۷/۲۹۱
شہابِ ثاقب	۶۳	صباغ	۴۹	طشت	۱۱۹	عدو اصم	۶۶
شہادت	۱۰۶	صبح خیزے	۹۷	طشتری	۱۸۰	عدم تعاون	۱۷۱
شہباز	۶۰	صحیح	۱۲۳	طفیل	۱۴۳	عرض	۲۵۱
شہرت	۲۲۶	صدبرگ	۵۸	طلعت	۲۵۱	عرضی	۲۵۱
شہریار	۲۰۳	صرّاف	۱۲۳	طعنہ	۱۶۰	عرفی	۳۳
شہلا	۵۸	صلواتیں	۱۰۲	طلوع	۲۵۱	عروض	۲۵۱
شہید	۸۱	صلواۃ	۱۰۱/۲۱۰	طوطا	۱۲۳	عریضہ	۲۵۱
شیخ	۹۱/۱۰۵	صندوق	۱۲۳	طومار	۲۵۹	عزّت ۱۱۵	۱۲۲/۲۰۹
شیر افگن	۳۷	صورت	۱۲۳	طیار	۵۳	عشرت	۱۱
شیرمال	۱۸۰	صوم	۲۱۰	طیارہ	۱۷۱	عصافیر	۵۹
شیرینی	۲۲۳	صوفی	۱۸۹	ع		عصفور	۶۳
شیشہ	۱۸۰						
شیعہ	۱۳۸	ط		عارض	۲۵۱	عقد	۶۶
		طاعون	۸۴	عارضہ	۲۵۱	عقرب	۴۹
		طالع	۹۲	عالمگیر	۳۹	عقیدہ	۱۲۳

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
علی	۳۷	غضنفر	۴۵	فرضی	۲۱۷	فلسفی	۱۸۵
علی پور	۲۶۲	غلام	۷۶	فرعونیت	۱۴۳	فیضی	۳۳
عمل انتخاب طبعی	۲۷	غلط	۱۲۳	فرغل	۱۸۰	فیلسوف	۷۷
عمامہ	۱۸۰	غنچہ	۵۸	فرق	۲۵۱	**ق**	
عورت	۱۲۲	غنچۂ دہن	۴۶	فرقت	۲۵۱		
عیار	۷۶	غنیمت	۲۵۹	فرقدان	۴۹		
عیسےٰ	۳۷	غور	۵۵	فرمانبرداری	۱۲۲	قافلہ	۸۷
عیسائی	۲۱۴	غیر مقلد	۲۷	فرنگ	۱۲	قافیہ	۶۵
عیسوی	۲۱۴	**ف**		فرنی	۱۸۰	قالین	۱۱۷/۱۲۲
عیش	۱۲/۸۸			فرونتی	۲۶۱	قرآن	۲۶۴
عین الکمال	۸۰	فاختہ	۱۲۳	فریاد	۲۰۹	قبا	۱۸۰
عینک	۱۲۳	فالودہ	۱۸۰	فریب	۲۰۹	قبہ ومینار	۱۱۶
غ		فراش	۱۲۲	فسانہ	۲۱۴	قتل مستلزم الشر	۱۷۵
		فراق	۲۵۱	فطری	۱۰۲	قدریہ	۲۷
غازہ	۱۷۱	فردوس	۸۱	فقرہ	۶۵	قربانی	۱۰۶
غریب ۶۷	۲۱۱/۲۱۸	فرش	۱۲۲	فقیر	۲۱۱	قسمت	۹۳
غرور	۲۰۱	فرشتہ	۱۶۳	خلاسفر	۱۸۵	قرطبہ	۱۵۷
غصہ	۸۹	فرض	۲۳۷	فلسفۂ اشراق	۲۷	فرق	۱۲۴

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
قرمزی	۲۰۱	ک		کرتہ	۱۸۰	کلکٹر	۱۲۵
قصر و قلعہ	۱۱۷			کرسٹان	۱۵۷	کمشنر	۱۲۵
قلایخ	۱۸۱	کاریگر	۱۲۳	کرسی	۱۲۳	کناس	۸۵
قل اعوذی	۱۰۵	کاس	۱۱۹	کسوف	۲۱۳	کنجد	۱۱۸
قلچ قمع	۵۰	کاشانہ	۱۱۷	کشتی	۱۸۰	کنجوس	۲۱۱
قلعہ	۱۱۶	کافر	۲۲۱	کشتی دخانی	۱۸۰	کنڈرگارٹن	۲۳۳
قلم	۱۲۳	کافور	۳۲	کشش	۲۱۱	کنگال	۲۱۱
قمری	۱۲۳	کانسٹیبل	۱۲۵	کشمکش وجودی	۲۷	کنواں	۱۷۱
قمیض	۱۲۳	کالا	۲۵۵	کیپٹن	۱۰۳	کوتل	۱۲۳
قورمہ	۱۲۳	کالر	۱۲۵	کفارہ	۲۶۵	کوٹ	۱۲۵
قوس	۱۷۸	کاویانی	۳۶	کفالت	۲۶	کوٹھا	۱۲۱
قوس رستم	۴۸	کباب	۱۲۳	کفگیر	۲۸۰	کوزہ	۱۱۹
قوس شیطان	۴۸	کبوتر	۱۱۸ / ۱۲۳	کلاہ	۱۲۳	کوملبس	۴۴
قوس قزح	۴۸	کپتان رکیس	۹۶	کلاہ خسروانی	۱۱۶	کوہ طور	۶۳
قید	۱۲۹	کٹ ملا	۱۰۵	کلب	۱۰۵	کوہ نور	۶۳
قیمت	۲۰۴	کٹھ پھوڑا	۶۲	کل جہا	۸۰	کھانا	۱۲۱
		کدال	۱۲۱	کلدار	۲۳۹	کھٹمل	۶۲
		کربلا	۵۷	کلکتہ	۱۵۷	کہکشاں	۴۹

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفو	الفاظ	صفحہ
کھیت	۱۲۱	گل اندام	۴۶	گیسو	۲۴۲	لنگڑا آم	صفحہ
کھینچنا	۲۱۱	گل دوپہر	۶۴	ل		لونڈی	۷۷/۲۰۷
کیتلی	۱۸۰	گلستان	۵۷			لیُم	۸۵
کیسہ	۱۸۰	گلسرہ	۱۶۷	لاادریہ	۱۳۹	لیمونیڈ	۱۲۵
کیش	۱۲۱/۲۴۱	گلغدار	۴۶	لات	۲۴۰	م	
		گندش	۲۴۲	لاٹ	۱۲۵		
گ		گندم	۱۱۸	لارنس پور	۲۶۲	مابہ الاحتظاظ	۱۷۵
گاڑی	۱۵۰	گندھک	۲۴۲	لاف	۲۰۹	ماتا	۳۸
گام	۲۴۲	گنجفہ	۱۸۰	لالچ	۲۰۱	مادر	۱۱۷/۱۲۷
گاہ	۱۱۶	گوبرناس	۲۳۹	لاہور	۱۵۷	ماکیاں	۱۱۰
گاؤ	۱۱۸	گورمتا	۷۸	لائل پور	۲۶۲	ماسٹر	۲۰۵
گاؤتکیہ	۱۸۰	گوروگھنٹال	۷۸	لبادہ	۱۸۰	ملاح	۱۲۳
گرام	۲۴۲	گوسائیں	۱۰۳	لحاف	۱۲۳	مال ودولت	۱۲۲
گریہ	۱۱۸	گوسپند	۱۱۸	لدھیانہ	۲۶۲	ملاحت	۴۶
گردوں	۱۴۸	گوسوامی	۱۰۳	لڑکی	۲۰۷	مالن	۳۹
گروہ	۲۰۹	گوشہ	۲۱۰	لکھنؤ	۱۵۷	مالی	۲۵۵
گرفتاری	۱۲۶	گھر	۱۲۱	لگام	۱۲۲	ماں	۱۲۱
گلاب	۱۸۰	گھی	۱۲۱	لن ترانی	۲	ماندہ	۱۱۰

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
مبعوثین	۱۷۱	مرتبہ	۲۱۴	موسیقار	۶۳	مقابل	۲۲۲
متضاد	۲۲۲	مرتبت	۱۲۲	مشاطہ	۱۲۴	مقلد	۲۷
متبجن	۱۸۰	مرتد	۲۲۱	مشائین	۱۳۱	مقناطیس	۱۴۰
مجسٹریٹی	۱۲۵	مرجیہ	۱۸۹	مشعلچی	۱۵۲/۱۱۸	مقیش	۱۹۰
مجلس بلیہ	۱۷۱	مرزبوم	۱۱۷	مصیبت	۸۳	مکان	۱۲۲
مجنوں	۱۵۱	مرزائی	۱۰۰	مصراع	۶۵	مکتب	۲۲۴
محبت	۲۲۳	مرغا	۱۲۴	مطالعہ	۲۵۱	ملا	۱۰۵
محتسب	۱۰۵/۱۱۸	مرغ زریں	۶۱	ملبب	۱۲۳	ملاتا	۱۰۵
محراب	۶۷	مرغی	۱۲۴	معتزلہ	۱۳۸	ململ	۱۴۱
محل ۱۱۶	۱۲۲/۲۰۴	مروت	۱۰۷	معجزہ	۲۶۵	ملیچھ	۱۰۸
محمد فاضل	۳۸	مرہٹی	۱۰۸	معلم	۲۰۵	مومن	۳۳
محمدی	۱۰۰	مزاج	۱۲۳	معلوم	۱۲۳	منت	۸۹
مدارا	۲۲۰	مزدور	۱۲۳	معرب	۱۷۱	منگمری	۲۶۲
مدمغ	۱۴۵	مستحب	۱۲۷	مع بچہ	۷۷	منش	
مدرسہ	۲۲۴	مسرت	۱۲	مغرور	۸۰	منصف	۱۲۵
مدینہ	۱۲۸	مسخرا	۱۲۳	مغل	۶۴۰	منطقی	۹۲
مذاق	۲۰۹	مسلم	۱۵۷/۱۶۷	مغلانی	۱۳	منکشف	۲۲۱
مربا	۱۸۰	مسیحائی	۱۴۳	مغنیسیا	۱۴۰	منگتا	۲۱۱

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
من موہن	۴۵	مہ لقا	۴۶	ناٹک	۷۹	نوردیں	۳۳
مواخذہ	۶۶	مینہ	۱۲۱	نجیا	۳۷	نورجہاں	۳۳
موافق	۱۲۳	مٹی	۱۲۱	نخاس	۲۵۸	نوشیرواں	۱۴۱
موبد	۱۱۶	میدان	۱۲۳	نذر	۹۷	نوکر	۲۱۰
موحد	۱۰۰	مینر	۱۴۹	نرخ	۲۰۴	نومید	۱۷۳
موحدین	۱۳۷	میزان	۴۹	نردبان	۶۷	نیچہ	۱۸۰
مور	۲۵۶			نرغہ	۵۵	نیچری ۷۷	۱۳۸/۱۲۰
موسیٰ	۳۷	**ن**		نروان	۱۰۴/۱۵۷	نیک اختری	۹۲/۱۴۹
مولسری	۱۷۲	نتھو	۳۵	نازبو	۵۸	نیلام	۱۲۶
مولانا	۱۰۵	نادرگردی	۱۸۱	نشتر	۱۲۶	نین سکھ	۶۵
مولوی	۱۰۵/۲۰۵	نادری	۱۴۳	نصیحت	۱۲۳		
مہار	۹۳	نارنگی	۱۵۱	نقل	۱۲۳	**و**	
مہاجرین ۱۲۹	۱۵۷/۱۸۱	ناستک	۲۷	نفرت	۲۱۶	واجب	۲۲۷
مہتر	۱۵۳	ناصرعلی	۳۲	نکٹائی	۱۱۵	وادی الکبیر	۱۵۷
مہ جبین	۴۶	ناگ پھن	۵۹	نماز ۸۲	۱۵۷/۲۱۰	واسکٹ	۱۲۵
مہر	۲۰۳	نائل درتی	۱۷۱	نمائش	۲۲۰	واہیات	۲۴۹
مہرالنساء	۴۵	نان	۱۲۳	نمائندے	۱۷۱	وجاہت	۱۲۲
مہرووفا		نائب السلطنت	۱۱۵	نمود	۲۲۰	وجہ	۲۵۳

الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ	الفاظ	صفحہ
وحی	۱۰۶			ہزار داستان	۶۰	ہور	۲۴۲
وزیر	۱۱۵، ۱۲۳	ہ		ہفت اقلیم	۱۵۰	ہولدری	۱۷۲
وفا	۱۲۳	ہاتھ گرمانا	۹۸	ہل	۱۲۱	ہیجڑا	۲۴۲
ولی	۳۷	ہینسق	۱۴۳	ہمالہ	۵۷		
ولیعہد	۱۱۵، ۱۶۸	ہتک	۲۶۰	ہمایوں	۱۴۸	ی	
وہابی ۱۰۰	۱۴۰، ۱۳۸	ہجرت	۱۲۹، ۱۸۱	ہند	۱۵۷		
وید	۲۶۴			ہوا	۱۲۱	یار غار ۱۲۹	۱۳۰، ۱۵۷
		ہری چگ	۵۱	ہوائی جہاز	۱۸۰	یوسف	۱۴۳